

# غالب

غلام رسول مہر

جلد حقوق مغلزادہ

# غالب

یعنی

نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں غالب ہکی  
ایک مستند سوال نمائے عمری جو خود میرزا کے مدوح کے  
کلام نظم و نثر سے ماخوذ ہے

از

غلام رسول قمری۔ اے

دبیر روزنامہ انقلاب لاہور

مسلم بزنسنگ پریس۔ لاہور

# فہرست مضامین

۱	پیدائش، نام و نسب، تعلیم و تہذیب	۱	پہلا باب
۲۶	شادی، اولاد، خانگی زندگی، امور تعلیم	۲	دوسرا باب
۵۰	دہلی میں سکونت اور مکان	۳	تیسرا باب
۵۸	سفر لکھتہ	۴	چوتھا باب
۸۴	نام پورا اور میرٹھ کے سفر	۵	پانچواں باب
۹۸	فشن کا تصور	۶	چھٹا باب
۱۲۴	اجتہاد و اسیری	۷	ساتواں باب
۱۳۴	مالی حالت، دھج گونی اور جلیانی	۸	آٹھواں باب
۱۷۰	داستانِ قدر	۹	نواں باب
۲۴۷	فشن کے حصول کے لئے سعی و محنت	۱۰	دسواں باب
۲۴۳	عوارض اور وفات	۱۱	گیارہواں باب
۲۵۸	اخلاقی و عادات اور متفرق حالات	۱۲	بارہواں باب
۲۹۳	قصائیف	۱۳	تیرہواں باب
۳۵۱	کلام، طریقِ صبح، اور شاعری	۱۴	چودھواں باب

## تصاویر

(۳) مزارِ غالبؒ

(۱) غالبؒ

(۲) غالبؒ، ملا علی بن احمد خان کے نام و تہذیب، نقاشی

(۳) غالبؒ کا ایک غیر مطبوعہ قادی خط

## تیسرا

آقا سے میں سہلی پیشیو ایک مجلس غزالیں شرکت کا اتفاق ہوا، جناب امام اوسان کے رفقاء علیٰ حقارہ  
مناقب بیان کئے جا رہے تھے کہ انہیں ایک گٹھے سے کوئی خوش حیدر مسلمان چارٹا ٹیٹیلیٹھی و کنت  
مصلحہ بنایا گیا تھا، انہیں پیشی کا میلانی خاصہ ہے۔ چلے آکھیں کے خاص اوسان کے کاناموں کا سہلی  
نہ کر رہے اختیار کرنا پیدا ہوتی ہے، کاش کہ وہاں کے لڑائے میں مرنے!

انسان دوسرے انسان کے کاناموں کو گنگ کر خوش ہوتا ہے۔ مہربان مناظر ہوتا ہے لیکن چونکہ  
انسان ہے اس لئے نہیں انسانی پاتا ہے۔ یہ دیکھئے کانفریشن نہ کہ ہے، کہ وہ بڑا آدھی کہاں رہتا تھا کہ لڑکے  
کے ساتھ تھا، شیت تھا اس کے عام شغل کیا اتنے ہیبت کی طبیعت کی باقی زندگی کے واقعات کیوں کر ش  
ہر تھا، کیا کہا تھا، کیا پتا تھا، کیا پتا تھا۔ اس کی شغل صورت کیسی تھی۔ قدر کا ست کا کیا حال تھا۔

مفسر مہتری کا یہ تھا خاص قدر تقویٰ ہے، کہ اس کا سہلی آدمی ایک شے یا جاسکتا ہے، جب حضرت  
ابوالمشرکے متحمل کے میدان کے ساتھ وہ ان کے چوتوں چوتوں کے سامنے بڑے باوا کے حالات بیان  
کرتے ہوں گے، کہ بڑے میاں کس میں جنت لغو اس سے زمین ہلکے گئے، پھر انہوں نے کس میں تو کی بغاوت و  
امانت سے اس زمین کو چنے کے کوئی بنایا کیوں کہ اس سے خدوگ مائل کی کیوں کہ، ندوں کا مقابل کیا، ایک  
ہزار ہر ایک اس خاکہ میں جرم کیوں کہ بدن انسانی کی دنیا میں بہت کر کرتے رہے۔ تو تھینا دھنچے بڑے باوا کے  
حالات اور کانامے سن کر ٹھٹھٹھے ہوں گے کہ کاش ہم بڑے میاں کے لڑائے میں ہوتے۔

آقا دہ جہنے کی کیا ضرورت ہے، ہر کہ دو عالم کی بیات ہی ہے، ہر کہ وہ دنیا میں، جہنے آئے، خوشی سے  
آج تک کوئی دیرا انسان پیدا نہیں ہوا جس کی ہیبت کی غرامش کرڈوں، انسانوں کے تلوپ میں حضور سے نہ بڑا ہو، نہ  
حضور کے برابر ہی پیدا ہوئی ہو، انہیں کے حال واقعات کی پتہ دہی میں اس قدر تعلیم انسان بنام کیا گیا ہو۔

ساتویں صدی کے آغاز سے آج تک چروں، لڑکوں، مسلمان دنیا میں، باورہ کچے میں، ایک ایک



قلب کی سب سے بڑی کمزوری یہی ہے کہ اسے کائنات میں ہر جہاد عالم کے زمانے میں جتنا حضور کے ارشادات پہنچے گا  
 سے مستحق حضور کی عظمت مقدس کے برابر سے انکھیں نہ دے گی کہ جتنی کی عقل غیر مثبتیتا حضور کے کچھ غایب نہیں ہوتا۔  
 یہی لکھ کر قرائت می جس نے انکوں کو تامل پیدا کر دیا۔ جرات دی تھی کہ ہم سے حضور کی حیات طیب کی ایک ایک  
 تفصیل کو ذکر کر رہے تھے۔ ہر نئے نئے لوگوں کے بعد انکوں کے تامل میں پیدا ہو گئے۔ جن میں سے ہفتہ مارک کے نامی جذبات  
 شکلیں کا ارتقا کر رہے تھے۔

یہی مانگ کر ختم سے حیات اشکالی تھی جس نے صریح و سلیقہ کے بے پناہ افکار و عقائد کو فروغ کر دیے اور  
 حضور صمد کا نشانہ کے حالات و دنیاویات کی تدوین اس میں کر دی۔ کہ پڑھنے والوں کو اس کرنے کا کردہ حضور کے ساتھ  
 زندگی بسر کرنا ہے۔ چہ کہ قرآن مجید نے حضور کی حیات مقدسہ کو ہر مسلمان کے لئے اسرار و حسن بھی قرار دے دیا تھا کہ  
 یہ ہر مسلمان کی دینی اور دنیوی صحت و علاج کا سب سے بڑا سرکاری نسخہ ہے۔ لیکن یہ نہیں جانتے تھے۔ خواہی اس عادیث و حسن کی غرض  
 وہ کچھ ہی ہے۔ کہ مسلمان کا قلب اپنے آقا کے ساتھ دنیا و دوسے دنیا و متعارف ہونا چاہتا تھا۔ اس لئے دنیا و دوسے  
 دنیا و تفصیل و دنیا کی غرضی۔ اور ایک عظیم شہنشاہان کے افعال و اقوال کا وہ عظیم الشان ذخیرہ اور انوار ہم پر ہے جس کی  
 مثال دنیا کی کوئی قوم نہیں کر سکتی۔

سوانح عمری اسی قلم سے حیات گنجی ہے۔ بظاہر یہ حیات کی ترجمانی ہے اور ہر جہاد و دنیا و دوسے  
 اس لئے کہ ہر جہاد و دنیا میں یہ دنیا۔ وہ دہاؤں میں لایا جا سکتا۔ اور ہر انسان صحت کے گھاٹ بھر چکا۔ وہ دو ہاڑوں  
 آسکتا۔ اس لئے کوشش کی گئی کہ زندگیوں کے حالات مختلف ماحولوں سے اس میں فروغ کئے جائیں۔ کہ پڑھنے  
 والے ان سے زیادہ سے زیادہ واقف ہو جائیں۔ اور ان کی واقفیت اس درجے تک پہنچ جائے کہ اگر وہ سچ  
 سب سوانح کی زندگی میں صدمہ دہرے تو اس سے بہتر واقفیت نہ حال کر سکتے۔ اس لئے سوانح عمری کی  
 عمومی کامیابی یہ قرار دیا کہ وہ پڑھنے والوں سے صاحب سوانح کا تعاون کل کر دے۔ اور ان میں عوس ہو۔  
 کہ وہ وہ صاحب سوانح کے ساتھ زندگی بسر کر رہے ہیں۔

سوانح عمری کی دو قسم قرار دیں۔ پہلی سوانح عمری۔ دوم خود نوشت سوانح عمری۔ سوانح عمری خود نوشت  
 جسے صاحب سوانح خود لکھی۔ اور دست آویز یا حیات منہ لکھے اور خود نوشت سوانح عمری وہ ہے جسے صاحب سوانح خود لکھا ہے

استاد کا مقابہ ہے۔۔۔ سر پر تم نہ ہو، بہتر بھی ملانی ہے لیکن ماہر طبابت اس چٹکس نہیں جوتا اس نے کہ  
 ممکن ہے مہر صاحب نے بعض اصول سے بعض ایسے واقعات حذف کر لیے ہوں جن کا جہود کے سلسلے کا تعلق نہ ہو۔ خود شکی  
 اپنی ذاتی کمزوریوں کو اس دامن بیان کو نیا بے حد شہادہ ہے۔ تو پھر تو شہادتانی اور غلامی نے اپنی خود فروخت  
 سوانح قروں میں اپنی کمزوریوں کا پر حال کیا ہے۔ اس پر بھی تھا و نقیبات کو پر مہینہ نہیں جوتا۔

تہر صاحب نے سرخ قری کی ایک قیسری تہر پہاڑ کی ہے کہ مہر صاحب کے کلام نظم و نثر و دس کی بنی تہر قریس  
 اس کے حالات زندگی فراہم کئے ہیں جن کی صداقت سے کوئی اور شخص توہینا۔ خود مہر صاحب نے بھی انھیں گستا  
 اور ایک ایسا دہہ بتاتا ہے جس سے بڑھ کر تہر میں نہیں آسکتا۔ اب اس کا فیصلہ خود کر لیجئے۔ کہ یہ تہر صاحب نکلاں ہے  
 یا مرزا قاتل کا بہر حال تسلیم کرنا چاہئے گا کہ لوگوں کا قاتل ایسے اچھے اور جامع واقعات دیکھ جاتے۔ تو تہر صاحب سرخ  
 نگاری میں اتنے زیادہ کامیاب نہ ہوتے لیکن تہر صاحب کا شرف یہ ہے کہ انھوں نے اس ہوا سے وہ خانہ  
 اٹھا یا جس کی ترقی مرزا کے حقیقت مند دل میں سے کسی کوئی دہریہ ہی بتاتی یہاں تک کہ خواجہ جاتی مرحوم بھی حقیقت  
 اور واقفیت کے باوجود اس سے مرزا استفادہ ذکر کیے۔ تہر صاحب کی یہ کتاب چڑھنے سے وہ قتل کا کش مہر  
 قاتل کے عہد میں جو تے بہت بڑی حد تک پوری ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہیں قاتل واقعہ نگار اور قاتل خود مرزا  
 قاتل کے حلقہ ذاتی باتیں تحقیقی اور چھوڑ کر گئی ہیں۔ کہ شاید قاتل کی حقیقت عامت کی حالت میں بھی علم نہ ہو  
 تہر صاحب میں دو خوبیاں بیک وقت جمع ہو گئی ہیں۔ کہ وہ ادب کا نہایت بلند اور سنجیدہ اور ذوق نگار  
 رکھتے ہیں۔ اور تحقیق و تفتیش کے معاملے میں بھی اختصار و جے کے قائل ہیں۔ نتیجہ یہ کہ اس کتاب کا نفاذ تحریر  
 بے حلف اور بے تحاش اور دلشیں بھی ہے۔ اور واقعات کی صحت بھی ہوا و حال کے اعتبار سے کا قاسم ہے۔

بہر حال میں اس کتاب کے چڑھنے والوں کو بہت زیادہ فخر و کمال نظر آئے گا۔ خدا کرے کہ تہر صاحب کے اس  
 قابل و شک ادبی کھانے کو حسن قبول حاصل ہو اور ان کے ذرا دہریہ کے قاری وار و کلام نظم کے ساتھ  
 ان کے واقعات کا مطالعہ بھی فرض قرار دیں۔ میری تمنا ہے کہ مرزا کے واقعات نے مسرے سے مزید کیجئے جائیں اور اگر  
 یہ کام بھی تہر صاحب کے اہل و انعام پا کے توڑنے کا فرم جاتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تمہیں

درجہ عالمیائے دانشورین گزرتے

خواہی کہ بشنوی سخن ناشنوع

کم و بیش کیس ہیں ہونے جب عالمیائے دانشورین کی، ابتدا ہوتی تھی۔ اور شناسائی کا ذریعہ اردو کا وہ مختصر سا دیوان تھا جو قرن چار گزرتے میں بازار سے آیا تھا شاید اب بھی وہ ہو، بیکر دیوان عالمیائے پنج پنج دس دس، پندرہ پندرہ، بلکہ دو سو روپے کے انڈیشن چھپ کر فروخت ہو رہے ہیں میں مکمل میں چھپا تھا شکر گئی کا شوق تھا اور ہم چند دوست جن میں سے ایک مولانا عبد الحکیم خاں قشقرق اندھری ہیں کوئی ایک ملحق تجویز کر کے فراہم کیا کرتے تھے۔ عالمی کا دیوان چھپنا شروع کیا تو اس کے بعض اشعار ہمیں نہیں آتے تھے۔ اس زمانے میں میرے ایک شفیق استاد مولانا حکیم محمد سلیم صاحب تسلیم مرحوم جسکی قضا جانندہ رہا تھے۔ جو عربی و فارسی، اردو اور بیاض کے اہل عالم تھے۔ جہاں مذاہن میں شعر کہتے تھے علوم عقیدہ و تقلید کے بہت بڑے ناظم تھے جہزادہ نجوم میں بھی نہایت عمدہ و متکاہ رکھتے تھے خطاطی و خوشنویسی کے مختلف اصناف پر عادی تھے۔ عام علوم و فنون متداولہ و شرقیہ میں وراثت نامہ کے علاوہ وہ اپنی درجے کے طبیب تھے لیکن ان کا علم و فضل صرف اس وجہ سے ظاہر نہ ہو سکا کہ وہ ناؤ نوش کے بہت عادی ہو جھٹتے تھے۔ اودان کا زیادہ وقت سرخوشی کے عالم میں گزرتا تھا۔ وہ خود بھی تنہائی، بیسویں اور خلوت کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور عالمی لوگوں سے لڑا یا علمی ملازمت میں جانا انہیں مرفوب نہ تھا جب کبھی علمی باتیں سناتے بیٹھ جاتے تو ایسا سلوک ہوتا تھا کہ فضائل متداولہ کا دیار بڑھتا ہے۔ اس قسم کی صحبتوں میں خود بھی کبھی کبھی بے اختیار پھار پھرتے تھے

پہلی صرف یہ تریاں عالمی تھے ہم دلی سمجھتے جو زیادہ خواہر تھیں

ان سے دیوان غالب پڑھا تو دل میں وہ جذبہ عقیدت و نیاز پیدا ہوا جسے پہلی مجلس سے بھٹا نہ تھی کے، محضات کے ساتھ آپ بھی میں اپنے ذوق و کجک کھیتہ، تاریک کی خوش فروز میں بھٹتا ہوں۔ میں سکول کی تعلیم سے غایب ہو کر اعلیٰ تعلیم کے لئے لاہور چلا آیا، مولانا سلیم شہراری مدت کے بعد وفات پا گئے، شہرہ نقاشی کی رحمت لاجل کے دروازے ان پر کھلے رہیں۔ انہی کی آغوش علم و فضل میں میرے دل و دماغ نے ہوش کی ہلکے کھولنی اور انہی کے دبستان لطف و ذراوش میں میں نے عشق غالب کا پہلا سبق چڑھا۔ کالج میں پہنچ کر میں نے مولانا حسرت آرائی کی مجلس غالب و مکی جس نے غالب کی وفات کے عشق عقیدت اور جوش نیا کے اس جذبہ کو زیادہ ہلکے و چمکے کر دیا جو مولانا سلیم مرحوم کا فیض، باہر جہت میں پہلے ہوا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں حالات سے بچے ایشیاء نویسی کے دھارے میں پہنچا۔ جہاں ذوق علم، ادب کے اس ناہود وچکر کے ساتھ، رابطہ محبت و دوستی بہتوار ہو جس کی وفات و حیدت میری حیات مستعار کا غزہ ترین سرمایہ بننے والی تھی۔ میرا شمار ہوا، مکرم مولانا عبدالمجید خاں صاحب سالک کی طرف سے۔ جو جود برس سے میرے جتنی بھائی کے برابر عزیز میرے ہر پنج و دماحت کے رفیق، خدمت، عامر کے میدان میں میرے ہر قابل توجہ اندوختہ مل کے لئے غمزدہ خلق پر سے بڑھ کر تکی بخشیں اور عند الشدائد سے بڑھ کر سختی ابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر حال میں ان کا حامی و ناصر ہو۔

میں ہر جوش و سماں میں ہی کسی دوسرے شاعر کی عقیدت کا حلقہ اپنی گردن میں ڈالے بغیر غالب کے مستقد بن گیا تھا لیکن سالک صاحب اپنے ذوق صبح کی رہنمائی میں مختلف مراحل سے گزر کر غالب کے آثار و پہنچنے تھے میری عقیدت، اجناد و محقق کے جوہر سے سوا تھی، میں نے صرف غالب کو دیکھا تھا اور کسی دوسرے سے شفا سانی و معرفت حاصل نہیں کی تھی لیکن سالک صاحب کی عقیدت غالب ادب آوروں کے سارے اندوختہ کی اچانکیوں اور ہر انہوں کے ہنگامہ و جہد میں اتنا ذوق کے بعد صورت پذیر ہوئی تھی جس طرح میں میری حیثیت عامی غفلت کی غنی لیکن سالک صاحب محقق و مجتہد کے جذبہ غائر ہو چکے تھے یا قصور کی زبان میں، "میں مجذوب تھا اور وہ سالک" تھے۔ اس محقق و رفیق عزیز کی مستقل صحبت نے غالب کے مستقل میرے عقائدات میں بصیرت کی روشنی پیدا کی اور مولانا سلیم مرحوم کے درجہ و

جس عینیت کا سنگ بنیا دیکھا تھا اسے تاک تاک صاحب کی جتنا ذہنیتات نے مرثیہ نگار بنا دیا۔  
 آج سے چند سال پیش تک ہمارا کام ٹیکہ تھا کہ بیاسیات کے خلک اور بے کیف مٹا کر  
 تھوڑی دیر کے لئے انگ ہر کو کتاب یا قرآنی یا فیکری کے دو ادیبوں کے کر مٹیجے جاتے تھے اور جھنڈوں پر چڑھتے  
 رہتے تھے۔ تمنائی کی ان پر مختلف صحبتوں میں ہم یہ بھی سوچتے رہتے تھے کہ کتاب کے کام ہاتھوں میں نہ لگنا  
 نظم کو زیادہ فرقی دینے اور زیادہ ہر دلعزیز بنانے کی کیا کیا تدبیریں پرستی ہیں اور عقیدت کی جس اہمیت  
 سے ہمارے سینے سے ہوتے اسے ہر شے کے لئے آدمی کے عاقلانہ ذوق میں پہنچانے کے لئے کون کون سے  
 طریقے استعمال کئے جاسکتے ہیں مختلف اوقات میں ہم نے مختلف یکس بنائیں مختلف نقشہ اسے مل  
 تیار کئے جن پر کام ہوئے کے لئے تھوڑی سی فرصت و صلت کے اندر و مند تھے لیکن اس نوعیت کی  
 کئی کتاب ہمارے ذہن میں نہیں آتی تھی جیسی اس وقت اب باب الم کے دو ہوش کی جا رہی ہے۔  
 میں نے کتاب کے اردوئے سنے اور عود ہندی کو جب جیت کئی مرتبہ دیکھا تھا لیکن میری نظروں  
 میں ان کی حیثیت معمولی خطوط سے زیادہ نہ تھی اور اس قسم کے دوسرے مجموعوں کے مقابلے میں ان کی  
 ہندی پاد اور مروت کا مادہ مضیہ تھا کہ یہ کتاب کے خطوط تھے یہی مشعل میں آنکھوں کی خلیف سے  
 مجھ پر کر میں پہلے چلیا۔ تو کتاب کی چند کتاب میں اس خیال سے اپنے ہر دو بیٹا گیا۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے  
 آشوب کی بار سے نجات دے گا تو ان کتابوں سے دل بدل دیا کروں گا میری آنکھوں میں آشوب کے دور  
 ہوتے تھے یعنی وہ تو انکھیں منہج اور متروک ہو جاتی تھیں اور ان میں سے پانی بہنے لگتا تھا۔ دوسرے  
 دن کے بعد آرام ہو جاتا تھا۔ آرام کے بعد وہ دنوں میں وہیں آدوئے سنے اور عود ہندی کا باقاعدہ  
 مطالعہ کرنے لگا تو مجھے معلوم ہوا کہ ان میں کتاب کے سوانح حیات کا کافی سراہہ موجود ہے میں نے اپنے  
 ذہن میں چند عنوانات قائم کر لئے اور دوران مطالعہ میں کتابوں کے حاشے پر چارچا نشانیاں لگا کر  
 بعد ازاں کتاب کی تادیبی تصانیف نظم و شریہ ذوق عالی و شریہ جانا لکھے نشان کردہ حصوں کو پیش نظر رکھتے  
 مطابق معین کر لیا تو خیال تھا کہ کتاب کے خود نوشت سوانح حیات کے نام سے متروک حجم کا ایک رسالہ  
 مرتب ہو جائے گا لیکن سارے نشان کو وہ سمجھے ہوئے تو ایک ایسی خاصی کتاب بن گئی کہ اب

پہنچ کر میں نے ان اشخاص کے متعلق مزید معلومات فراہم کیں جن کا ذکر غائب کی تصانیف میں آیا ہے  
 تو کتاب میں مزید اضافوں کی ضرورت پیش آئی۔ جسے اب میں اپنی اپنی بے لگائی کے اعتراف کے ساتھ  
 عاجزانہ و نیاذستانانہ باب علم و ذوق کے روبرو پیش کرتے کی جرأت کرتا ہوں۔ خدا کرے یہ ناپزیر ہو گا۔  
 بارگاہِ مملکت و جلال کے فرمایاں سمجھا جاتے۔

تالیف کتاب کی اس مختصر سی سرگزشت کے بغیر کتاب کی نسبت کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت  
 نہیں لیکن سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا وہ کتاب جس میں بلند پایہ کتاب کے بعد سوانح غائب کی ترتیب  
 کیوں ضروری سمجھی گئی؟ تجھے یاد تھا کہ ان کی بلندی پایہ کے اعتراف میں نہ پہلے کبھی تامل ہو رہا ہے اور نہ  
 اب تامل ہے۔ اور میں خواجہ عالی مرحوم کے اپنے نیاؤں و سندوں میں سے ہوں۔ یہ بھی حاقہ ہے کہ غائب  
 کو حق و ہندوستان میں جو ہر طرز پر حاصل ہے۔ اس کے پیدا کرنے میں یادگار نگار کا بہت بڑا حصہ ہے۔  
 لیکن یاد تھا کہ اپنی تمام عربیوں کے باوجود غائب کی صحیح مفصل اور مستند سرگزشت جیات نہیں ہے۔  
 اصل کتاب کم و بیش چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن ان چار سو صفحات میں سے غائب کے سوانح  
 کے لئے صرف چھانوے صفحے مل سکتے ہیں اور ان چھانوے صفحوں میں غائب کے سوانح جیات بھی ہیں  
 ان کے کام کے اقتباسات بھی ہیں۔ ملاحظہ بھی ہیں۔ عالی اور غائب کا باہمی معاملہ بھی ہے۔ اور  
 غائب کے شاگردوں میں سے غائب خیاں الدین احمد خاں اور غائب مصطفیٰ خاں کے حالات بھی ہیں۔  
 غائب کی زندگی کے حالات کی تحقیق و فروری کے لئے خواجہ عالی کو جو مواقع حاصل تھے۔  
 وہ کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔ خواجہ مرحوم غائب کے مزید شاگرد تھے۔ تمام شاگردوں  
 میں علم و فضل کے اعتبار سے افضل تھے۔ غائب کے منایت ہی عزیز اور و پریندہ و دست غائب مصطفیٰ خاں  
 کے رفیق تھے۔ اکثر غائب کے لئے رہتے تھے۔ اور ان کے تمام حالات پر چھتے اور سنتے رہے ہوں گے۔  
 انہوں نے غائب کی زندگی میں ان کی تمام تصانیف اور ہتھکڑائے صحابہ و شاگردوں پر مشتمل ہوں گے  
 اور جو تحریرات غائب کی زندگی کے واقعات و حالات کا مرقع تھیں ان کے غیر واضح یا کم واضح  
 کو خود غائب واضح کر دیا ہو گا یا واضح کر لینا چاہئے تھا لیکن انہوں نے یاد گذرانہ ترغیبات کو پہرا

نہیں کہتی ہوتا، اور غالب کے گھر سے تعلقات کی بنا پر اس کتاب کے وابستہ کی جا سکتی ہیں مگر اس عروا و کچھ پہلو  
 حیات کی ترتیب کا حقیقی مدعا یہ ہوتا ہے کہ اس کی تصانیف کے فہم میں نیا دور سے زیادہ مدوٹے۔ اس ماحول کے  
 متعلق زیادہ سے زیادہ سمجھا جی حاصل ہو جائے جس میں صاحب کلم نے زندگی گذری جس کی آغوش میں  
 اس کے خیالات و افکار نے غالب حیات اختیار کیا۔ وہ خطوط و ناپاک حرف و الفاظ کا لباس پہنا کر میر تقی  
 راستے میں آیا و گھر کی بندھی پا کے اجڑے باغوں کے باوجود کتنا چل رہے کہ وہ اس مدعا کی تکمیل کا قرض نہیں بن سکتی۔  
 غالب کی تصانیف کے مطالعہ کے دوران میں باہمی بقولات پیدا ہوتے ہیں جن کے جوہر کے لئے سخت جی لگیں  
 یا تو گھر کے صفحات کی طرف بے اختیار توجہتی ہیں تو زیادہ جتنا کام وہاں ہوتی ہیں بلکہ غالب کی تصانیف کے  
 خاتمہ مطالعہ کے بعد یا تو گھر کا مطالعہ کیا جائے تو کسی مقامات پر دل یا تو قبول کرے کہ اس کتاب کی ترتیب کے  
 وقت غالب کی تمام تحریرات خواہ مروجہ کے پیش نظر تھیں۔ لہذا ان سے بعض حیرت انگیز سروسر و جڑ  
 جن کی تفصیل آپ کو آئندہ صفحات میں ملے گی۔

میں نے کوشش کی ہے کہ غالب کے زیادہ سے زیادہ حالات کیجے جو بائیں اس کی زندگی کے مختلف  
 حصوں کے متعلق اپنی تفصیلات فراہم ہو جائیں کہ کسی صاحب ذوق کو کسی حصے کے متعلق کوئی عقلی سرشار ہو  
 اس بات کو فیہر و تاجین کلام پر ہے کہ میری اپنا چیز سی جس کا دورہ بہ ہر حال بہت ہی محدود تھا جس حد تک  
 ملکر رہی میرے بیانات زیادہ متغیر و غالب کی تحریرات پر مبنی ہیں۔ اس لئے اس کتاب کو ایک لحاظ سے غالب  
 کی جڑ کا جاسکتا ہے البتہ تشریحات میری ہیں جن کے لئے مجھے سینکڑوں فیہر و تاجین کا دورہ بہ حد کیا  
 کتابوں کی مدد گرانی کوئی نہیں۔ جہاں جہاں غالب کے بیانات محل نظر معلوم ہو گئے ہیں ان کے قریب  
 کے دورہ نظر ہو گئے ہیں۔

میرزا محمد مسکری صاحب کی کتاب "دینی خطوط غالب" میں نے جس وڈیز میں اپنے دیکھی تھی۔ یہ کتاب  
 مختلف حالات کے اعتبار سے بڑی قابل قدر ہے اپنی کتاب کی ترتیب کے لحاظ ہو کر میں نے سروسری طور پر  
 اسے دو بارہ دیکھا تو اس میں بھی باہمی سمون نظر آئے۔ جن کا تفصیلی ذکر کہ کتاب تصانیف میں  
 ملے گا۔

تسا نیکو شہادت اسلام دہری تصدیق کرتا ہے لیکن قاتل کے تعلق اس کی تفتیش کا سوا یہی سوا ہے کہ خود بخود نظر آیا  
 شہداء میں درجہ ہے کہ قاتل ہے خود ہی وہ اس میں جا ہیگا جس شخص سے حال کیا ہے۔ حالانکہ قاتل کی کچھ اور چیزیں ہوتی  
 خود ہی میں ایک جگہ بھی اس شخص میں آیا ہے کہ اس کے چھائی وفات کے بعد وہ دہری نے پچاس روپے ۱۰۰ روپے  
 ستر کو یا قاتل حالانکہ قاتل کا تعلق خلیفہ یا خاندانی نہیں دشنام دہری سے تعلق تھی اور وہ پچاس روپے ۱۰۰ روپے تھی نیز کل  
 انگریزی نے ستر کو تھی اور وہ خود دہری کی ابتدا کس سے تعلق ہی بعد ازاں باہر دست انگریزی نے خود سے تعلق لگایا  
 اور اس کی مقدار ساڑھے باسٹھ روپے ۱۰۰ یا ساڑھے سات سو روپے سال تھی۔ وہ دہری سے تاریخ شہداء کی  
 جیسے میں جو پچاس روپے ۱۰۰ روپے اور دہری جوئے تھے اس کی ابتدا جو ۱۰۰ روپے سے ہوتی جبکہ قاتل کے چھائی وفات کا  
 چوبیس اس گڑ بگڑ تھے۔

ان انگریزوں کے تھام سے میرا قصہ خود انگریزوں سے نہیں ہے نہ ان مراب علم نفس کی مسامی انگریزی کی قدر  
 تھاموں حادثہ تھا جسکو دہری نے یہاں پر نہ کیا کہ ان بلند پایہ گناہوں کی اس کے بعد بھی قاتل کے تعلق تفتیش کی گنجائش  
 موجود ہے۔ شاید میری یہ تاچر کو کشش مراب علم ذوق کے سامنے تحقیق کے نئے راستے پیش کر سکے۔

قاتل کے علم ۱۰۰ روپے دوسری تصانیف کے ان حالات کو چھ کرنا سان و قیامی مشکلات کو صحیح اندازہ دی تھا  
 فرما سکتے ہیں جن میں اس نروٹیک کے کامی کا قتل بہت تجربہ ہے۔ ایک ایک ملک کے لئے ایک ایک صفو کو کھل کھل کر  
 ایک ایک صفو کی تفتیش فرمکن ہونے کے علاوہ بعد صرف وقت مزید بھی وقتی نیز یہی محنت اس قدر دیدہ و بین کی گئی  
 سا دہری تھی۔ ان میں نے دیا و حرم اندازہ و تصانیف کیا دیا۔ وہ ماغریبی کی پانچ مختلف اصحاب کے نام کے تھام  
 ۱۰۰ روپے دوسری تصانیف کے مختلف سبب سے کرنا یا کرنا بہت ممکن ہے بعض فردی چیزیں تو خود اندازہ کرتی ہیں لیکن  
 یقین ہے کہ زیادہ سے زیادہ حالات فراہم ہو گئے ہیں۔

بعض سو کے تعلق مجھے نفس قیاسات سے کام لینا پڑا جن میں سے ممکن ہے بعض خدا ہوں یا پھر کے  
 جوئے میں ہیں لیکن مسئلہ صلاحت سامنے نہ ہونے کی صورت میں قیاسات کے سوا چارہ نہ تھا۔  
 قاتل کی تمام تصانیف کے پسے ایڈیشن مجھے دل کے اس نے جس نے مختلف تحریکات کر سائے۔ لیکن ان کی کچھ  
 ان کے تعلق ہی قیاس سے کام لینا مجھے نہیں ہے کہ یہ قیاسات اگر بالکل صحیح دہری کے نزدیک اقرب خود ہوں گے۔



انجام میں میرا ادارہ تھا کہ کتاب کے اس کتاب کا نام کوئی کتاب نہیں شامل کروں جو اب غیر مطبوعہ کتاب کی حیثیت رکھتا ہے۔  
 کہ کتاب ہے نیز کتاب کے ادبی و علمی خاتہ اور اس کتاب کی ایک نیا جو و فرام کر رہا تھا جسے کتاب کے آفریں شامل کرنا  
 چاہتا تھا لیکن کتاب کی خواہش بہت بڑھ گئی اور ابھی مجھ پر یہ جسے روکنے پڑے۔ حالات نے مسامتہ کی تو  
 انہیں دیکھ کر وہ مشائخ کو اس کتاب کی خواہش کے بڑھنے ہی کا اندیشہ لازم کے باب میں بھی زیادہ تفصیلی مباحث کا حق ملے  
 گا۔ یہ بھی خواہش اس وقت کسی دوسری شکل میں پوری ہو جائے گی۔

میرا ادارہ مختلف اس طرح کی ترتیب میں ہیں جن کتابوں سے میں نے فائدہ اٹھا یا ان کے نام درج کروں لیکن  
 یہ درست بہت طویل تھی اس لئے اسے غور انداز کرنا چاہیو تاہم یہ طالب کی جن تصانیف کے حوالے آئے ہیں ان کے انچیتوں کی  
 تفسیر اس لئے ضروری معلوم ہوتی ہے کہ تمام انچین کو ان کی کتاب پر کی تفسیر میں حق و مزین انچیتوں کی انچیت کی شکل ہے۔

- (۱) کتابت تفسیر فارسی مطبوعہ و نکشور طبع دوم ۱۲۹۴ھ
- (۲) کتابت تفسیر فارسی مطبوعہ و نکشور طبع سوم ۱۳۰۰ھ
- (۳) اردو کے خطے مطبوعہ و طبع فاروقی دہلی ۱۳۰۲ھ
- (۴) عود ہندی مطبوعہ و نکشور جولائی سنہ ۱۲۹۹ھ

کتاب میں جاں و جاں ان کتابوں کے حوالے آئے ہیں اور صفحات کے لئے بھی انچیتوں کا غلط انداز چھپا  
 ان تفسیر ہی گزشتہ کتاب کے بعد شکوہ پاس کا فاضل اور ان کا فروغی ہے جس کے پہلے دیکھے قراب میرا میرا  
 خاں دہلی اور دہلی شکر پور اور ان کا پائے جنہوں نے باوجود کثرت مشاغل و مجرم و مصروفیات دیکھے دوسرے قراب  
 غور شدہ ملی خاں خلف قراب سرور و الفقار ملی خاں مرحوم کے دولت کدہ پر شرف ملاقات بخشا اور گفتگو کر کے  
 مختلف مسائل کے جوابات فرماتے رہے وہ اس خاندان کے علیل القدر فرما ہیں جو شاہی کے بعد خاں کا  
 اپنا خاندان ہیں جن کا مشائخ گزشتہ آئی۔ اسی میں ساری پچھلے گزشتہ کتاب کا لہر کا مسنون ہیں جنہوں نے بھلا  
 باوجود تمام تک مصائب کو محض اپنے رشتہ داروں کو دیکھنے کی اجازت دی بلکہ نہ تکلیف فرما کر ہمارے مطبوعہ کا فائدہ پر  
 نشان لکھ دئے ہمیشہ ہم پر بھلا یا صاحب تیسریں پنجاب پبلک لائبریری کا مسنون ہیں جن کی باوجود ملاقات  
 سے مجھے محض بے حد کتابیں میرا تفسیر اور جنہوں نے میرے لاہور آ جانے کے بعد تیسریں کی کتابوں سے

میری سہرت کے مطابق استفادہ کے مواقع بہم پہنچائے۔ اپنے محترم رفیق بھائی سیدنا حسین صاحب تحصیلدار سکون  
جنگلوں ضلع لودھیانہ کا ممنون ہوں جو خان بہادر مولوی سید حبیب علی صاحب مرحوم غلطی بہار سلسلہ جاہ کی اولاد میں  
سے ہیں، انہوں نے میری کتاب کا، علان دیکر کفرائے ایک غیر مطبوعہ ناسی خط کا مجلس رحمت فرمایا جس کا کمال  
دعوت بنا ہوا ہے۔ آنحضرت صاحب نے مولوی صاحب مرحوم کے عمل حالات، ان کی دو تفسیریں، اختلافی کلام  
میں میرے پاس بھیج دیا تھا۔ ان تفسیروں کا ذکر کتاب کے تاریخی رفاقت موصوفہ مولوی صاحب کے مضمون میں آیا ہے۔  
صفی الدود حامد الملک ذمہ سید علی حسن خاں، انکھش کا محقق چیل جنہوں نے میری درخواست پر کتاب کے سب  
غیر مطبوعہ کا تہیکہ حصول کے لئے رحمت برداشت فرمائی، انہوں نے کو بھیجی ایک یہی کامیابی نہیں جو مکی مولانا شمس  
صاحب نیپل، ڈیٹیل سوچ کا مندرجہ کتاب کے متعلق بعض قیمتی معلومات حاصل ہوئیں، مولانا ظفر الدین صاحب  
شیرکوٹی ایک تلامذہ بات و وعدت دہنی کا ممنون ہوں جو دور دور میرے ساتھ "توہان غالب" کے پختے کی تلاش میں  
پھرتے رہے۔ انہی کی وساطت سے میں خاندان لڑورو کے بعض افراد کو پہنچ سکا، اور کتاب کے غیر مطبوعہ  
کلام کی نقل لے سکا۔ اپنے عزیز و محترم بھائی شیخ مبارک علی تاجرتب کا ممنون ہوں جنہوں نے کتاب کی نقل  
کے سلسلے میں میرے لئے متعدد ذمتیں برداشت کیں، سب کے آخر میں، اور سب کے بڑے کر اپنے عزیز و محترم بھائی  
مولانا سائلک کا ممنون ہوں جنہوں نے ان اوراق پریشان کو شرم سے، آخر تک لپٹا، اور جن کا علم و فہم  
کتاب کی موجودہ ترتیب میں بیرون مرتبین رفیق و رہنما رہا۔

آخر میں یہ عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گو کتاب کا کوئی شخصیت کے انشائیہ مضمون کرنے  
کے شیوہ عام کی پیروی سے طبیعت گریزاں نہ ہوئی تو میں اسے اپنے چھوٹے بھائی چودھری امیر محمد خاں  
طوی سے وارد شدہ ہیں اس کے نام سے منسوب کرتا۔ اول اس لئے کہ بیاری کے چکا کام ابام میں سکون کے چنے کے  
میں کرتے ان کے لئے میں شکرانے کے فضل و کرم کے بعد اپنے بھائی کی سعادت مندی اور خدمت گزاروں کی  
ممنون ہوں۔ اگرچہ پیکر میں حاصل نہ ہوتا تو میں کتاب مرتب ذکر کرتا۔ دوم اس لئے کہ وہ سب سلسلہ و متر ترجمے  
اس کی تکمیل کی طرف متوجہ کرتے رہے۔ میری تندہی کے اوقات میں وہ مولانا اس کا کوئی نیا حصہ لے کے  
آئے و مندرجہ تھے۔ اس وجہ سے میرے دل میں تکمیل ترتیب کا جذبہ تازہ رہا۔ سوم اس لئے کہ کتاب کے

کے ، واجب نیا زمین بھی وہ میرے شریک ہیں لیکن میں انسابات کے عام شیعہ کو پسند نہیں کرتا ۔

میں ادیب نہیں ہوں ، شاعر نہیں ہوں ، نقاد نہیں ہوں ، سوانح نگار نہیں ہوں ، نقاب کی ذات کے ساتھ دیرینہ عقیدت کے جذبہ غصہ کی سرخوشی میری قلم کے مسافر نے زمینوں کا مذاق کے مائل میں لگاتار کی ہے ۔ خدا کرے اس کی یہ خدمت کشتی چال بٹ نہ کبھی جائے ۔ اور یہ خیرینہ ادیب باب سلمہ ذوق کی بارگاہ کشف سے غفلت قبول چکے ہیں ۔

مسلم باقر - لاہور  
۱۰ مئی ۱۹۳۷ء

ہے



مہر اعلیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## پہلا باب پیدائش، نام و نسب، خاندان و تعلیم غالب نام آور منام و نشان خرم پسر ہم سہ اللہ علیہ وسلم ہم سہ اللہ علیہ وسلم

تاریخ پیدائش | اسد اللہ بیگ خاں نام میرزا نوشہ شہر، نجم الدولہ ویر الملک نظام جنگ خطاب <sup>۱۳۱۲ھ</sup> ۱۲۱۲ھ  
کو نکلا گئے۔ چنانچہ اس کے کوکب آباد (انگلو برٹش فرینٹ) کے عالم وجود ہوئے۔ نواب ملار الدین احمد خاں  
ملانی نہیں لو مار کو ایک خط میں جو غالب <sup>۱۳۱۲ھ</sup> کا لکھا ہوا ہے فرماتے ہیں :-

تین <sup>۱۳۱۲ھ</sup> میں پیدا ہوا ہوں، ایک رجب کے پینے سے آٹھ سو برس شروع ہوا ہے۔

ایک اور خط میں نواب صاحب مدح بی کو لکھتے ہیں :-

خاصہ عام ہے کہ عالم آرائی کے مجرم عالم ارواح میں منسلک ہیں لیکن یوں بھی ہر ہے کہ عالم

ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھی کر سکتا ہے، چنانچہ <sup>۱۳۱۲ھ</sup> کو لکھے ہوئے خط میں

(یعنی دنیا میں بھیجا) (مترجمہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ)

فتی حبیب اللہ خاں صاحب قلعہ آبادی (پیشوا و نواب قلعہ الملک سرسالا جنگ ۱۳۱۲ھ)

کو لکھتے ہیں :-

اس خط میں حبیب کی آٹھ سو تیرا سے سو برس شروع ہوا ہے (مترجمہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ)

نواب میرزا بہر علی خاں کوہ <sup>۱۳۱۲ھ</sup> کے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :-

اس خط میں حبیب کی آٹھ سو تیرا سے سو برس شروع ہوا ہے۔



علوم ہوتا ہے۔ فقہ ہے چچا خاں سداشخان کے بھائے خواجہ سداشخان کیوں دکھا جاتے  
نیز نام سے پہلے تیرا لکھا جائے یا مولانا یا قتاب اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

مولانا صاحب غلام بابک م، ح، م، د (یعنی مولانا کے ہر حرف پر میری جان شام ہے گرجہ کی طرح)  
ولایت ایک حکام کے اس سے یہ خط یعنی خواجہ سداشخان میں لکھا جائے اس نے بھی ہر حرف کو با  
ہے۔ اور میرزا مولانا قتاب اس میں سے تم کو اور بھائی بخشی بخشی حقیر کو اختیار ہو چکا ہو لکھو۔  
عرف کا ذکر کیا ہے اپنے اوردیوان کے دیباچہ کی شر کے آخر میں کیا ہے، فرماتے ہیں :-  
باب اس کے ہستی، شہیدہ، از غیبی، و پیدائی، تا صیغہ یعنی نقش شبیر آئینہ نقاش کی سداشخان  
موسم، پیرزا نوشہ عرف، اب قتاب تخلص است نہ کہ گرجہ بلدی مولانا مولانا کن بہت فرماں کا  
بخشی دین باد۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قتاب کو اپنے حرف کے اظہار میں مختلف خطا جس زمانے میں "دستبر"  
چھپ رہی تھی بخشی شیر نازن صاحب آرام ایک طبع مغیہ خلافت نے قتاب کو ایک خط بھیجا تھا جس کے  
تخلص پر میرزا نوشہ صاحب قتاب "برج تھا۔ قتاب کو عرف پیدا ہو کر کہیں "دستبر" کے مسوق پر بھی  
یہی عبارت برج دہر جاتے۔ فقہ کو لکھتے ہیں :-

صاحب طبع بخشی شیر نازن کے خدا کے عارف بلکہ اپنے میرزا نوشہ صاحب قتاب "شرف کو  
کتا ہے جو جلد ہے ثبات ہوں کہ موزوں کتاب بھی دیکھیں۔ آیا یا یا ہی کا دیوان یا دہکا یا  
پنج آہنگ باغیر و نہ چاہے کی کوئی کتاب اس شرف کو کہیں نہیں پہنچی ہو وہ بخشی شیر نازن میرزا  
نام دیکھ لیتے؟ تم نے ہی میرزا نام نہیں دیا یا صرف اپنی غفلت عرف کے واسطے اور ملائی نہیں۔  
بلکہ وہ یہ ہے کہ ہل کے عوام کو عرف معلوم ہے کہ لکھتے سے ولایت تک یعنی دہکا کے حکمرانوں کو  
عابد کے حضور میں کوئی اس ملاقات عرف کو نہیں جانتا پس اگر صاحب طبع میرزا نوشہ لکھد یا عرفیں  
خدا ت ہو گیا، کہہ یا گیا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ قتاب کو عرف پسند تھا شاید شروع شروع میں عرف اس نے اختیار

کر دیا تھا کہ اس زمانے میں عرف کا عام دستور تھا، اور میرزا نوشہ معروف اختیار کر کے کی وجہ سے علم ہوتی ہے کہ خاندان کے والدین نے عبد اللہ شہید کا عرف تیرزا دیا تھا کیونکہ جب بچپن میں وہ شہادت کی عمر میں آتا تھا تو آتش جہنم کا دور گزر گیا اور طبیعت میں متانت و ثقاہت پیدا ہو گئی تو عرف کے عادات نکل گئے۔

سید سے محبت خاندان کے اگرچہ ابتدائے شباب ہی میں آگے کو چھوڑ کر دلی میں سکونت اختیار کر لی تھی لیکن اپنے والد کی محبت ان کے دل میں ہمیشہ موجزن رہی۔ فراب ضیاء الدین احمد خاں تیرزا کے والد اگرچہ مختصر عمر کے تھے مگر خاندان کے انہیں آگے بڑھایا۔ دیکھتے اس میں اپنے مولد کے ساتھ ولایت کا کس طریق پر اظہار کرتے ہیں:-

جان بابو! اٹلک واکہ خاندان نامراد یعنی آب و ہوائ کے کبریا باور پر شام ساز گماں باد.....  
گو فرم کہ غور واپس کر رفت و زو یک نو فائزین و در وقت تیرزا آمد میں ہنوز دم در وطن ایسا ہوا کہ ایک باہن بادشاہ دم کہ شوق و در اندیش وید و دول و ادویں سفر شام فرشتا و ہاں ہم دیں غربت و شادمانی و در وطن تیرزا و فداں بیضا کبریا باور و بچشم کم نگذرد و از در گھوڑے کس دیا و بچشم گوشت و الا ان سر سے گزند کہ کس آباد چہ دران و آن ویرا و آباد با دیکھا ہم چمن بہمنے و ہنوز آن بقدر واد و بکوت خاک چتر تھے ہست۔ و در کھارے بود کہ وہاں سنہ میں جزیرہ گیارہ و بیچ نرس جزول بادیز۔ شے نیم صبح و آن ٹککدہ چشتا و زیدین و دارا آغا یہ از بچشم کہ دندان و ہوا سے صوبہ ایاز سر و پاں سایاں رانیت انما از ضمیر فرورینختے۔ ہر چند ہنوز خا آن گل زمین راندرن پہلے بود و دل نہیں و ہر برگ آں گلستاں راناز جان ورو سے بود خاطر نشان اما نازکی وقت شام و از کھارے شے چشم بر آہن و ہشت کہ کے نویند و در بیچ کہ بیچ کھارے ہنوز نشان کہ خوش شگس رما کے مرا کہ ام واد پر رفت و در باد یا بیخ سلاہن از زبان مرج چہ گفت۔

خلاصہ: انجم الدولہ و ہر الملک نظام الملک کا خطاب و دو و ان بنو دیک کے آخری بادشاہ علی الدین بہادر شاہ مرحوم کی طرف سے یہ جرح شہادت کو ملتا تھا جبکہ خاندان شاہی کی تاریخ نگاری کا منصب



خاتون کے حوالے کیا گیا تھا چنانچہ خود مرنے والے کے ویراچ میں لکھتے ہیں ۔

پہنچنے پر بیت دوسم شہیان سال یک هزار و صد و شصت و شش پوری یا چارم جن سال  
یک هزار و شصت و صد و چار و صد و پوری ہوا .... شہنشاہ چنگیز کے کوہ پندی آفتاب بہت در  
بیت اشرف ہوا و رنگ شہستہ من پشائے کہ گوئی عطار دہست و قسیم ہر دو بروایت لہ کا  
ہو و انان شاہی بہ فرخان حضرت بلال ثنی خلعت خاد غاصم ہر دو و قاسم ہر دو خلعت شش پارہ  
آہستہ بہ سلام گاہم آرم و روند خداوند دنیا و دین جاں درست بخشش آئیں کہ کف آں دست  
و رستے بہت کہ بہت و ریا کف دست چنگیز آئے سعد بنی جینہ و سرورچ ہر سر بہت  
ورگ جان و بریں ہاں یعنی حاکم سواریدہ گورم آوینت جاوش فطرسوش گراستے خراوید و  
رگ اہرہ رشام ہر دوں سپاہ برگوشہ سیلا بد گاہ و نشانند خاتون سخن سرائے راہم الدورد  
ویرالک و نظام جنگ خواند۔

تخلص [خاتون نے] ابتدا میں اردو میں شعر کہنے شروع کئے تھے۔ تو اسے تخلص لکھا تھا جب فارسی میں شعر  
کہنے شروع کئے تو خاتون تخلص اختیار کیا۔ بعد ازاں اردو میں بھی خاتون ہی تخلص رہا لیکن جب نہیں  
کہ تخلص میں خاتون تخلص لانے میں کھٹ ہوتا تھا تو بلا تخلص اسد کہہ دیتے تھے۔ چنانچہ کچھ برس کی عمر  
کے بعد خاتون نے جو اردو غزلیں کہیں ان میں سے دس بارہ میں تخلص اسد ہے بعض اوقات تخلص کی  
جگہ پر نام کہہ دیتے تھے مثلاً اس

مارا زلمے نے اسد اللہ غاں تہیں  
وہ دلو لے کہاں وہ چائی کہ ہر گئی

یا

اسد اللہ غاں تمام ہوا ،  
اسے دریغادہ رند شاہ باز

جب تخلص کی دہرا تخلص کو بہ نیشکی دہرہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض لوگ جو ذوق سخن سے نا آشنا

تھے میردامانی اسد نامی ایک غیر معروف شاعر کے اشعار غالب کے منسوب کرنے لگے تھے۔ ایک مرتبہ غالب کے عزیز شاگرد منشی ظہیر خان کا آرام صاحب طبع مفید سائق نے بھی میردامانی اسد کے ایک شعر کو غالب کا شعر بچ کر پوری غزل مانگی تھی اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

بنائی عاشق عاشا اگر یہ غزل میری ہوج

اسد اور بیٹے کے کہنے پہنچے ہیں

اس غریب کو میں کچھ کیوں کہوں، لیکن اگر یہ غزل میری ہو تو کچھ پھر بعثت اس سے آئے ایک

شخص نے یہ مطلع میرے سامنے پڑھا، وہ کہا کہ تباہ اپنے غریب طبع کو اسے ہے

اسد اس بظاہر تجوں سے وقت کی

مر سے شیر شاہش رحمت خدا کی

میں نے ان سے کہا کہ اگر یہ مطلع میرا ہو تو کچھ بعثت، بات یہ ہے کہ ایک شخص میردامانی اسد کو

گندہ ہے، اور یہ غزل ان کے کام پھر نظام میں سے ہے اور وہ نگہ دوں میں مرقوم ہے میں نے

تو کوئی دو چارہ میں ابتدا میں اسد شخص دکھا ہے، وہ غالب ہی لکھتا رہا ہوں تم غزوہ خروار

روشن فکر پر ہی نظر نہیں کرتے میرا کام اور میرا ظرف ہو؟

لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے غالب بعد میں کبھی کبھی اسد شخص فرماتے رہے۔

مولانا آزاد نے آپ حیات میں لکھا ہے کہ جو میں کوئی فرد دانشیں اسد شخص کو تھا ایک دن ان کا

مطلع کسی نے پڑھا ہے

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب

اسے اور شیر رحمت ہے خدا کی

میں نے ہی اس شخص سے بھی پتہ چل گیا، اور انہوں نے ۱۳۴۲ء میں اسد اور غالب کی رعایت

سے غالب شخص اختیار کیا۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ قادیانہ مرحوم کے اس بیان کا مصنف کیا ہے۔ لیکن جس جگہ ۱۲۳۳ھ میں تخلص پڑنے والا بیان بادشاہ غلام ہے۔ غالب ۱۲۳۳ھ میں نکلتے جاتے ہوئے مکہ تشریف لے گئے۔ وہاں انہوں نے جو غزل کہی تھی اس میں غالب تخلص بتلایا گیا ہے۔

لئے جاتی ہے کہیں ایک ترقی غالب

جادوہ کوشش کا فائدہ کم ہے ہم کو

اس سے ظاہر ہے کہ وہ ۱۲۳۳ھ سے پہلے ہی اردو میں بھی غالب تخلص فرماتے لگے تھے۔

**نصیب خاندان** | غالب قوم کے ایک ترک تھے ان کا سلسلہ نسب توران ابن فریدوں کے منتسب ہوتا ہے جب تورانیوں کا جادوہ و جلال کیا تو ان کے مورخ و اقبال کی آمدی میں غبار کی طرح اُڑ گیا تو مکرر خاندان کے تمام عقیدہ پسند افراد اپنے وطن کو چھوڑ کر جا بجا منتشر ہو گئے۔ اسلامی عہد میں اس خاندان کے افراد نے پھر وہ عظیم الشان سلطنت قائم کی جو تاریخ کے اوراق پر بلوچی سلطنت کے نام سے مشہور ہے اور جس کے تاجداروں میں سے الپ ارسلان، ملک شاہ اور بخر خمرت عام دور بجاتے وہ اس کے تلخ بہن چکے ہیں جب یہ سلطنت بھی خاں ہو گئی تو پھر افراد خاندان غربت اور لے کی طرح پریشان و منتشر ہو گئے ابھی میں سے ایک کا نام شہزادہ سرسمن خاں تھا جو سرسمن خاں جابا غالب ہی سرسمن خاں کی اولاد میں سے تھے۔

**دادہ ہندوستان** | غالب کے دادا غالب آباد شاہ پادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے اور جبکہ پہلے لاہور میں قزاق عین الملک کے پاس ملازم ہوئے جب عین الملک کا انتقال ہو گیا۔ اور ان کی امامت کی بساط اٹھ گئی تو غالب کے دادا لاہور سے دہلی چلے گئے جب شاہ عالم پادشاہ ہوئے اور وہ انصاف اور دیرینہ راجت خاں غلام بن گئے تو قزاق مرصوف کی سرپرستی میں غالب کے دادا کو بھی ملازمت لگ گئی۔ اور پہاڑوں کا پرگنہ ذات اور دسائے کی تنخواہ کے لئے مقرر ہو گیا۔ اس وقت سے غالب کے دادا منشی حبیب اللہ خاں جو کا جید آبادی کو کہتے ہیں :-

میں قوم کا حاکم ہوئی ہوں۔ دادہ امیر دادہ اللہ مرصوف شاہ عالم کے وقت میں ہندوستان میں آیا۔

لے غالب کے اس مرصوف کے قصہ کی تحقیق دیکھیں کہ وہی ہوگی۔

سلطنت خلیفہ ہونے کی حق، سرحد پہاس ٹھہرنے اور نقارہ و نشان سے شاء عالم کا نوکر ہونا۔  
ایک پگنہ سیرتوئل ذات کی تخریہ اور دوسرے کی تخریہ میں با یکدیگر انتقال اس کے ہر طرف  
الوہک کا چنگا سرگرم تھا وہ ملا قدر د۔

سوروی سرای الدین احمد صاحب کو ایک فانی خط میں لکھتے ہیں :-

فرک نثار دم و نسب میں یہ افرو سیاب و پشنگ جسے چونکہ وہ بزرگان میں انداز تھا کہ با سحر قیاس چونکہ  
ہر گہری و پشند ہندو ملت ایمان دایت سروری و پشندی اور پشند ہندو سہری شدن روزگار  
جاء ہندی آں گروہ و چارواںی و سبے فرائی روئے آورد و جیسے ماذہ و رہبری و قنارت گری یاد چا  
یزد و ملا تھرا کشاء ہندی پشنگ گشت شایگان مراد و ان زمین شہر سر قند آرا مشکاہ شدناں  
میانہ نیاتے و دارا ہمن از پند و نور تجید و آجنگ ہند کرد و ہلا چور ہندی حسین الملک گزیدہ  
چوں بسا کلا حسین الملک و روز پشند ہندی آمد و یاد و نقارہ الدولہ سیرتوئل بخت نمایاں بہا و پشند  
اناس میں چہم عبد اللہ شنگ نمایاں یہ شاہ جان آ باد و جود آمد و سن یہ اکبر آباد۔

انور الدولہ نواب محروسہ الدین نمایاں بہا و شرف رئیس کہ ورا کاپی کو لکھتے ہیں :-

جیسے نامہ کلا در کی بود از خوا و افرو سیاب و پشنگ از ترکستان چہم روئے آورد و ملا  
و حسین الملک کہ یہ شاہ و آتش ہائے ساخت۔

تھیرہ روئے کے دریا پہ میں لکھتے ہیں :-

نیانان نامہ چہم را فخر افرو سیاب و پشنگ بودہ اند و فرماندان باورہ فر پشنگ - خرو مردن  
چرخ ہستی خرویدہ کند افرو سیاب بہا و استین کہ نہ کینہ پشنگیای را و زیاد پیش آورد  
خداوندان اورنگت پیہم را اناس ہنگ و ساز جہت گندنا گوں بہکت دانند یہ مرزومہ چکان  
روئے آورد و وہ دست خرویدہ نون خرویدہ ہم و نیں نیٹاں اور انان کہ نہ نیٹاں  
سحر قیاس و گر بارہ مرزا فساد منہر گوہر کا مستند چرخ گزیدہ چہا چہ خوشکلا دستاویز داران  
کا قوس کوس را نیز از پشنگ گزندہ

در مشرب ماغوازش خودی نه جوی / در معج ماصلی مسود نہ یابی  
در بادۂ اندیشہ آمد و نہ جینی / در آتش چنگا نہ ماود نہ یابی

ازد اسپان این قافلہ کیا - کے سن کر دلاکرو ماہ و اقصر مرقند شہر مسقط الاراس سے بود چوں  
سئل کہ اور بالچہرچی آید نہ مرقند بہ بند آمد و در قریب سید شاہ و ذوالفقار الدول میرزا نجف خاں  
ترویج نوکری شاہش نوشتند و بر پرگنہ ہا سوہات مداری سے و سپاہش نوشتند۔

خائب کے دادا | خائب کے دادا کا نام معلوم نہیں ہو سکا نہ یہ معلوم ہے کہ انہوں نے کب انتقال کیا تھا۔  
مالکی مرحوم فرماتے ہیں کہ ان کی زبان ترکی تھی نیز ان کے متعدد بیٹے تھے جن میں سے صرف وہ کے نام  
معلوم ہیں ایک میرزا عبداللہ بیگ خاں عرف میرزا دولہا ز خائب کے پوتہ بزرگوار و دوسرے میرزا ناصر رش  
بیگ خاں (خائب کے علم ہترم)۔

خائب کا یہ دو بڑے محل نظر ہے کہ ان کے دادا شاہ عالم کے عہد میں ہندوستان آئے اس لئے  
کہ شاہ عالم کی پار شاہی کا زمانہ مسعودی سے شروع ہوتا ہے اور نواب حسین الملک جن کے پاس خائب  
کے دادا لاہور میں ملازم ہونے سے پہلے شاہ عالم میں انتقال کر گئے تھے۔ لہذا ماننا ہے کہ خائب کے دادا شاہ  
عالم کے عہد میں ہندوستان آئے۔ خائب کا یہ بیان خائب خان خاندانی روایات پر مبنی ہے۔ نواب حسین الملک کی  
وفات اور شاہ عالم کی تخت نشینی سے سنین معلوم نہ ہونے کی وجہ سے وہ اس بیان کی تفسیر نہ کر سکے۔

نسب پنجم | خائب اپنے نسب پر جا بجا تخریما ہے۔ وہ کہی اپنے آپ کو افراسیابی اور گنگی کہتے ہیں  
کبھی دووہہ دا دھم میں سے ہونے پر اترتے ہیں کبھی اپنے آپ کو لٹوئی اور تو لانی بتاتے ہیں کبھی ایک  
ہونے پر فخر کرتے ہیں مثلاً

خائب از خاک پاک تو رہیسم / لاہرم و زب منہ مندیم  
ترک زادیم و در نژاد ہے / پسران قوم پیندیم  
ایکے حکیم انجمن اتراک / در قہای زماہ وہ چندیم

لے چنگل از پایک باپ بچے ز دھم افراسیاب کا دادا۔ کبھی ایک کو بیٹے اپنے ایک کے چینی ماہ کامل ۱۲

فن آبانے ماکشاوندی است

مہر زباں زادہ مسر قندیم

پہنہ سرتے ہیں :-

ساتی چمن شنگی ہنس و سیاہیم      دانی کہ آمل کو ہر دم زود و ہم است

میراثہ جم کہے بودا کنوں بہن پیدا      زباں پس دیکھ بشت کریم لڑاؤم است

تہنہ وڑکے دیا چہ میں اپنے نسب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

نائب بگہر زود و زادا ششم      زباں رو جھغلے دم تہی است دم

چون فت سپیدی ز دم چنگ شمر      شد تیر شکستہ نیا حاکم تسلیم

ہمارا شاہ کے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں :-

ہلا تیرم کہ گوہر و خانہ نیم بہن

نوعی من پسند و خانہاں برابر است

آکا بزرگ شیر ذہنی خاص بہ وقت کے کتبہ میں لکھتے ہیں :-

غلبہ ہم دے نور چشم محکم      غریب ہم دے روشناس جہانم

پہنہ ہار و دھڑے خداوند فرستم      در تسلیم معنی جہاں پہلو ہم

گر فرستم کہ از خیم افرا سیاہم      گرفتہ کہ از نسل سلو قیاسم

دل دوست تیغ آزمائی اندام      رہ در سیم کشد کشائی دوا ہم

چل سال ترقیع معنی نبشتم      نہر و گز نیسند صاحب ترانہم

سہون کے قصیدے میں ذوق کی تنک و شنگی، سخن، ناہمی، اور ادا و ناشامی سے جو ناگوار

صورت حالات پیدا ہو گئی تھی اس کے ازالہ کے لئے نائب کے اردو میں ایک قلم لکھا تھا جو

نیاں زود و رام ہے، اس کا ایک شعر یہ ہے :-

سلاطنت سے ہے پیشہ آبا سپہنگی      کچھ شاعری ذہنی سہرت نہیں ہے

فانکے اجداد کی جو کیفیت اور پر بیان ہو چکی ہے اسے مد نظر رکھتے ہوئے یہ دعویٰ صرفاً عقاید است  
 ہے اور اسے عام شاعرانہ مبالغہ یا خالی سخن گسٹری پھول نہیں ہونا چاہئے۔

اپنے ہم قوموں کے شعلی قلوب ان والدوں کے والدین خاں بہادر خان کو لکھتے ہیں:-  
 سہانہ لکڑ اور میں تم کو ہم ملانے پانا ہوں۔ فریادوں کی تہ کشی اور دشت دامن سے آنے  
 بہا ہم قوم تو مسرت و مسکند رہیں نہیں، ہر تہذیب، دین و دشت، نجاتی ہیں سو درد سوسوں کے گڑوں  
 افراتے ہیں۔

فانکے والد اجداد | فانکے دادا کی وفات کے بعد ان کے والد عبداللہ بیگ خاں اور چچا خضر بیگ  
 خاں اپنے آبائی پیشے یعنی سپہ سالاری میں مصروف رہے۔ دونوں میں سے کسی کی تاریخ پیدائش معلوم نہیں  
 نہ یہ بتایا جاسکتا ہے کہ وفات کے وقت ان کی عمریں کیا تھیں، لیکن چونکہ وہ وفات کی کم عمری میں  
 فوت ہوئے اس لئے قیاس کہتا ہے کہ ان کی عمریں تین تیس برس سے تجاوز نہ ہوں گی۔

فانکے والد پہلے لکھنؤ میں آصف الدولہ کے پاس نوکر ہوئے پھر حیدر آباد چلے گئے اور  
 نظام علی خاں کے پاس تین سو سو روپوں کی جمعیت کے ساتھ ملازم رہے۔ یہ ملازمت جاتی رہی تو انکو  
 چھ آئے جہاں ان کی شادھی اور غلامی کی بیدار کی صاحبزادی سے ہو چکی تھی۔ اگرہے سے راجہ خٹا اور سنگھ  
 والی الور کے پاس بغرض ملازمت پہنچے لیکن کوئی صورت مدعا برامی پیدا نہ ہوئی۔ مایوس ہو کر وہاں  
 ہو رہے تھے کہ الور کا ایک زینت انداز سے سرکشی پتا دادہ جو گیا، اس کی سرکشی کے لئے جو فیج بھیجی  
 گئی، اس میں میرزا عبداللہ بیگ خاں کا دستہ بھی شامل کروایا گیا راج گڑھ کے مقام پر سرکشی زینت کے  
 ساتھ جھپٹش ہوئی جس میں میرزا عبداللہ بیگ خاں گولی کھا کر شہید ہو گئے۔ اور وہیں انہیں دفن کیا گیا۔  
 یہ غالباً ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے۔ فانکے کی عمر اس وقت صرف پانچ برس کی تھی۔ صاحبزادہ حیدر  
 والی الور کی مع میں فانکے کو قصیدہ لکھا ہے۔ اس میں اس واقعہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے  
 فرماتے ہیں :-

ناکس کد گشت گرہن در جہان ختم ناکس کد گشت شد چہرین بہ کاشار

دوسرے سانگے شدہ ام چاہے حضور  
نہیں سخن طرازم و دیریں بلیغہ خواہ  
دارم بہ گوش ملت ز چاہ و ہشتال  
اکنوں کہ شرفت سے سال بہت شمار  
باید شنید راز ز ایمان بارگاہ  
باید شرفت قصہ پیران آں دیار  
کافی بود مشاہدہ شاہد ضرورت  
ورنہ خاک رنج گزشتہ چہ دم را بود مزار  
فشی حبیب اشفاق تو کا حیدر آبادی کو لکھتے ہیں :-

باپ میرا عبد اللہ بیگ خاں لکھنؤ کا کز اب آصف الدولہ کا نوکر تھا۔ بعد چند روز میرا باپ  
تو خطبہ میں خاں کا نوکر ہوا۔ زمین سوسوادیوں کی جمعیت کے لازم تھا کئی برس وہاں رہا۔ وہ نوکر  
ایک خاندانی کے کچھڑے میں باقی رہی۔ والد نے گھبرا کر انور کا قصد کیا۔ راؤ راہا جتنا خوشگھر  
کا نوکر ہوا۔ اہل کسی لڑائی میں لانا گیا۔

عبد اللہ بیگ خاں نے وہاں کے چھوٹے، ایک اسماء اللہ خاں خاتبہ دوسرے یوسف  
جو خاتبہ دوسرے چھوٹے تھے۔ خاتبہ ایک سرقہ پرہیز کا نوکر بھی کیا ہے لیکن حقیقتہً ان کی کوئی  
حقیقی بہن نہ تھی مگر یہ یہ نوکر ہتھی گئی بہن کا ہو۔

خاتبہ کے ہم عمر عبد اللہ بیگ خاں کی والدہ نکاح کے بعد ان کے بچوں کی کفالت نصیب  
بیگ خاں سے تعلق ہو گئی۔ وہ پہلے مرثیوں کی طرف سے اگر وہ کے صوبہ آہستے لیکن جب اگر  
انگریزوں کے قبضے میں آ گیا تو صوبہ آہستہ کی کشتی میں گئی اور کشتی ایک انگریز مقرر ہو گیا۔ غرض الدولہ  
دلاور الملک خاتبہ احمد بخش بہادر ختم جنگ تیس فیروزہ پہنچ کر وہاں گیا اور لوٹا تو انگریزوں کے ہاں  
جلا وطن تھا۔ ان کی ہمشیر میرزا نصر اللہ بیگ خاں سے منسوب تھیں۔ انہوں نے لاڈ لیکے  
کہہ کر نصر اللہ بیگ خاں کو انگریزی فوج میں رسالہ داری کا منصب دلا دیا۔ اور ان کی ذات اور  
رسالے کے لئے فوجی اگر وہ کے دو پر گئے سو کم اور سونسا مقرر کر دیا۔ پچیس برس وہ فوج  
ان کا بھی استعمال ہو گیا۔ ان وقت خاتبہ کی عمر صرف نو برس کی تھی فشی جیٹ خاں تو کا کتنا کچھڑے  
تھے صبح پنج وقتہ معلوم ہو چکی لیکن سال وفات تقریباً ۱۸۵۷ء۔ خاتبہ انکس خاں مرہوم دیشہ بہادر









تھے۔ یاغور خان اپنے وہ املاک فروخت کر دیئے تھے۔ جو نہال کی طرف سے انہیں ملے تھے۔  
 غامدانی خلعت | یہ بھی ظاہر ہے کہ غالب کا خاندان بہت اونچا تھا۔ ان کے چچا کی تنخواہ بارہ ہزار  
 سالانہ تھی۔ چاکیر لاکھ ڈالر لاکھ کی تھی۔ ان کے والد کی شادی عراج غلام حسین خاں کی صاحبزادی  
 سے ہوئی تھی۔ ان کے چچا ذاب احمد بخش خاں مرحوم کی جیشیر سے منسوب تھے۔ غالب اس آخری  
 رشتے ہی کی وجہ سے غالب کی شادی ذاب احمد بخش خاں کے باوند کوچک ذاب الہی بخش خاں  
 کی چھوٹی صاحبزادی امراؤ بیگم سے ہوئی۔

جیسی اور محبت الہی | میرزا خاں ہے کہ اگر غالب کے باپ اور چچا کا سایہ کبھی اور کم ہری میں سر سے ڈال دیا  
 جاتا تو بظاہر کوئی اسکا تذکرہ انہیں پہنچنے کے آبائی پیشہ کو چھوڑ کر پوری زندگی ادب و شعر  
 کی خدمت میں وقف کرنے کا موقع ملتا۔ اگر باپ یا چچا زیادہ دیر تک زندہ رہتے تو غالب جی سے  
 کہ شاعری کا یہ صحیح گراںمایہ پہنچنے کی نذر ہو جاتا لیکن قدرت اس نامور و بزرگوار وجود سے دوسرا کام  
 لینا چاہتی تھی۔ لہذا جیشیر خاں غالب کو آبائی پیشہ میں لگانے کا سب سے بڑا ذریعہ ہو سکتی تھیں وہ  
 غالب کے ہوش بھالنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئیں پہنچنے میں غالب بڑی سے بڑی جی  
 کہتے تو اپنے چچا کی طرح رسالہ دریا اپنے ناما کی طرح کبیرا بن جاتے لیکن ادب و شعر میں انہیں وہ  
 پایہ حاصل ہوا جو سلطنت و قاعداری میں افروسیاب، الخضر، اسفند، اور ملک شاہ نے  
 حاصل کیا۔ آج تو ہم خاں عبدالقادر بیگ خاں، نصر اللہ بیگ خاں اور عراج غلام حسین خاں کے  
 ناموں سے ہم صرف اس لئے روشناس ہیں کہ وہ غالب کے بزرگ تھے۔ ورنہ ایسے ہزاروں لاکھوں  
 آدمی ہر عہد میں ہو گئے ہیں جن کے نام بھی دواویں، سیر و سوانح میں اندراج کے خطایاں نہیں  
 بکھے گئے۔

اہل خاندان | یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ غالب کے والد اور چچا کی وفات کے بعد ان کے  
 اور کون کون سے رشتے دار موجود تھے؟ اور عرض کیا جا چکا ہے کہ چچا کی وفات کے بعد غالب کے  
 خاندان کے لئے دس ہزار روپے کی معاش مقرر ہوئی تھی جس میں سے ذاب احمد بخش مرحوم نے

صرف عین سزا ر سالانہ کی رقم دی اس میں سے غالب کا حصہ ماہ کے سات سو تھانے سات سو ان کے بھائی یوسف خاں کو ملتے تھے۔ پہلی ریڈنسی کے جو پرانے ریکارڈ حکومت پنجاب کے یٹا آفس میں محفوظ ہیں ان میں غالب کی فیشن کے متعلق بھی بعض کاغذات ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ بقیہ پندرہ سو روپے نصر اللہ بیگ خاں کی والدہ یعنی غالب کی داوی اور نصر اللہ بیگ خاں کی تین بہنوں یعنی غالب کی چھ بیویوں کو ملتے تھے وہ سب شہداءوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ یہ معلوم ہے کہ جب غالب دہلی میں سکونت پذیر ہو چکے تھے تو ان کی والدہ اس وقت بھی زندہ تھیں اور وہ قافلاً مالی امداد فراتی رہتی تھیں چنانچہ خواجہ ابین خاں والی نوادہ کو ایک خط میں اپنی مالی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ہیں کہ کبھی خان نے کچھ سے دیا کبھی اور سے کچھ دوا دیا کبھی میں نے کچھ اگر سے بھیج دیا۔

**تسلیہ** غالب کے مدظنی کے حالات تحصیل معلوم نہیں ہو سکے لیکن آٹھ اٹھ برس کے اس عہد کے عالم سیرکوں کی طرح ان کی زندگی باطل لاء بالی تھی۔ وہ شیخ اور چور سرکھیتے تھے۔ چنگ اٹا سے تھے، یاروں اور دوستوں کے جھگڑوں میں بے خبری کی زندگی بسر کرتے تھے، خواجہ عالی فرما ہے کہ وہ شیخ مسلم سے پڑتے تھے جو اس زمانے میں اگر وہ کئے مشہور مخلوقوں میں سے تھے۔ تیرہ برس کی عمر میں ان کی شادی ہو گئی، چودہ برس کی عمر میں جب ایک مسلم پارسی سیاحت کرتا ہوا اگرہ پہنچا اور وہ برس غالب کے مکان میں مقیم رہا اس کا ابتدائی نام ہرمز تھا۔ اسلامی نام جلد صد رکھا گیا۔ یہ غالب اور عربی کا بھر عالم تھا۔ زمانہ قیام اگر وہیں اس نے غالب کی تعلیم پر خاص توجہ صرف کی۔ خارجی کے تمام اصول و قواعد پر ہی طرح ذہن نشین کر لئے۔ جلد صد کے دل پر غالب کی جو دت طبع، دکاوت اور بالغ نظری کا آئنا گرا اثر تھا کہ ہندوستان سے چلے جانے کے بعد بھی خط و کتابت کا سلسلہ باقاعدہ جاری رکھا۔ خواجہ شمس خاں صاحب شیعہ مرحوم کے بیان کے مطابق ایک تہذیبی غالب کی کہ تھا اسے مزید کہیں کہ باوجود آتا دیا گاہ گاہ پہ خاطرے گزری۔

غالب کی فارسی دانی کی بنیاد و اساس ملا علی قلی لکھنوی کی تعلیم ہی تھی۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ غالب  
 فارسی غازی کے جو چہرے ڈھکیاں لگانے کے بجائے ال زبان کی فارسی کے دیبا کے ساتھ بن گئے۔  
 ہندوستانی انگریزی صورتی کے ساتھ ہی ساتھ ہندوستانی کتابت جو عربی شکستہ میں غالب کا ایک  
 غیر مطبوعہ خط بنام لوی خلیا مالین صاحب خلیا و لوی خلیہ و غالب صاحب لوی و لوی پورچھا تھا اس کے آغاز  
 میں غالب اپنی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں :-

میں سے دوام پیشانی میں شیخ اتم مال ایک ہوا جس کے بعد کو سن و غیرہ میں  
 عربیوں تک پہنچا۔ فارسی زبان سے لگاؤ اور شعور کن کا لائق نظری ہوئی تھا اس کا وہ ایک شخص کہ اس شخص  
 کی نقل میں سے بعد اخلق و خلق میں اور فی نفس حق و روح کا نظیر اور میں ہر دو صفت صافی تھا میرے شوق و  
 میں اور ہوا۔ اور اہل لغت فارسی محبت و خاص فارسی ہے آہن میں عربی اور غرض فارسی کی نسبت عربی میں  
 میرے عالی چوتھے سوا کسوفی پر چڑھ گیا۔ تو میں پہچان تھا زبان و دی سے پرورداری اور ساتھ ساتھ بجا لفظ و  
 عہد و ہر صفت و صفت اس زبان کی دشمنی و غلطیوں پر تھی۔

شاہی میں غالب کو کسی سے تلمذ نہ تھا۔ ملا علی قلی سے فارسی اُپسی اور اس کے اصول و قواعد کیسے۔  
 لیکن شہرگانی میں میرزا قاضی کے سوا وہ کسی کے سنت پذیر نہ ہوئے۔

غالب کی مختلف تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں فارسی زبان کی صرف و نحو اور تاریخ پر کمال عبور  
 تھا۔ وہ عربی سے بھی طرح و وقت تھے۔ بجز مہارت تھے لغت کی اکثر کتابیں دیکھ چکے تھے۔ ایک ہی وقت  
 جناب مرید اللغات صاحب راشد و گاجہ فی نفس دولت صفیہ نے ۱۱۹۳ھ و ۱۱۹۴ھ کو غالب کے حالات  
 کے متعلق جو تقریر لکھی گئی ذریعہ سے فشر کی اس میں وہ فرماتے ہیں کہ اکثر میرزا قاسم صاحب (پتھر خانی حیدر آباد،  
 کتب خانہ کی کتابیں دیکھتے وقت طب کی ایک کتاب میری نظر سے گزری جس کا نام ذخیرہ دولت شاہی  
 ہے۔ اس کتاب کی تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ۱۱۹۳ھ و ۱۱۹۴ھ کو مصنف نے احمد شاہ پادشاہ کے  
 ملاحظہ میں پیش کی تھی اور رمضان کو اسے شاہی کتب خانہ میں داخل کر کے حکم ہوا لیکن کتاب کے معلوم ہوتا ہے کہ  
 غالب کے ساتھ اس میں بھی ہے کتاب پر بادشاہ کی کمر کے علاوہ غالب کی بھی مہر ہے جس میں غالب کے نام کے علاوہ غیر مہر ہے جو

رضينا قمت الجوارقينا

لنا حلهم والجواب سؤال

پہنچ نہیں چل سکا کہ یہ کتاب فائنل ہے یا نہیں۔ اس کی کچھ کاپیاں گھر پر تھیں۔ ان کے کچھ صفحات کے حاشیوں پر غائب کی تحریریں موجود تھیں۔ بعض میں مصنف کے اختلاف کیا ہے بعض میں اس کی معلومات پر اضافہ کیا ہے کہیں کسی مرض کا حال لکھا کہیں دوسرے ہسپتال کے ساتھ ہجرت کے لئے، اندیشے کے نام لکھے ہیں۔ اگر حاشیوں کی تمام تحریروں کو لکھا کر دیا جائے تو غائب کا ایک نیا نسخہ ملے گا۔ وہ نام نہاد صلیب سوسائٹی کے سربراہ ہیں۔

فنِ طب کے نائب کی واثقیت کے بعض خواہاں کے غفلت میں بھی ملتے ہیں لیکن جناب عبد اللہ انصاری  
کی تقریر میں احمد شاہ بادشاہ کا نام ۱۳۳۱ھ کی تاریخ میں کے کسی ایک کو غلط لکھنا نہ چھٹی ۱۳۳۲ھ میں اکبر شاہ  
شاہ فی بادشاہ تھے۔ احمد شاہ محمود شاہ کی وفات ۱۳۳۲ھ میں تحت ثلثین ہوا تھا۔

مصرف و عرض | مولوی خلیفہ مولوی دوسے خط سے ظاہر ہے کہ درمیں تدریس اجتہادی حالت میں تھی۔ ہی ثنائیں کتاب  
مولوی صاحب الحق و فخر پیش و طرف میں منکاب ہو گئے۔ علامہ عبد الصمد کی صحبت نے خاص زبان کے فطری ذوق کا  
جلادے دی۔ اس کے قواعد و اساسات نوین بنائیں ہو گئے۔ دہندی، مصرف پر فتح ہوئی اور مصرف کے انیس قسمن  
کا مادہ ہی بنایا دیا۔ خواص علامہ الدین احمد خاں کے نام کے ایک خط سے مترشح ہوتا ہے کہ اجتہادی زمانہ ہی سے  
ترغیب لینا شروع کر دیا تھا۔ فرماتے ہیں :-

بھائی (نواب حسین الدین احمد) ہاں والی (لوٹا) کو سزا مہکتا اور گستاخ صاحب خود نالائقیں

کے اور حق پر اور اس سے قرض لیا، اور حدودِ بائبل کو مارا، اور عورتوں پر اپنے جین سمکے کی کوٹھی جارتی ہر

بیکے پس شاک قمری سوچو دھندلکا تو چاڑھو دھول دھندلکا

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے رشتہ دار بہت کمائی مالی امداد دیتے تھے مثلاً وہ خود کہتے ہیں:

اس سے چند گز کہ روٹی کا پلینے والے پھر بھی بکے سر ہاں پر کھینکے گاں سے کھڑے رہا کبھی کھڑے کچھ نہ روایا کبھی ہاں سے

مکمل طور پر صحیح رہا، اب میں اوجہ امتداد کے فلسفے کے امور سے مراد پوچھتا ہوں۔

سید ایوب علی | خاتونِ علی علیہ السلام کے بعد ان کے بھائی میرزا ایوب علیہ السلام نے بھی وہی منزلِ مقصد





دیر خاں کا غم و غم نہایت شدہ شاد و شاد حال ناگوار  
 خفاک ہاں خوش خوش نہ بود بجز خاک و سر خوشش نہ بود  
 خفاک ہاں مودہ خوشاں کز مودہ و زینت آسائے  
 مروتی بہ و مروتی و مروتی روائش بجا و پیمیزدست

تاریخ وفات یوسف خاں | یعنی ساٹھ برس (بمسبب نین قری) کی زندگی بولی جس میں سبھی سال  
 شادمانی میں گزرے اور تیس سال ناشادمانی و ناخوشی میں بسر ہوئے۔ میرزا یوسف کا انتقال ۳۹ صفر  
 ۱۰۱۹ مطابق ۱۹ اکتوبر ۱۸۰۳ء کو ہوا۔ غالب نے تاریخ وفات لکھی :-

نعلی گرک تہمیدہ میرزا یوسف کز نیت بجا و مروتی بجا  
 یکہ و بخت دین بہ خوش کش کشیدم آجے و خوش و بد و بد

یوسف و بد و بد کے اعداد میں سے آجے کے اعداد کا تخمینہ کرنے سے تاریخ نکلتی ہے ۔

یوسف خاں کی مولا | میرزا یوسف خاں کی صاحبزادی کے ہاں بچے تھے ان کے مشہور غلام خزاہ الدین خاں (ابن خیر علی خاں)  
 غزہ سے قبل بادشاہ کی جاگیر کوٹ خاصہ کے منتظم تھے۔ اور بادشاہ کی جلائی کے مطابق غزہ کے دکن میں بھی وہ رہے تھے  
 غزہ کے بعد ان پر بھی مقدمہ بنا لیکن انجام کار وہی ہوئے بعد ازاں حیدر آباد چلے گئے وہاں کچھ بڑے منصب  
 ہوئے غلام خزاہ الدین خاں کے صاحبزادے میرزا محمد رفیع خاں تھے جنہوں نے ابتدا میں ملازمت انتظامی کی مگر بعد ازاں  
 ورویش بن گئے اور بائیس برس گوشہ نشینی اور یادمانی میں بسر کر دیے۔ وہ بعد وفات کلا مستعد پروردہ حیدر آباد میں فوت ہوئے  
 ان کے صاحبزادے میرزا محمد رفیع خاں میرزا شریف الدین فوت حیدر آباد میں حیدر آبادی کے محمد علی علی خاں  
 جتوئی کی پودش کا اضطراب | غالب کو اپنی بہنتی اور اس کے بچوں کی پرورش کا بڑا خیال تھا۔ ایک کتاب میں لکھتے ہیں

حقیقہ بدو یک بھائی و مرد و گریا دین کی بھئی اس کے ہانپے اس کی ماس میری بھائی ہے ہر میں ہنپے ہنپے

ہیں اس میں ہیں اپنی غم کے بعد ایک سو ہیں ان کو میں بھیجا بہنتی کیا کہنتی ہوں کہیں بھی چلا ہے۔

غلام خزاہ الدین کے قصے کے دوران میں ہی غالب نے حضرت جتوئی اور جب انہوں نے رائی پانی توغرا  
 اتنے نوحہ ہونے کے غلام خزاہ الدین کی اپنی زندگی سے تعبیر کرتے ہیں اور دو نئے شعر ۱۰۲۳



رستم جنگ والی فیروز پوچھ کر تیس لوہارو کے چھوٹے بھائی تھے۔ انہوں نے اپنی تمام عمر خوشنہی اور عبادتِ حقاری میں بسر کی۔ نواب احمد بخش خاں اگرچہ عمر میں بڑے تھے مگر چھوٹے بھائی کے نزدیک واقفانے باعث ان کی بڑی عزت اور بڑا احترام کرتے تھے۔ متوفی اپنے شاعر تھے۔ شاہ نصیر دہلوی کے شاگرد تھے۔ ان کا دیوان حال ہی میں شاہ عبدالکامقاری بدایونی کی کوشش سے شائع ہوا ہے ۲۳۲ء مطابق ۱۸۲۶ء میں دہکراٹے عالم تھا ہوتے۔ اور خواجہ نظام الدین رحمت اللہ علیہ کے مقبرہ کے پاس اس احاطہ میں دفن ہوئے جہاں بعد ازاں نواب سپرد نماک ہوئے۔ مولانا آقا دہلوی استادِ پستی کے چوکی میں متوفی کے کمالات کو بھی ذوق کی تراوش علی کا حقیر قرار دیا ہے حالانکہ صحیح نہیں۔

متوفی کا دلاوا نواب الہی بخش خاں متوفی کے دو بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔ جس میں صرف ایک بیٹے نیر علی بخش خاں رنجور کے متعلق زیادہ معلومات حاصل ہیں۔ دوسرے بیٹے سیر علی نذر خاں کا صرف نام معلوم ہے۔ ان کی نسبت اور کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ بیٹیاں میں سے بڑی کا نام فیاضی بیگم تھا جو نواب غلام حسین صاحب مسعود سے بیاہی گئی تھیں۔ چھٹی بیٹی کا نام امراؤ بیگم تھا۔ جو نواب کی رفیقہ حیات تھیں۔ امراؤ بیگم کی امراؤ بیگم نواب کے دو برس چھوٹی تھیں۔ جیسا کہ نذر خاں کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ نذر سے دو تین برس بعد بیٹی میں بیضہ کی وبا پھیل گئی تھی۔ میر محمدی تھوڑے دنوں میں اس دماغ میں غائب ہو گئی تھی۔ نذر خاں کے بیاہی گئی تھی۔ اس کے چار برس نکلتے ہیں۔

دباہی کلاس میں نکس کلاب کم ہے یا زیادہ ایک چھپا مٹھ برس کا مرد نذر خاں کا اور ایک سچہ برس کی عورت (بیگم صاحبہ) ان دونوں میں سے ایک ہی سرتاؤ ہم چاہتے کہ باقی اعضاء میں دباہی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شادی کے وقت امراؤ بیگم کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ دورانِ کلاسن ولادت ہوئی تھی۔

علی بخش خاں رنجر۔ علی بخش خاں رنجر دین نواب الہی بخش خاں متوفی نواب کے چار برس چھوٹے تھے۔ نواب خود نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-

علی بخش خاں مرحوم بھوت چار برس چھوٹا تھا میں نے پیدا ہوا ایک برس کے بیٹے کے طور پر

پرس شروع ہو گیا۔ اس نے اعلیٰ تہذیب خاص نے، یہ عجیب و غریب سہ کی دریافت کی۔

غائب کے ساتھ ملی بخش خاں کے تعلقات دور و اہل ہمیشہ بہت اچھے اور ہر گھگور رہے۔ غائب نے کلکتہ بلکرونی ہنسن کے سلسلے میں جو چاہہ جوئی کی تھی اس میں بھی ملی بخش خاں ان کے خاص بہنوئی و معاون بنے۔ اس باب میں غائب نے انہیں کلکتہ سے جو خط لکھے ان کا مضمون نوکر نشین کے سلسلے میں آئے گا۔ غائب کی فارسی شہرہ رسا پنج آہنگ "ملی بخش خاں ہی کے دیباچہ کی گئی تھی جیسا کہ وہ "عروج آہنگ" کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ بہتر تصنیفات غائب کی تصانیف کے باب میں پیش کر دیں گے۔

کھلتے جاتے ہوئے غائب کورائے میں نواب احمد بخش خاں کے انتقال کی اطلاع ملی تھی۔ اور  
سبکے پہلے علی بخش خاں کی خیال پیدا ہوا تھا۔ وہ خود کلکتہ سے نواب احمد بخش خاں کے انتقال کا ذکر  
کرتے ہوئے علی بخش خاں کو لکھتے ہیں:-

از جانب شما اندیشه نگرم و از هم که خجسته را پیش آید نخواه تنها شد تا کسی مرا معذرتا را را و بدید...

ہر شخص کی ہر بات پر ایک ہی بات کہنا اور ہر بات کو ایک ہی بات کہنا۔

علی بخش خاں کو فیروز پور ہجر کے سہارے ماہوار وظیفہ تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ نواب احمد بخش خاں کے انتقال کے بعد وظیفہ بند ہو گیا تھا جب نواب شمس الدین احمد خاں والی فیروز پور تھیں کہ ولیم فرانسس کے قتل کی انگشت کے الزام میں پھانسی پا گئے اور ان کی ریاست ضبط ہو گئی تو سرکار انگلینڈ نے سہارے کے نواب علی بخش خاں کے لئے پچاس روپے کا وظیفہ مقرر کروایا تھا جو ان کی وفات تک ماہوار وظیفہ کی بندش کے ذمہ فرانس وہ دلی سے غل کو پہلے نکھنوں سے پھر پورے پورے گئے بعد ازاں تیرہ ماہ بعد پہنچ گئے ۱۸۵۸ء کو انہوں نے دلی میں وفات پائی اور اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ نواب یکم جنوری کے خط میں ذاب علما الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

بھائی کی کئی باتیں سن کر وہ بے حد غصہ ہو گیا۔ اس نے کہا: "میں نے تم کو بار بار کہہ دیا ہے کہ تم کو اپنا کام یاد دلانا ہے۔"

تھما سے لڑنا اور اب غلبہ والوں پر احمدیوں کو آج دن کے بارہ بجے قذافیوں کے لئے سلطان بنی

ملک پنجاب گورنمنٹ کے ۱۴ مارچ ۱۹۴۷ء کو

تھے ہیں۔ دہا سکا۔ چیمپو پھنٹن میں کی طرف سے فراب ضیاء الدین احمد خاں کی طرف سے اہل حق تھے۔

خاتون کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ علی بخش خاں کو کن ملادی کا بہت شوق تھا اور بعض اوقات وہ اپنے متعلق غلط فہمیاں باتیں بھی تال نہیں کرتے تھے۔ غالب فراب ملا والدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-

اکبر کاویں اعلیٰ بخش خاں! میر صاحب نے انا کا کہتے ہیں لکھتے تھے کہیں جہاں د فراب احمد بخش خاں! کے ساتھ جرنل لاڈل ایک صاحب کے لکھ کر میں سوچ رہا تھا اور لکھتے ہو جہاں بات ہوئی ہیں ان میں شامل وہاں ہے اولی ہوتی ہے وہ تھا وہ پہنچا انا لکھ دیکھا تو سامان میں لکھتے لکھتے ہے۔ ہاں تھا تو اور بھی کے نہ تھے۔ وہ میر صاحب! ایک بیچارہ خداوندیہ وہاں تھے ان کو دلی بخش خاں کو لکھ کر لکھتے تھے فراب صاحب ہم پر ساجد تھے کہ تم جرنل کے وقت میں چار پانچ برس کے ہو گئے۔ یہ سن کر کہنے اعلیٰ بخش خاں نے! کہا کہ دست و پیا ارشاد ہوتا ہے۔ خاتون بیارو اور دہا میں وہ فراب نے بے فکر لکھا۔

فراب علی بخش خاں کی اولاد کا ذکر ہم پہلے باب کے آخر میں کر چکے ہیں۔

خاندان لارو | لارو کا خاندان چنگیز بہت قریب اور موہا تحصیل کی وجہ سے غالب کا بہن خاندان بن گیا تھا جس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں منتقل اس خاندان کا بھی ذکر کرو یا جائے خاندان لارو کے آباد اجداد بھی خاتون کے آبائی طبع و رکتان سے ہندوستان آئے تھے۔ یہ زمین بھائی تھے تھاکم جان۔ عارف جان اور عالم جان۔ عارف جان کے چار بیٹے تھے جن میں سے دو بہت مشہور ہیں، اول فراب احمد بخش خاں دوم فراب علی بخش خاں معروف فراب احمد بخش خاں وہ آخر کے تباریت تحلیل نقد فرو تھے۔ جس سے اعلیٰ و سب کے جرنل تھے۔ اگر یہ کہا جائے کہ جو وہ ریاست لارو کی آئیں احمد بخش خاں ہی کی مساعی کا نتیجہ تھی تو یہ مبالغہ نہ ہو گا۔ فراب صاحب نے لاڈل ایک کی ہیبت میں بھی شائد غلامات انجام دی تھیں جن کی بنا پر انہیں غلامت میں فرو برد چکر کی ریاست لارو گئی تھی نیز یہ لارو کا پرگنہ غلام ہوا تھا خواہوں کے علاوہ فراب احمد بخش خاں کی دو بیگمیں تھیں

ایک بیرونی عامل تھی جس کے بہن سے قواب صاحب کے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں تھے ان کے ایک اور بھائی دوسرے نہیں بھی تھے۔ دوسری ٹیگر قواب صاحب کی ہم قوم تھیں جن کے بہن سے قواب امین الدین احمد خاں اور قواب ضیا الدین احمد خاں تھے۔ قواب احمد خاں خاں سے ۸۲۵ شمس اپنے بڑے صاحبزادے شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین قرار دیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ شمس الدین احمد خاں چنگیز کی ٹیگر کے بہن سے تھے اس لئے خاندان کے دوسرے افراد جن میں خود قواب بھی شامل تھے انہیں بھلا پناہم پانیں سمجھتے تھے اور اس وجہ سے خاندان میں کشیدگی رونما ہو چکی تھی شمس الدین احمد خاں ایک طرف تھے اور باقی سارا خاندان دوسری طرف تھا۔ قواب احمد خاں نے اسی کشیدگی کی غلط فہمی سے اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنے دونوں چھوٹے صاحبزادوں کو رابع کی جاگیر مستقل طور پر دے دیں۔ اور بقیہ افراد خاندان کی پیشیں فیروز پور جھکر کے متعلق کر دیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے قواب شمس الدین احمد خاں سے ایک قرار نامہ لیا جو رابع کی جاگیر سے دست بردار ہو چکا تھا۔ اور ۸۲۵ شمس الدین احمد خاں نے اپنے چھوٹے صاحبزادوں کو دے کر اور فیروز پور جھکر کی سند پر قواب شمس الدین احمد خاں کو بخشا کہ وہ خود اپنی خاندانی عربی واقع قطب صاحب میں گوشہ نشین ہو جائے۔ قواب صاحب نے اکتوبر ۸۲۵ شمس الدین احمد خاں کی وفات پائی اور اپنے پیرو مرشد مولانا فخر الدین اورنگ آبادی کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

قواب احمد خاں کے خائب کی پیش کا جھگڑا قواب احمد خاں خاں کی زندگی ہی میں شروع ہو گیا صاحبزادوں کی کشمکش تھا لیکن بقیہ خاندانی تنازعات ان کی وفات کے بعد شروع ہوئے۔

قواب شمس الدین احمد خاں نے یہ دعوے کر دیے کہ وہ رابع کا پرگنہ انہیں ملنا چاہئے اور ان کے بھائی کی پیشیں مقرر ہوئی چاہئیں۔ بھائیوں نے یہ دعوے کر دیے کہ قواب صاحب مرحوم کے جمع کئے ہوئے نقد روپے، مٹریں، بجاوا ہڑت اور دوسری چیزیں میں سے بھی انہیں حصہ ملنا چاہئے۔

۸۵۵ قوافل الدین نے عالم دہا کے اہل ہلی ملے تھے۔ خواجہ علیان کو لکھنؤ کی سلسلہ شمس خانی سے اتنا ہے اور بادشاہ کے پیشانی فخر الدین عرف کا کے میاں اعلیٰ کے ہوتے تھے ۱۲

آخر یہ جھگڑا دہلی کے بھٹائی جیڈنٹ کے پاس پہنچا جس نے گورنر جنرل کے پاس رپورٹ پیش کی وہاں سے ریویژنٹ کو فیصلے کا اختیار بتایا گیا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ڈاروین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کو مل جائے اور شمس الدین احمد خاں کو اس میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہ رہے۔ ضیاء الدین احمد خاں کی نااہلی کے مسئلے میں گورنر کی آمدنی میں ہر دفعہ مسئلہ انتظام ہو چکا ہے۔ اس کا نصف حصہ بنام ضیاء الدین احمد خاں سرکاری خزانہ میں جمع ہوتا ہے اور ضیاء الدین احمد خاں باقی ہو جائیں گے۔ ڈارو کی جاگیر و زمین بھائیوں میں بے حصہ یا تقسیم ہو جاتے۔

یہ فیصلہ طریقوں کو نشانہ یا گیا اور منظور کی گئی اور پھر بھیج دیا گیا۔ حکومت ہند نے فیصلے سے اتفاق کیا لیکن اپنی طرف سے تجویز پیش کر دی کہ اگر زمین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں راضی ہو جائیں تو انہیں جاگیر کی آمدنی کے برابر بعد وضع مصارف انتظام و تحصیل، نقد و پیداوار ملنا جائے اور جاگیر شمس الدین احمد خاں کی تحویل میں رہے۔

ابھی تک پیش جاری ہی تھی کہ ریویژنٹ صاحب بدل گئے نئے ریویژنٹ نے حکومت ہند کی تجویز کے مطابق فیصلہ کر دیا کہ ڈارو کی جاگیر شمس الدین احمد خاں کی ملکاتی میں رہے۔ اس فیصلے کی وجہ یہ قرار دی گئی کہ زمین الدین احمد خاں نے ضیاء الدین احمد خاں کے حصے کا وہ پیوہلی کے خزانہ میں داخل نہیں کیا۔ جاگیر کی آمدنی کا اندازہ چھوٹے ہزار روپیہ کیا گیا تھا جس میں سے چند ہزار روپیہ انتظام پر صرف ہوتے تھے اور دس ہزار روپے کی رقم خالص بچت تھی زمین الدین احمد خاں نے یہ اندیشہ کیا تھا کہ لوگوں کی سرکشی کے باعث پورا روپیہ وصول نہیں ہو سکا اس امر کے خلاف موجود ہیں کہ مالگنداری کے واجبات کی ادائیگی سے خزانہ زمین الدین احمد خاں کی تحیت کا نتیجہ زمین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں دونوں نے اس فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ اگر جاگیر ڈارو کو ہم سے چھیننا ہی منظور ہے تو اسے شمس الدین احمد خاں کے حصے کو ملے کہ بھائی بھائی سرکار مانگ رہی خود اس پر قابض ہو جائے۔ ریویژنٹ کو اوپر سے حکم ملا کہ اس فیصلے کو نافذ کر دیا جائے لیکن اس نے تامل کیا۔ اور اس امر کا انتظار کرتا رہا کہ شاید حالات بہتر ہو جائیں اور

بھائیوں کے باہر مصاحبت کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔

شمس الدین احمد خاں نے مسلسل اس بات پر زور دینا شروع کیا کہ لڑاؤ کی جاگیر ان کے حوالے کی جائے آخر ریڈنٹ کو یہ مطالبہ قبول کرنا پڑا اور لڑاؤ کو امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کے چھین کر شمس الدین احمد خاں کے قبضے میں دے دیا گیا۔

مشرفیہ فریڈ کا زمانہ | مشرفیہ میں مشرفیہ فریڈ دہلی کے ریڈنٹ مقرب ہو کر آئے۔ فریڈ مسابا نواب احمد بخش خاں مرحوم کے نہایت گہرے دوست تھے۔ مشرفیہ میں دہلی میں یوں لڑائی کے سرکاری رہ چکے تھے۔ نواب احمد بخش خاں کے تمام صاحبزادے انہیں سچا کہتے تھے انہوں نے ریڈنٹ ہوتے ہی پھر اس سلسلے کو اٹھایا اور تجویز پیش کی کہ لڑاؤ کا علاقہ نواب احمد بخش خاں کی تقسیم کے مطابق امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کو ملنا چاہئے۔ مگر امین الدین احمد خاں نے ضیاء الدین احمد خاں کے جیسے کاروبار دہلی کے خزانے میں جمع نہیں کرایا تو اس پر اعتراض کا حق شمس الدین احمد خاں کو نہیں پہنچتا بلکہ صرف ضیاء الدین احمد خاں یہ اعتراض پیش کرنے کے حقدار ہیں، جب آئل حق دار اس صورت حالات پر مطمئن ہے اور اس کے خلاف شاکہ نہیں تو پھر دوسروں کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ مشرفیہ فریڈ نے یہ بھی کہا کہ لڑاؤ کی آمدنی چاہیں ہزار ہے۔ اور مزید اصلاح کے بعد فریق ہے کہ آمدنی ساٹھ ہزار ہو جائے گی۔ لہذا حاکم کو ایک مقرب رقم پر شمس الدین احمد خاں کے حوالے کرنے سے چھوٹے بھائیوں کے مفاد کو نقصان پہنچتا ہے لیکن مشرفیہ فریڈ کی تجویز کی شرفازی نہ ہوئی اور غالباً انہی کے مشورے کے مطابق امین الدین احمد خاں اپنے مقدس کی پیروی کے لئے خود ٹھکرتے گئے۔

شمس الدین احمد خاں کے خلاف | ٹھکرتے پہنچ کر انہوں نے تمام معاملات حکام مدوالہ کے گوشہ گزار کئے تو فیصلہ لگے حق میں ہو گیا۔ اور لڑاؤ کو نواب شمس الدین احمد خاں سے واپس لے کر امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کے حوالے کر دینے کا حکم مل گیا۔ شمس الدین احمد خاں کے کیسل نے فوراً ٹھکرتے سے یہ پورٹ جہیز فرما دیا۔ اپنے آقا کے پاس بھیج دیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نواب یہ پورٹ نہ بھیجے



شمس الدین احمد خاں اپنے رفقاء و صحابوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، پلوٹ پڑتے ہی انہوں نے وقفہ کھانے سے اٹھ کھینچ لیا اور سوچ میں پڑ گئے۔ کہ یہ خاں نامی ایک وسیلہ سوار بہت مشہور تھا، ہوا تھا اس نے بلا تکلف کہا کہ سوچ میں کیوں پڑ گئے ہو اور کھانا کس لئے ٹھنڈا کر رہے ہو؟ شمس الدین احمد خاں نے اس پر غلاف معمولی تنگی کا اظہار کیا۔ کہ یہ خاں نے حالات معلوم کئے بغیر کہہ دیا کہ اگر دشمن سے آواز نہ پہنچا ہے تو میں اس کا خاتمہ کروں گا شمس الدین احمد خاں نے کہا کہ حکم پرست لوگ یہی باتیں بنایا کرتے ہیں کہ یہ خاں نے فوراً جواب دیا کہ تواب صاحب ایسے شخص ہیں جو میرے ساتھ دوسروں کی طرح ظلم و ستم نہ کرے گا۔ تواب صاحب خاموش رہے۔ کہ یہ خاں وہاں سے اٹھا اور دوسرے کمرے میں گیا تو وہاں تواب کا دیوان اور ایک خدمت گزار نیا بیٹہ بیٹھے تھے۔ ان سے تواب صاحب کی پریشانی کی حقیقی علت معلوم ہوئی۔

فرزید کا قتل | اسی وقت کہ یہ خاں انڈیا سو گئے ساتھ لے کر فرید زہر بھر کر کے دہلی روانہ ہو گیا تاکہ مسٹر ولیم فرزید کا خاتمہ کر دے جس نے لڑا رو کی جاگیر شمس الدین احمد خاں سے چھنوائی تھی۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ کلکتہ سے فیصلے کی اطلاع پاتے ہی فراس نے خود فرزید کے قتل کی سکیہ تیار کی کہ یہ خاں اور انڈیا کو دہلی بھیجا گیا تاکہ فرزید کو قتل کر دیا۔ وہ دونوں دہلی آئے تین ماہ تک فرزید کے پیچھے لگے رہے لیکن دار کا موقع نہ مل سکا، ناچار وہ ناکام واپس چلے گئے۔ شمس الدین احمد خاں ان کی ناکامی پر بہت خفا ہوئے۔ دوسری مرتبہ پھر وہ دونوں دہلی آئے، ایک ہندو خدیہ کر اور اس کی مالی کشتہ کر چھوٹی کرائی تاکہ اسے ہر آسانی کیوں میں چھپایا جاسکے۔ وہ آتا تک انہیں باوجود تلاش مناسب موقع نہ مل سکا، ایک روز معلوم ہوا کہ فرزید صاحب ایک جگہ دعوت میں بلائے گئے ہیں۔ کہ یہ خاں راستے پر چکات میں بیٹھ گیا لیکن فرزید صاحب دعوت سے فارغ ہو کر کسی دوسرے راستے سے مکان پر پہنچ گئے۔ یہ موقع بھی جا کرٹا۔ ۲۰ مارچ ۱۸۳۵ء کو کچھ ایک جگہ فرزید صاحب کی دعوت تھی جب وہ رات کے وقت دعوت سے فارغ ہو کر واپس جا رہا تھا

۱۸۳۵ء کا واقعہ جس میں فرید زہر لوگوں سے معلوم ہوئے۔

تھے قرآن کے مکان کے قریب کریم خاں نے انہیں گولی سے ہلاک کر ڈالا۔ اور بڑے بچہ غلام۔ لیکن شہرے باہر ہاسکا قتل کی اطلاع ملتے ہی شہر کے دروازے بند کر دیے گئے۔ اور قاتل کی تلاش شروع ہوئی۔ کریم خاں اور انبیائے مشورہ کے بندوں ایک کنوئیں میں پھینک دی۔ باقی سارے نشانے بھی زائل کر دیے۔ نواب صاحب کی طرف سے اس دوران میں جتنے خدائے تھے وہ سب بھلا ڈالے چند روز کے بعد کریم خاں نے انیا کو تمام حالات کے متعلق ایک خط لے کر نواب صاحب کے پاس بھیجا۔ نواب صاحب قتل کی تفصیل سن کر بہت خوش ہوئے۔ انیا نواب صاحب کے لکرا ہر نعل راہ کا کریم خاں کے ایک قریبی رشتہ دار نے بہ نظر احتیاط نواب سے کہا کہ انیا جیسے آدمی کو جو تمام آدمیوں سے آگاہ ہے زندہ چھوڑنا خالی از خطر نہیں۔ اس کا بھی خاتمہ کر دینا چاہیے۔ انیائے یہ بات سن لی۔ وہ فیروز پور سے نکل کر اپنے گھر پہنچا اور وہاں چھپا رہا۔ نواب کے آدمی اس کے پیچھے لگ گئے۔ انیا گھر سے نکل کر مختلف جگہوں میں چھپتا چھپاتا اور اپنی جان بچاتا ہوا پہلے آگرہ پھر ریلی پہنچ گیا۔ اس اثنا میں کریم خاں بعض شہنشاہ کی بنا پر کڑا گیا۔ کریم خاں کا سر اٹھل جائے گی بڑی وجہ یہ تھی کہ شمس الدین احمد خاں اور مسٹر فریسی عداوت کا شخص کو علم تھا اور عام رائے یہی تھی کہ فریسی کا قتل شمس الدین احمد خاں کی انجمن پر ہوا ہے۔ اور اس کا ذمہ دار نواب ہی کا کوئی ملازم ہو گا۔ بد قسمتی یہ کہ جس کنوئیں میں بندوں جھینکی گئی تھی اسی میں ایک شخص کا لٹا کر گیا اس نے سقوں سے کہہ کر فانا غلاما جاؤ تو بندوں نکل آئی اور کریم خاں پتھل کا جسم ثابت ہو گیا۔

ذاتیں ملین مسلمان انیا کو ریلی میں یہ اطلاع ملی تو وہ مسلمان گواہ بن گیا۔ اور اس نے نواب کی شرکت کو چھٹی ہاسکا واغیخت کے متعلق گواہی دی۔ کریم خاں کو پہلے پھانسی لگ گئی۔ بعد ازاں ذاک کے لئے بھی پھانسی کا حکم ہو گیا۔ ان کی ریاست ضبط کی گئی۔ اور اکثر پڑھنے میں انہیں کشمیری و اردو کے باہر نو سو فوہوں کے ہرے میں پھانسی پڑھکا دیا گیا۔ بہت دن کے خسرے و غفلت جیسے حوالے ہوئی جس نے نواب کو قدم شریف میں دفن کیا۔

کھتے ہیں تو کچھ بڑی مروتا نگئی سے جان دی۔ پہلے سید عباس دیب بدین کیا لیکن وہ عباس کو زہا  
دیگیا تو سید عباس بہن دیا۔ پھانسی پہنکنے کے بعد ان کی لاش قبلتوخ ہو گئی۔ عام لوگوں نے اسے ذاب کی  
سہ گناہی کا ثبوت قرار دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی قبروت تک زیارت گاہ عوام میں تھی۔

شمس الدین احمد خاں کے عزیز زاد کوئی واقعی صرف لڑکیاں تھیں جن کی شادیاں بعد میں ہوئیں۔  
ذاب محمد بخش خاں کے دو سرے لڑکے ذاب دین الدین احمد خاں نے علی امد قراہ پستان  
کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے ذاب علا الدین احمد خاں والی لڑا روئے۔ ذاب علا الدین احمد  
خاں کے بعد ذاب سر میر الدین احمد خاں مسند نشین ہوئے۔ وہ خدا کے فضل سے زندہ ہیں۔ پچھتر سال سن  
ہے۔ یعنی سال سے زیادہ ست کے کام سے ملندہ ہیں۔ پہلے انہوں نے اپنے فزوند بلند کو مسند نشین کر دیا  
تھا ان کے انتقال کے بعد ذاب سر میر الدین احمد خاں کا خیر مسند نشین ہو گیا۔

صاحبزادوں کی امداد ذاب ضیاء الدین احمد خاں کے صاحبزادوں میں سے شہاب الدین احمد خاں صاحب  
سید الدین احمد خاں قاسم کے متعلق زیادہ حالات معلوم ہیں۔ شہاب الدین احمد خاں کے صاحبزادے شہر  
ہوئے شہل الدین احمد خاں آباں۔ اور سرخ الدین احمد خاں ساگل۔ سرخ الدین احمد خاں زندہ ہیں  
اور شاعری میں کافی شہرت کے مالک ہیں سید الدین احمد خاں صاحب وفات پا چکے ہیں۔

امین الدین احمد خاں ضیاء الدین احمد خاں علا الدین احمد خاں اور شہاب الدین احمد خاں  
کے ساتھ قاسم کے تعلقات ہے۔ خود غلو کہتے۔ اور آخروم تک غلو گوارہ ہے۔ یہ لوگ بھی اس تہذیب  
(بقیہ صفحہ ۳۲) پنجاب تو رشت کے پڑنے پر مشورہ میں مشورہ کے شے کے متعلق ہی بہت سے کائنات ہو رہے ہیں  
ظاہر ہے کہ اس تہذیب کے بانی اس تہذیب کے دست سے خود ہی پہنچ کر جنسوں سے کہ تھا کہ ان کی مخالفت کا توڑ تھا  
جانتے تو وہ سارے حالات بتا سکتے تھے۔ انہیں مخالفت کا تحریری نتیجہ، لہذا یہ تھا لیکن انیا میں وقت قایم  
اس لئے کہ اسے ذاب شمس الدین احمد خاں کی طرف سے غلو تھا۔ تمام کا تعلق تھا۔

میں نے لڑکپن میں ان کے آدمیوں سے دیکھا کہ اس جہدی کی اطلاع پاکوئے تھل کوڑنے کی کوشش کی ہم ہر حال  
اس میں شہ نہیں کر ذاب کی شرکت تھل کی بنیاد جاتو دنیا کا جان تھا۔ ذاب امد مشورہ کی باہمی کشیدگی ۱۰

مختاری کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے۔ سارے اعلیٰ درجے کے فاضل اور اسباب علم و فہم تھے۔  
 سب کے نام غائب کے مکتوب موجود ہیں۔ ایک مکتوب فراب سراج الدین احمد خاں کے نام پر ہے  
 جو غائب کی وفات کے وقت غالباً آٹھ برس کے تھے۔ ضیاء الدین احمد خاں اور علامہ الدین احمد خاں  
 دونوں فرادسی اور مارو کے شاعر تھے۔ اول الذکر فرادسی میں تیرہ اور مارو میں دس اشعار مکتوب فرماتے تھے۔  
 آخر الذکر کا مکتوب پہلے کسی قصیدہ کا مکتوب تھا۔ غائب نے مکتوب کے مرتب میں فرمایا ہے :

ہم سے تمہیں نفرت سہی تیرے سے لڑائی

بچوں کا بھی دیکھا دیکھا شا کوئی دن اور

یہاں تیرے مراد فراب ضیاء الدین احمد خاں تیرے ہیں۔ ایک اور غزل کے مطلع میں فرماتے ہیں :

ہم سے غائب یہ مکتوب غزل کھلائی

ایک بید اور گریخ منہ اور رسی

مکتوب سے مراد فراب ضیاء الدین احمد خاں ہیں۔ غائب نے تیرہ اور مکتوب کو مارو اور فرادسی میں  
 اپنا جائزین قرار دیا تھا۔ اور انہیں باغیسی کی منہ مکتوب مکتوب فرادسی تیرے فراب ضیاء الدین احمد خاں  
 کے لئے ایک قصیدہ موجود ہے جس میں لکھتے ہیں :

من آں سپہ گردانہ چنانکہ مر بہ ماہ ہمسرہ روز و دین چتر مستور من

منہ منہ منہ راز و درخیزہ راز منہ منہ دین مسد کیں یاد من

ہو دین و دانش و دوست یگانہ آفاق ہر عمر کہتر و از روئے رتہ ہست من

ہمسرہ دل بہ ہر درد و ہم دین ہر ہم کہ پر خویش بود لسان و لب ہر من

خاندان راز و دانش کی عقیدت ان لوگوں کو غائب نے ہر عقیدت مکتوب میں کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے  
 جو فراب سراج الدین احمد خاں کی زبان مبارک سے شائع ہوا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے ہر  
 وقت شعر کا دستور کیا تھا۔ اور کسی طرح ہر شخص کو تعلیم کو خاندان کے اعظم و افضل کا حق مانتا تھا۔  
 فراب سراج الدین احمد خاں فرماتے ہیں کہ میں سات آٹھ برس کا تھا اس زمانے میں ایک مشاعرہ

میں میں ذاب خلیا رالدین احمد خاں ذاب ملا رالدین احمد خاں اور ذاب شہاب الدین احمد خاں شکر  
 ہوئے ہیں بھی ساتھ گیا مشاعرہ کی غزلوں میں بل کا لفظ کسی مرتبہ نہ تھا تو میں نے ذاب شہاب الدین احمد  
 خاں سے پہلے کے معنی پوچھے۔ انہوں نے اوکے ساتھ ذاب ملا رالدین احمد خاں کی خدمت میں عرض  
 کیا کہ امیر الدین بل کے معنی پوچھتا ہے۔ ذاب ملا رالدین احمد خاں نے اوکے ساتھ ذاب خلیا احمد  
 خاں کی خدمت میں عرض کیا کہ میں بل کے معنی میں بتاؤں یا آپ بتائیں گے؟ ذاب خلیا رالدین احمد خاں  
 نے فرمایا کہ جب مرزا خائب زندہ ہیں۔ تو وہیں خود بل کے معنی بیان کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مشاعرہ سے  
 خارج ہو کر کسی روز یا دوسرے روز سب قاتل کے پاس پہنچے اور یہ واقعہ عرض کیا۔ ذاب امیر الدین احمد  
 خاں فرماتے ہیں کہ قاتل ایک گاؤں تک پہنچے اور گاؤں کے کھیتے کھیتے ہوئے کسی مذنب اور مذنب  
 بیٹے پر سے تھے۔ فرماتے تھے کہ جس حالت میں اس وقت میں اس سب کو کراٹا تھا اس وقت سے تو بل کہتے ہیں  
 ذاب پھیری کا خطبہ | خاندان لڑا لڑا صرف ایک فوسے جس کے متعلق قاتل کی تحریکات میں کسی خطا

پر بھی کوئی کلمہ نہیں ملتا۔ اور وہ ذاب شمس الدین احمد خاں ہیں۔ اور یہ تفصیلات بیان ہو چکی ہیں آج  
 صاف ظاہر ہے کہ ذاب شمس الدین احمد خاں سے تنہا قاتل ہی آندوہ دہستے بلکہ سادہ خاندان نامی  
 تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ذاب شمس الدین احمد خاں کی گرفتاری کے سلسلے میں قاتل بھی تنہا ہوئے یعنی اہلی  
 میں عام طور پر مشہور ہو گیا کہ قاتل نے پھیری کے ذاب کو پکڑ دیا ہے شمس الدین احمد خاں کے ساتھ دیرینہ  
 نزاع اور عداوت کے علاوہ اس شبہ کی وجہ ہیں اور پھر میں۔ اول یہ کہ فریضہ صاحب قاتل کے خلیات خود  
 دوست تھے۔ دوسرے اس وقت شمس الدین احمد خاں نے گرفتاری کے بعد (۱۸۷۷ء) صاحب تھے وہ بھی  
 قاتل کے ساتھ تھے۔ انہی دنوں میں قاتل کے خلاف دوسرا ہمارا کاروں نے مذکور کی دیگر باتیں بھی  
 تھیں اس زمانے میں اونچے طبقے کے آدمیوں کے خلاف دیگر لوگوں کے ضمن میں یہ دستور تھا کہ اگر  
 گھر کے اندر سے کوئی گرفتار نہیں کرتا تھا۔ البتہ باہر نکلنے پر گرفتار کر لیا جاتا تھا اس وجہ سے قاتل گرفتار  
 سے بچنے کے لئے سارا دن گھر کے اندر گزارتے تھے۔ اور گھر کی دو گزری رات گئے پر باہر نکلا کرتے تھے۔  
 ان شبیں سپرد ہیں وہ مجسٹریٹ صاحب بھی مٹے تھے۔ لوگوں کو شبہ ہو اگر خلیا خلیا شمس الدین احمد

خاں کی جاسوسی کرتے ہیں۔ اور تمام خبریں کے جانکج بشریٹ کو پہنچاتے ہیں۔ غائبانہ طو یہ سارے حالات  
شیخ نامہ مخبرش تاج کو لکھتے ہیں :-

بشریٹ بہادر شہر کہ اسن سابقہ مورخین و محققین و دست و دھن اس اندوہ انگشت شدہ پہنچی  
مخبرین کے سلسلے میں گرفتاری کے خوف سے .... کا کا وہ بزدل و سستے و غصے چندہ فکروا رہے  
ہیں اس واقعہ و داد و فریاد کا قتل، مودہ چندہ مخبرش کا روضہ اسرار باطل و ناز و سبغت، تا اس شد  
کہ ان کی فریاد و بھوکہ مجرم قہر یافتہ و یہ حکم سرکار ہائے چندہ کا صان خود سیر شدہ ... میں میانہ مش  
وے دشمن صریح احمد خاں، ناسازگار سی ہو دو مردم شہر خاں، اسے ہنستہ لگی و زمین آٹھا و نندہ لگتی لگا  
نہں کا فرشتہ و انگشت بہ زمین صحن بستند۔

یہ بھی ممکن ہے کہ غائبانہ و قلمی نگہری کی ہو اور وہ پر کی تحریر کے انداز سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ  
غائب کا میلان علی شمس الدین احمد خاں کے حق میں نہ تھا بلکہ ان کے خلاف تھا۔ اور وہ وہ غائب کی  
گرفتاری کے پورے قہر و اذہاں یا نہ ہوں لیکن ان کا کہ اس باب میں باطل پاک نہ تھا، خود واقعہ  
قتل کی نسبت لکھتے ہیں :-

کچے اور گھٹان ناخدا اس کہ بہ غائب اپنی گفتار باور و لیم فریاد بہاورد کہنے بیٹہ دہلی و غائب  
مطلوبہ سامری ہو دو شپ تاریک بہ ضرب افکاک شست و مرادم رنگ چہ دانہ شست۔

اسی قہر کی ایک مثال کے مقلع میں فرماتے ہیں :-

غائب بہ نگار کہ جو لیم فریاد

زیباں بہ پر و قلمی صا شہر ہوا

غائب احمد مخبرش خاں کے انتقال کی خبر پہنچ کر غائب شمس الدین احمد خاں کی مخرج روضہ کا اظہار ان  
مقلوں میں لکھتے ہیں :-

آفاق کہم نہ شمعین اس دوراں مرد و شبستان آندو آئیرہ و کار شدہ .... دیکھاں را معذرت نہ

خود بود و فریاد چاں را گری چکا مرد و کہ بجن از ہم باط، وہ گندہ چندہ گرا بہ نور دست دوتے

مردود و آسودگی پہنچے۔

۱۸۳۳ء کی تحریک میں حضرت قاضی پوری جونی۔

ولیم فریڈ نے ۱۸۳۳ء میں نواب امین الدین احمد خاں کو کلکتہ بھیجا تھا تو غائبانہ شہادت کے دو مشنوں کے نام ضایت بہت بھرے سفارشی خطوط لکے جو ان کے مجبور و کاغذ میں شامل ہیں۔ نواب احمد بخش خاں مرحوم کے ایک مرم واد بھائی میرزا قدرت اللہ بیگ تھے۔ ان کے ساتھ ہی غائبانہ شہادت بہت خوشگوار تھے۔ میرزا قدرت اللہ بیگ کے دو بیٹے تھے۔ میرزا معین الدین حسین خاں اور میرزا محمد حسین خاں، صلیبی مسیحیت کے نام کے دو مشنوں میں ان کو بھی ڈکڑا یا ہے ایک خط میں فرماتے ہیں:-

اے صاحب ہمارے جان برادر میرزا معین حسین خاں بیاد کو یہ اسلام کہنا اور کہنا کہ بھائی کی رو

کویت چاہتا ہے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

میرزا معین الدین حسین خاں ۱۰ میرزا معین حسین خاں یہ دونوں بیٹے ہیں نواب قدرت اللہ بیگ خاں کے اور قدرت اللہ بیگ خاں بہن تم تھے نواب احمد بخش خاں کے اور معین الدین حسین خاں کی بہن مشہور ہے بھائی ضیا الدین احمد خاں سے۔

میرزا معین الدین حسین خاں کا مرقب کیا ہوا ایک روز ناچر حسد غرور جس نظامی صاحب کی مہربانی سے شائع ہو چکا ہے۔

تاریخ کی حد تک مشفق غائب کی خیرات میں تامل کی زندگی کے حلقوں بعض ایسی چیزیں ملتی ہیں جن سے غائب کے بعض بیانات باہمی التماس خیال ہو سکتے کہ وہ اپنی بیگم شامیہ سے خوش رہتے یا تامل کو ناپسند کرتے تھے۔ مثلاً ایک مقام پر انہوں نے شادی کو حکم نہیں دیا کہ تم سے تعلق کیا ہے اور میری کو تیری کو؟ دیکھو۔ میرزا محمد علی خاں نے وہاں کے مشنوں پر چھاپا تو صاحب و یا کتب ایک جیسا سند ہے کہ اچھا اور چھٹا ہے کی بیسیا نہری ترکیبوں کو سمجھا جاتے کہ باہمی تعلق ہیں وہاں امر و منکر کی دوسری بیوی کے انتقال پر غصہ

اگرچہ لکھا ہے اس میں بھی ایسے الفاظ ہیں جن سے تشریح ہوتا ہے کہ تامل کی قید سے سخاوت پانے کے  
بڑے آرزو مند تھے اس خط کے آخر میں حکیم سنائی کے صدیقہ میں سے مندرجہ ذیل اشعار بھی نقل کئے ہیں :-

پسورے باپ پر بناری گفت کہ مرا یا رشو بہ ہمرہ جفت  
گفت با ازانما کن وزن منے چند از خلق گیسو دامن منے  
مدد ناگر گیسو منے ہمد کو گرفت چوں تو بے  
زن کنی ہرگز تو رانہ کند در تو بگذاڑیش چنان کند

تسہ ہیں میں ان کا ایک قطعہ ہے :-

گیو کو در روز مشرچوں کو بستی پسورہ و فوج نہند تیسرہ ہنہن  
ایک نہ باشد و ماں حنیق مصیبت و طلب نان و ہار کشش از زن  
ایک نہ باشد و رآن مقام صبرت شور تھا نہ تھے نار و اس کے ہا جن

ان کی ایک رباعی ہے :-

اے آنکہ ہوا کبہ بروئے داری و اتم کہ گزیدہ آرزوئے داری  
نہیں گوئے کہ تند سے مندری دلم درخاندانے سے سیو خورئے داری

ایک قطعہ میں فرماتے ہیں :-

ہو آدم زن جھپٹاں طوق پسوند اندرہ کیچم و ذیل  
دیکھن و داسیری طوق آدم گراں تو آما طوق خزانہ

ایک اور رباعی میں لکھتے ہیں :-

آن مر کو زن گرفت دانا بڑو از غصہ فرغش ہانا بندو  
دود بہ جاس خاند و زن کیست نازم کبہ پچا قی نامہ د

یہ تمام چیزیں اس خیال کے لئے تقویت کا باعث بھی ہو سکتی ہیں کہ غائب تامل کی زندگی سے  
غور رہنے یا دیگر ہر صاحب کے ساتھ عدم مطابقت کی وجہ سے تامل ان کے لئے مصیبت بن گیا تھا اور



اس مصیبت کا انہما مختلف صورتوں میں کرتے ہیں لیکن بیخیاں حقیقت کے باطل خلاف ہے نظم و نشر کے تمام مندرجہ بالا گوشے غائب کی طبعی شوقی نظری ہے مہلکی اور پیداؤشی غلافت کا نتیجہ ہیں۔ جو کہ ان کے بھی ہیں آہا تھا بلا تحلف کہہ دیتے تھے۔ بعض مذہبی امور کے متعلق بھی ان کے لطیفے مشہور ہیں حالانکہ ان کے دل میں مذہب کا انتہائی احترام تھا۔

بگیم صاحب سے محبت | ادا تھو یہ ہے کہ غائب کو اپنی بگیم صاحب سے بڑی محبت تھی۔ بگیم صاحب بھی اپنے خوبصورت کی راحت و آسائش پر اپنی جان قربان کرتی تھیں۔ اگرچہ اعمال کے لحاظ سے وہ فاضل میں نمایاں فرق تھا۔ غائب فطرتاً رند تھے۔ ان کی بگیم صاحب سے حد پر ہر کار اور عبادت گزرا خاقان تھیں خواہ چٹائی سے نکھڑے کہ بگیم صاحب نے اذہ کمال آقا صاحب نے کھاتے پینے کے برتن الگ کر لئے تھے۔ اس لئے کہ غائب کم از کم شرب و نوش کے باب میں حقیقہ تھے لیکن اس کے باوجود وطن میں گئی محبت آخری دم تک قائم رہی۔

زائن ہل کی بھٹی پر چڑھا | خواجہ عالی مرتضیٰ کو غائب میں جب تک چلنے بھرنے کی طاقت رہی وہ دن میں کم از کم ایک مرتبہ منہ دھو کر چلتے تھے اس کی تصدیق غائب کی مختلف تحریروں سے ہوتی ہے مثلاً میر مودی لکھتے ہیں :-

خط کھ کر بند لکھ کر آدمی کو دوں گا اور میں گھر خاقان کا۔ وہ اس ایک دکان میں دھوپ آتی ہے  
اس میں بیٹھوں گا۔ ادا تھو دھو دوں گا۔ ایک روٹی کا چھلکا سالن میں جھگڑ کر کھاؤں گا میں سے  
ادا تھو دھو دوں گا پھر اس کے بعد خدا اجائے کرن تے کا کیا محبت ہے گی۔

غائب علاء الدین احمد خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

روٹی کھائے کہ باہر کے مکان سے محل صوم میں کہ وہ بہت خیر ہے جب جاتا ہوں تو ہندوستانی  
ٹھہری پھر میں دم شہر سے اور یہی حال رہے ان خاندان میں اگر ہوتا ہے۔

ایک اور خط میں غائب صاحب ہی کو لکھتے ہیں :-

کیج میں آتے روٹی کھائے کہ گھر جاتا تھا شباب الدین تھیں قضا اخطا دھری کی خبیثے کر آئی



ہوا کہ انگریزی خط میں کیا لکھا ہے تم پڑھو میرا ترجمہ سنے جاؤ اور صرف جوت پڑھ کر نہ ڈالو۔

انگریزی خط میں گورنر جنرل کے چیف سیکرٹری نے یہ لکھا تھا کہ:-

محرم دیا جاوے عرض دیتا ہوں کہ جواب اس عرضی کا ذرا اب گورنر جنرل بعد ریافت کے  
مرشاہ فرمائیں گے۔

غالب کو تشویش ہوئی کہ شاید سلیم صاحب پریشان ہوں کہ انگریزی خط کا مضمون کیا ہے سلیم صاحب  
غاس کو بھی لکھتے ہیں کہ غاص کو مکمل کر لے کہ کیوں نہیں دیا تھا انگریزوں کو پریشانی نہ ہوئی اس سے ظاہر  
ہے کہ غالب سلیم صاحب کی بجلی سی تشویش کو بھی گوارا نہیں فرماتے تھے۔

رام پور جی سے ایکنہ خط میں سلیم صاحب نے غاس کو لکھتے ہیں:-

ظہیر حسین (اب سلیم صاحب) غاس کی دادی دیکھ صاحب غالب! اب عارضہ سرخ و سہل بخیر ہوا،  
کالہ سے نکلنا ہوا..... مطالبہ سلیم پور سے..... اس کی دادی اس کو سر پر پریشان اور غصہ میں

ہو جاتی ہے اب غاص اس کے پاس ماہ محرم کا ہے وہ بچھاؤ اور دانا خریدتے رہو

غالب یوسف علی غاس والی رام پور کے انتقال اور ذرا اب کلب علی غاس کی تحت نشینی کے سلسلے  
میں غالب اکتہ چشتی میں رام پور گئے تو سلیم صاحب نے غاس سے غالب سلیم صاحب کے ارشاد  
مطابق ایک خط میں تشویش ظاہر کی تھی کہ شاید کھانے پینے کی چیزیں مزاج کے مطابق نہ ملتی ہوں۔  
اس کے جواب میں رقم فرماتے ہیں:-

تمہارے خط سے معلوم ہوا کہ تم کو میرے کھانے پینے کی طرف سے تشویش ہے۔ خدا کی قسم  
میں یہاں بہت خوش اور تندہ دست ہوں..... یہ خط لے کر تم اپنی دادی دیکھ صاحب کے  
پاس جاؤ اور یہ خط پڑھ کر نہ ڈالو اور ان سے یہ کہہ دو کہ وہ بات جو میں نے تم سے کہی تھی وہ  
غلط ہے۔ ہے اس سے۔

ایک اور کتاب میں جو رام پور کے سفر کے وہ دن میں لکھا گیا تھا فرماتے ہیں:  
لوگوں (دارقلمی اور زمین علی) بنا۔ ذرا اب زمین علی غاس عادت آگے اٹھ کے دو کھانے

ہوتے ان کی دادی کو بھیادیتے ہیں تم اس اپنے نام کے خلو کے گزریاؤں سے پہچاننا سنا  
ہی کو سنا دیتا اور غرو عافیت کہ دیتا۔

حکیم ظہیر الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

شکریاں ظہیر الدین تم اپنی دادی کے پاس ابھی بیٹے جاؤ اور ان سے میری اور لڑکوں کی  
خبر و عافیت کہو اور پھر کہ شاب الدین خاں سے اکتوبر کی تفریہ کے بجاس روپے پہنچا دیتے  
بانیس۔ پھر میری بیٹی اور ان باتیں اپنی دادی سے پوچھ کر بدلتا کہ گھوڑے اور کچھ۔

یہ تمام اقتباسات اس امر کا ثبوت ہیں کہ غالب و بعض فرائض تامل کی بجائے دادی ہی میں خند  
تھے بلکہ ان فرائض کو دلی لگاؤ اور تعلق سے ادا کرتے تھے لیکن یہ صحیح ہے کہ مالی مشکلات کے جوہر میں  
وہ بعض اوقات بہت تنگ دل ہو جاتے تھے۔ اس حالت میں گھبرا کر کسی باتیں بھی کھجھکتے  
تھے جن سے ان کے دلی خیالات و احساسات کو کوئی تعلق نہ تھا بلکہ انہیں وقتی پریشان خاطر کی  
تجربہ سمجھنا چاہئے یا جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے طبیعتی خوشی کا کرشمہ فراموش چاہتے ایسی ہی ان کی تحریر بھی ہو۔

بھائی میرزا کریم - خوشی کو فراموشی ہی کی طبیعت کے ہوتا ہے ایک تنہائی سے غم جو ایک تنہائی  
تھوڑا تامل میری سوچ میں بھی اس گرتا دادی سے مل نہیں رہا پٹیلے ہاتھ میں میری بکی اور  
دست حق، اگرچہ مجرورہ دست تنہائی میں سو جاتی۔ لیکن اس تنہائی چند روزہ اور جرح مستعد کی کیا شکر  
خدا سے لاوارہ رکھا تھا۔ شکریہ ادا تھا۔ خدا سے میرا شکریہ شکریہ کیا۔ یہ بلی قہولہ دادی کی مجلس ہ  
تجربہ سے دوستی میں روپے کا طوق (حکیم صاحب) اسی روپے کی دو ہتھکڑیاں بھی ڈالیں (یعنی تین ہتھکڑیاں  
خاں کے بچے)

اولاد | غالب کا اپنا کوئی بچہ نہ تھا۔ سات بچے پیدا ہوئے لیکن کوئی بھی چندہ عیش سے زیادہ زندہ  
نہ رہا۔ سیف الحق منشی میاں داو خاں سیاح کو لکھتے ہیں :-

تمہارے لڑکے پیدا ہوتا اور اس کا مر جانا سلام ہو کر مجھ کو بڑا غم ہوا۔ بھائی اس طرح کی حقیقت کو  
پوچھ کر بھڑکے ہیں کی عورت سات بچے پیدا ہوئے لڑکے بھی اور لڑکیاں بھی انکی کی مرثیہ دیکھتے

نیا وہ نہ ہوتی۔

جب اپنے اُس اولاد کی طرف سے ایسی چوکنی گرفتار آئی تھی تو تمنا اپنے اپنی بیگم کے بھائی کے یعنی نیاوی بیگم کے ساتھ جو وہ میرزا زین العابدین خاں عارف کو بیٹا بنایا اس سے بے حد محبت کرتے تھے۔ اس لئے بھی کہ رشتے میں عارف بہت قوی تھے۔ اور اس لئے بھی کہ جسے خوش فکر شاعر تھے لیکن قنار بھی جاتی کے عالم میں دائمی مصافقت کا رخ و سہ گئے۔ قنار نے ان کی وفات پر حد درجہ غم و بھراؤ وہ لکھا جو ان کی بہترین اردو نظموں میں سے ہے۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا سہرا کوئی دن اور  
تیرا گئے کیوں اب رہو تمنا کوئی دن اور  
مے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاقوں  
مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور  
جاستے ہوئے کہتے ہو قیامت کو نہیں گئے  
کیا خوب قیامت کا جو گویا کوئی دن اور  
اُس سے خلک پیچوں تھا ابھی عارف  
کیا تیرا ایکڑ تا جو نہ مرنا کوئی دن اور  
تم باشب چارو ہم تھے مرے ٹھوکرے  
پھر کیوں نہ آٹھروہ نقشا کوئی دن اور  
تم ایسے کہاں کے تھے کہ وہ دودھ کے  
کوتا ملک الموت تھا تمنا کوئی دن اور  
مجھ سے نہیں نفرت سہی تیرے لڑائی  
بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور  
گزدی ظہر حال یہ مدت خوش و ناخوش  
کہنا تھا جہاں مرگ آگرا را کوئی دن اور  
نہاں ہو جوتے ہو کہ کیوں پیچوں کتابت  
مست میں ہو مرنے کی تمنا کوئی دن اور  
قنار نے قنار میں بھی عارف کی خوش نگری اور گسری لغت و محبت کے اظہار کے لئے ایک قطعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں :-

اُن پہنچیدہ غم نے عارف ہم کو خوش طبع دو دمان بخت  
انگور و زہم قسب غم بخش تھکسا و فرجداں بخت

اس میں عارف کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں :-

میری محبت کے مطابق ان کی وفات حضرت علامہ میں ہوئی ۱۲

ہم نکلتے خوش لہو خوش لہو  
 کا نال ٹمڑیاں ہیں بہت  
 سو سو دایک مال ہی  
 سخت غنچ شاخوں ہیں بہت  
 چانچہ دار کو خوش مانا زوی  
 کھلے دور تو دھن ان ہیں بہت  
 جانے دور کو خوش مانا زوی  
 کھلے دور تو دھن ان ہیں بہت  
 جاو داں باش اسے کو گدگدنی  
 سخت عمر وادان ہیں بہت  
 لے کر میراث خاں میں باشی  
 امداد و کراں باش ہیں بہت  
 از معانی زمیں فیاض  
 باد آن قوم ہیں بہت

یہاں تا دور میں کر دینا مناسب کہ عارف کی والدہ ماجدہ یعنی نبیادوی بیگم کے تعلقات اپنے شوہر  
 ذاب غلام حسین خاں سے اچھے نہیں رہے تھے اور ان کے بیگم کو سات ہزار روپے کی مالیت کا ایک  
 مکان دے کر علیحدہ کر دیا تھا نیز یہ بیگم کو سوتے پٹن ہنسی تھی۔ عارف کی شادی شمس الدین احمد خاں  
 گدگدنی میں سے ہوئی تھی۔ ذاب احمد شخص خاں ان کے ساتھ اپنے بیٹوں کا سلسلہ کرتے تھے۔  
 عارف کے بچے عارف کے دو بچے تھے باقر علی خاں اور حسین علی خاں۔ عارف کے انتقال کے بعد  
 خائب اور ان کی بیگم صاحبہ حسین علی خاں کو بیٹا بنا کر اپنے گھر آئے جب عارف کی والدہ یعنی بیگم  
 صاحبہ خائب کی بڑی بہن کا انتقال ہو گیا۔ تو باقر علی خاں ہی خائب ہی کے پاس چلے آئے۔  
 کون دو فرس سے غایت درجہ محبت تھی۔ خواہر خانی فرماتے ہیں کہ ان کو کبھی آنکھ سے اوجھل نہیں  
 ہونے دیتے تھے۔ اگرچہ خود سید تنگ مزاج تھے لیکن حسین علی خاں اور باقر علی خاں کے سارے ناز  
 اٹھاتے تھے۔ اور ان کی کسی بات پر بھی خفا نہیں ہوتے تھے۔

منشی ہرگز ہال لغت کو لکھتے ہیں :-

تو صاحب یہ رحم جانے ہو کہ زمین صواب میں خاں مرحوم سید فرقہ تھا۔ اب اس کے دو فرس بچے

کوہ ہیرے پتے رہتے ہیں ہیرے پاس آسے ہیں۔ اور میریدم بیکر کہتا ہے جس میں نکل رہا ہیں

لے یہ حالت غنچ خباب گزشت کے کہی جاتے کہ ان کے طور کے ہو چکا کہ داخل ہو رہا ہے۔ اب اس کے تین لکھتے ہیں



روانہ گھر سے کوئل آئے۔ دو روز لڑکے، دھڑکیں سوار کرتے ہیں، وہ آگے کھانا کھایا، اور پیچھے  
تم چنی، آسانی و تکلیف مابین کے پاس یہ تھوڑا سا سر نہ کرنا دینا۔

ایک اور خط میں مام پور بھی سے خواب نکلا، والدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-

آج صبح کے سات بجے باقر علی خاں، دوسرین علی خاں، معجم و دینی چھ برسہ، دو ساٹھ چھوٹے کے، ولی کو  
رہانہ پر سے دو آدمی میرے ان کے ساتھ تھے۔

باقر علی خاں کی عازرت | معلوم ہوتا ہے کہ باقر علی خاں خاں آب کی زندگی ہی میں اور غالب خاں کی سفارش  
سے ان میں ملازم ہو گئے تھے۔ اوروں کے چھٹے میں ان کے نام تین خط ہیں۔ پہلے خط میں ان کے طرز کلام  
کی مدح کی پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے منشی دی ہے کہ تمہاری ترقی جلد ہوگی تاخیر میں لکھتے ہیں:-  
تمہاری دوسری بھی ملے ہے۔ تمہارا بھائی جی ملے ہے۔ تمہارے گھر میں سب ملے خیر و عافیت ہے  
تمہاری نوکی بھی ملے ہے کبھی دوسری اور سوسے برسے میرے پاس آجاتی ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شادی اور ملازمت کے بعد باقر علی خاں علیحدہ مکان میں چلے گئے۔  
تبدیل میں ہیں، ایک قطعہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا باقر علی کے بچہ پیدا ہونے پر لکھا گیا تھا  
ہرمن زخم نہ زخمیرنا بالسر سرور ش تخیل ترقی نہ مطالب گفت  
پہر تھم شد متعلق گھنستن تار و سج طریق تعمیر و زید و جان غالب گفت  
تاجن غالب کے اعداد میں قصیدے کے اعداد و شال کئے جاتیں تو ۱۲۵۱ تا ۱۲۵۲ عریضہ لکھتی ہے۔

باقر علی خاں اوروں اور خاندانی دونوں دنیاؤں کے شاعر تھے۔ اوروں کے چھٹے میں ان کا تخلص کامل  
نکارا گیا ہے لیکن خاندانی کے ایک قطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تخلص باقر تھا، لیکن ہے اوروں  
میں کامل اور خاندانی میں باقر تخلص کرتے ہیں جیسے علی خاں بھی شاعر تھے۔ اخبار اصناف میں سے معلوم  
ہوتا ہے کہ ان کا تخلص شادان تھا اور وہ خواب کلب علی خاں مرہوم کی مولا سے وابستہ تھے۔ مزاج  
عالمی فرماتے ہیں کہ غالب کی وفات کے بعد وہ ان کا تھوڑی مدت میں انتقال ہو گیا۔



متعلقین کو خیال | غالب کو آخری امام میں اپنے متعلقین کا بہت خیال رہتا تھا۔ ان کے پاس کوئی خدمت نہ تھا۔ کوئی جاگزدہ حتیٰ۔ آمدنی کے تمام وسائل صرف ان کی زندگی تک تھے۔ ان کی وفات کے بعد نہ خانہ دینی فنڈ کے جاری ہونے کا کوئی امکان تھا نہ عام پرورداروں کی طرف سے تمہدہ مل سکتا تھا نہ دوسری فتوحات مل سکتی تھیں۔ اس لئے وہ بہت پریشان رہتے تھے۔ نواب امین الدین احمد خاں بااصلہ نوٹرویلو اسے تھے انہیں لکھتے ہیں :-

والہ نہیں آسکتا۔ بادشہ نہیں آسکتا۔ دل کی جگہ میرے پہلو میں چھری تو نہیں۔ دوست نہ سی دشمن بھی تو رہیں گا۔ محبت دس عداوت بھی تو رہے گی۔ آج تم دو فرمایا اور نواب امین الدین احمد خاں اور نواب ضیا مارین احمد خاں اس خانہ میں شرف اللہ اور غفر اللہ کی جگہ میں لم پورہ ولم پورہ ہوں میری دودھ شادی میں میرے بچے تھا۔ اسے بچہ میں۔ سو جو میری عشق تھی سہاس کی اولاد بھی شادی اولاد ہے اس لئے کہ میری شادی نواب امین الدین احمد خاں صوف باور کو نکاح نواب احمد علی خاں کے ہوتے سے ہوئی تھی، دشمن سے واسطے بلکہ بیکسوں کے واسطے تھا دعا گو ہوں اور شادی سلاحتی چاہتا ہوں۔ تمنا یہ ہے اور انشا اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا کہ تم بچے رہو اور میں تم دو لڑکے سامنے مر جاؤں تاکہ اگر اس خانے کو روٹی نہ دوئے تو بچے تو دو گئے اگرچہ بھی دوئے اور بات چہرہ تھے میری بلا سے ہیں تو سوائے اپنے حضور کے ہرے وقت ان غریبوں کے نہیں ڈالھوں گا۔

بیگم صاحبہ کی وفات | تحقیقی طور پر معلوم نہیں ہوگا کہ غالب کی بیگم صاحبہ کا انتقال کب ہوا۔ نواب سر امیر الدین احمد خاں والی نوٹرویلو فرماتے تھے کہ غالب کا انتقال پانچ برس بعد انتقال ہوا اس لحاظ سے بیگم صاحبہ کی تاریخ وفات ۱۸۷۷ء سمجھی جاسکتی ہے۔ بہر حال یقینی ہے کہ غالب کی وفات کے وقت بیگم صاحبہ زندہ تھیں۔ نوٹرویلو والوں کی طرف سے انہیں مستقل مدد دینی ہی بعض اصحاب کے معلوم ہوا کہ رام پور سے بھی وقتاً درمیان کے لئے کچھ رقم آتی تھی۔

غالب کے خاتم | اس ضمن میں غالب کے ملازموں کا ذکر بھی مناسب ہے، اگرچہ ابتدائی دور کو چھوڑ کر غالب کی مالی

لئے خاندان کے لئے بعض غریبوں سے سوسہ سو روپے بیگم صاحبہ کا انتقال چھ ماہ بعد ہوا تھا۔

حالت کبھی بھی اطمینان بخش اور غیر مستقیم نہیں رہی۔ لیکن ان کا فواید اور امیرانہ طائفہ آخر دم تک قائم رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ہر دور میں کم از کم تین چار ملازم ضرور رہے۔ ان کے خطوں میں بھتیان نامی ایک ملازم کا ذکر بار بار آتا ہے جو کہما رتھا خط ڈاک میں ڈالتا ہو یا اصل بھینجا ہو چیزیں لانی جوں یا کسی کے پاس پہنچا کر بھیج داتا ہو۔ بھتیان ہی ان تمام کاموں کا مستم نظر آتا ہے۔ بعض خطوں میں آباد نامی ایک ملازم کا ذکر آیا ہے۔ چند خطوں میں تلو دار و رف کا نام دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً قریان علی نیگ سنگ سنگ کو لکھتے ہیں "تلو دار و رف کو فرض عرض کرتا ہے"۔ تلو دار و رف کے سفر میں بھی ساتھ تھا چنانچہ حکیم غلام محبت کو لکھتے ہیں :-

میں بھی خوش، اللہ کے بھی خوش، تلو اچھا ہو گیا ہے، بھتا اٹھائی، تلکدوب سرکار سے حسین ہیں  
 جام اور دھولی نوکر لکھ گیا ہے۔

حکیم ظہیر الدین احمد خاں کے نام خط میں جعفر نیگ اور دقا دار کے نام ملتے ہیں، فرماتے ہیں :-  
 کہانہ دقا دار بھی ہمارے جعفر نیگ دقا دار و رف کی خواہ یا نہت لکھ گیا ہے یا نہیں۔

حزایت احمد نامی ایک ملازم کا ذکر حکیم غلام محبت خاں کے نام کے خطوں میں آیا ہے مثلاً :-  
 شکھی دوست، آدمی بھی تو ناگماں ایک حزایت دودن سے کچھ بیار ہے خیر چھاپر ملے گا۔  
 ایک اور خط میں فرماتے ہیں :-

میں سنے پٹنے بیٹے یہ سوس لکھیں اب حزایت، لکھنا دقا دار سے ٹھہر بھیجی جوں اور بچھو خط ناموں  
 کو چاواں کیا لکھا جاتا ہے۔

قواب علاء الدین احمد خاں کے نام کے ایک خط میں نیا زلی ملازم کا نام آیا ہے فرماتے ہیں :-  
 باقر علی خاں اور حسین علی خاں سے ۴۰ روپے چھوڑے اور آٹھ چھوڑے کے ولی کو روانہ ہوئے وہ آدمی  
 میرے ان کے ساتھ گئے۔ تلو اور دقا دار کا نیا زلی بھی ڈیڑھ آدمی میرے پاس ہیں۔

دقا دار جس کا ذکر وہ پتا چکا ہے ملازم تھی، ایک خط میں قواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-  
 لی دقا دار میں کو کم کچھ اور دقا دار قواب امین الدین احمد خاں اور اب جانتے ہیں۔ اب تمام لکھ گیا

دیکھ کر صبر نہ رہا، انہیں دعا دے۔ ایک جناح پاس۔ باہر تھیں ہیں سودا تو کیا لوٹنے کی گنجینہ اور ہنس  
ہیں۔ دست چٹنوں سے باتیں کرتی چرتی ہیں۔ جب وہاں سے تھیں گی تو کھن نہیں کر اعراف نہری  
سیر کر کریں۔ کھن نہیں کہہ دو ان سے کہ سپاہیوں سے باتیں نہ کریں۔ کھن نہیں کر پھل و  
توڑیں اور بی بی کو سے جا کر نہ دکھائیں اور انہیں نہ کہہ پھل تھکے۔ پھاسے بیٹے کی مانی کہیں اسنی  
یہ پھل تھا اسے پھاسے بیٹے کی کیا دی گئے ہیں۔

نہ میں غائب کی تنگ دستی حد سے گزرنے لگی تھی۔ مخلوق کی خواہ بند تھی۔ خانہ دانی نہیں مسدود تھی  
کوئی ذریعہ معاش باقی نہ تھا۔ زور و شجاعت تھا۔ کپڑے بچ بچ کر گزارہ کرتے تھے۔ لیکن اس حالت میں  
بھی میں آدمیوں کی گفتات اپنے قدموں کی تھی۔ یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :-

اب خاص اپنا دکر دوتا ہوں۔ ایک بری اور نیک ہیں اپنا دوی تھوڑے بھر، بھیمان، اپنا بچ  
دارمی کے چور و نیک بہ دستہ دار و عاری موجود ہے۔ یہاں کھن گئے بیٹے پھرے آئے۔ کہ جو کلا  
مرتا ہوں، اچھا بھائی تم میری ایک پیسے کی آغاس میں آوی۔ دانی کھانے واسے موجود۔

دارمی کا ذکر ایک فارسی خط میں بھی آیا ہے۔ غائب و غار و گئے تھے۔ وہاں کچھ سالان چھوڑ  
آئے تھے۔ وہی سے علی بخش خاں کو لکھتے ہیں :-

دارمی خاں سے رسد و نامہ رسا سے رسا تھا، کچھ از کچھ سے تار اسے من و کا تھا با شد و سے پناہ  
یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :-

باقری خاں اور حسین علی خاں اپنی دارمی کے ساتھ خیار و کھن خاں کی والدہ کے پاس قلعہ  
صاحب گئے ہوئے ہیں۔ اپنا زور و کھن و کھن کے ساتھ ہیں۔ دو ہند گناں ایک دوا اور دوا و ادب و کھن  
دوا، کھن و کھن کی ہند گناں چاہیں۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

قرض دینے والا یہ ایک قمار و سودا ہے۔ ہر لڑی قمار کی کو دینی پڑے۔ اگر کھن اس کا کچھ  
عید و سودا، ہر لڑی عید و سودا، کچھ عید و سودا، کچھ عید و سودا، کچھ عید و سودا، کچھ عید و سودا۔

اس خط سے بھی ظاہر ہے کہ نوکرانوں کی ابھی خاصی خزاواں تھی۔

نائب باوجود قلمت آدھو خزاواں فی مصارف ملازموں کی خواہیں اور کرتے میں خباہت نامہ نہ تھے۔ چنانچہ رام پور جیسے نو پر جیسے ہیں کہ کدواں تاقہ سے غلاں غلاں کی خزاواں اور اکوی یا نہیں حکیم غلام غلاں کو لکھتے ہیں :-

اے بھائی تمہیں پھر لڑنا کدواں تاقہ سے اندر باہر کی خزاواں ہانت دی لڑیں سے تو خزاواں مارو

حال غریب کسی کی بھی خزاواں بیچ دی ہے ۔

ستم پیشہ یعنی یہ عرض کرنا تحصیل حاصل ہے کہ نائب متقی پر ہر ہر نگار اور ہر ہر نگار نہ تھے۔ علی الخصوص ان کی جوانی طرح طرح کی گیسٹوں اور آواز مشربوں میں گزری تھی بیض واقعات کے شمارے ان کے غلاموں میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً مراد حاتم علی، ایک تھکی محنت جو جس کا نام غالباً چنا جان تھا واقعات پانسی نہیں تغزلی غلام لکھتے ہیں :-

ماضی کی خزاواں ہے کہ انہوں کی ہم جہل مضیہ ہو بیٹے اس کے ساتھ مری قی خزاواں مجھ پر  
تو سے ساتھ مری ۔ بلکہ تو اس سے بڑھ کر ہونے کو بیٹے اپنے گھر میں اور تھکی محنت تھارے گھر  
میں مری نخل بچے بھی مضیہ کہتے ہیں جس چٹوڑی اس کو مار لکھتے ہیں ۔ اس بھی نخل بچے ہوں مری  
ایک بڑی ستم پیشہ ڈوسنی کو اس نے بھی مار رکھا ہے ۔ خدا ان دونوں کو بخشے دینی چنا جان کو اور  
ڈوسنی کو اور ہم تھوڑوں کو بھی کافر مرگ دوست کساتے ہوتے ہیں محضرت کرے ۔ چائیں  
چائیں برس کا یہ واقعہ ہے ۔ آنگرہ کو چھٹ گیا ۔ اس نے ان میں بیچہ دمن بر گیا ہوں لیکن اب بھی  
کبھی کسی وہ اور نہیں یاد آتی ہیں اس کا مرنا زندگی نہ بھوں گا ۔

اس خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ستم پیشہ ڈوسنی کے ساتھ میں بائیں برس کی عمر میں رابطہ پیدا ہوا تھا ۔ نائب کے اردو دور میں اس نے کی گئی تھی ایک غزل یا تو ہے جس کا ایک شعر یہ ہے :-

شرم سوائی سے جا چھپنا نقاب خاک میں  
ختم ہوا صفت کی تھوڑی پردہ واری ہاتھ لٹے



# تیسرا باب

## دہلی میں سکونت اور مکان

دم ازدر یاست دہلی بخورنم غائب  
منم غفاک تشینان آن یار کئے

غائب دہلی میں کئے | دہلی میں غائب کی آمد و رفت سات برس کی عمر سے شروع ہو گئی تھی چنانچہ ۱۰۰۰ فروری ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں ذاب علاء الدین احمد غاں کو لکھتے ہیں :-

اے میری جان یہ وہ دہلی نہیں جس میں تم پیدا ہوئے وہ دہلی نہیں جس میں تم نے مکمل کیا ہے۔  
وہ دہلی نہیں جس میں تم شہان بیگ کی مہلی میں بھسے پڑھنے آتے تھے۔ وہ دہلی نہیں جس میں ریاتہاں  
کی گھر سے آتا تھا، وہ دہلی نہیں جس میں کیا دن برس سے مقیم ہیں۔ ایک کچھ بھلاں ہیں  
خدا کا نام کے شاگرد چھپاؤ! اسی سزا میں ہو۔

اس خط سے یہ بھی ظاہر ہے کہ دہلی میں آگواں شہان بیگ کی مہلی میں رہتے تھے۔ جہاں  
ذاب علاء الدین احمد غاں ان سے پڑھنے جلتے تھے۔ اگر کیا دن برس کی مدت کو درست مانا جائے  
تو یہ بھی ظاہر ہے کہ غائب نے ۱۸۵۷ء کے قریب جبکہ ان کی عمر وہ پندرہ برس کی ہوگی دہلی میں سکونت  
اختیار کی۔

لیکن وہ فحشی شیراز، آتام مالک علی مفید خلاق، داگرہ، کوان کے دادا فحشی جنسی و صر کے حالات  
محرر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

شاید فحشی جنسی و صر سے ایک وہ برس چھپے ہوں یا چھٹے ہوں ان میں کی میری عمر وہی ہے  
ان کی باہم شہین اور مخلوق و محبت آدمی آدمی بات گور جاتی تھی۔ چونکہ گورن کا بہت دور تھا  
اس ۱۰۰۰ سے چھپا ہوا ہے جسے ہاتھ تھے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غائب کے انیس برس کی عمر کی سکونت ترک نہیں کی تھی۔ مگر اسے درست سمجھا جاتے تو دہلی میں ان کی مستقل سکونت ۱۸۱۷ء کے بعد ہوئی، انیس برس کے بعد ۱۸۱۷ء میں ہوئی ہو۔

میر تقی علی صاحب مدرس مدرسہ اکبر آباد کے نام فارسی خطوط میں ایک خط ہے جس میں اپنی مالی پریشانیوں اور پیش کے مسئلے میں چارہ جوئی کے سنے سفر ملکات کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-  
دور ہمارے گشت کا مسافت شد و صورت تہا ہی گرفت اکنون شش سال است کہ غافل ہوا و دود  
دل بہ مرگ کاہ و خاد و نہ کچھ نشست ام دور آئینش ہندو سے بچو و غافل است۔

غائب ۱۸۱۷ء میں بنگالیہ سے واپس آئے۔ لہذا مندرجہ بالا خط ۱۸۱۷ء میں لکھا گیا ہو گا۔ غفلت میں اپنے داماد مفارقت کی نسبت لکھتے ہیں:-

وادی زمان لڑاق کہ بنگال ہر دم شاد و سال است و بہ دولت نامزد و کم و بہت سال نیست۔  
اس سے ظاہر ہے کہ ۱۸۱۷ء میں غائب کو اگرچہ چھوٹے ہوئے قریباً بیس برس گزر چکے تھے۔  
اس حساب سے دہلی میں سکونت ۱۸۱۷ء یا ۱۸۱۸ء میں اختیار کی گئی۔  
نہیں بلکہ خواجہ عالی فرماتے ہیں کہ غائب دہلی میں کوئی مکان اپنے لئے نہیں خریدا تھا:-

ہمیشہ کرایہ کے مکان میں رہے۔ ایک مدت تک میاں کالے صاحب کے مکان میں رہ کر رہے  
رہے تھے جب ایک مکان سے جی آگیا اسے چھڑ کر دوسرا مکان لے لیا۔ مگر سمجھان کی گلی اور  
کے ہاگ یا اس کے قریب وجوہ کے سوا کسی وسیع میں جا کر نہیں رہے۔ سب کے عزیز مکان میں رہنا  
تھیں چھوٹے محروم و خان مروجہ کے دوران خانہ کے غسل مسجد کے عقب میں تھا جس کی نسبت دیکھتے ہیں  
مسجد کے نیچے ایک گھر بنا لیا ہے  
یہ ہندو گھیسڑ مسایہ خدا ہے

شیخ نصیر الدین عرف میاں شمسہ خدا چرت اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ آپ کے والد شیخ  
قطب الدین اور دادا شیخ فخر الدین تھے۔ جن کا سلسلہ شریف شیخ عظیم شاہ جان آبادی تک پہنچتا ہے شیخ

نصیر الدین بہادر شاہ کے پیچھے۔ قاضی کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی۔ اپنی ایک مہلی غائب کر رہے  
کے لئے سخت عطا کر دی تھی۔ اور دربار شاہی میں غائب کی ملازمت بھی آپ ہی کے وسیلے سے ہوئی  
شعبان بیگ کی حویلی کے بعد سب سے پہلا مکان جس میں قاضی کے قیام کا چہ پڑتا ہے۔ کالے میاں کی  
حویلی ہی تھی۔ یہ حویلی اب بھی قاضی قاسم جان میں موجود ہے۔

علوم چوتھا ہے کہ قاضی اپنی قید کے بعد تک اسی حویلی میں رہتے تھے۔ قید کا واقعہ ۱۲۰۳ھ  
پیش آیا تھا جس کی تفصیل آگے آگے کی ہو چکی ہے۔ قید سے رہا ہوتے ہی کسی دوست سے برا کجااوسی  
توفیر سے نکلے کون کتنا ہے میں قید سے رہا ہوا ہوں پہلے گورنر کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں  
تھیں۔ حکیم حسن خاں کی مہلی | کالے میاں کے مکان کو چھوڑ کر قاضی حکیم حسن خاں کی حویلی کراچی پہلی۔ وہ  
اس حویلی میں اپنی سکونت مشاعرے سے بناتے ہیں، اخذ کے بعد دہلی میں جو حالات پیش آ رہے تھے  
ان کا ذکر کرتے ہوئے میر محمدی خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

سب قاضیوں کا حکم ہے کہ وہ دانت کی کن بنے سخت بغیر ہے اور کن سخت دیکھا ہے۔ قاضیوں  
نقشے مرتب ہونے لگے۔ یہاں کا بعد کہ چھوڑا اس میں آ رہے ہیں۔ کالے کی قید میں تھے۔ قاضیوں  
محبت کی عبارت الگ ہے۔ چھوڑا اس کے ساتھ خاں نہیں رہتے۔ اس سے حکیم قید کے واسطے کے کالے کی  
حویلی میں رہتا ہے۔

لیکن میر خاں سے کہتے ہوئے دلی تاریخ درست نہیں۔ وہ ۱۲۰۳ھ کے ایک کتبہ میں  
نقشہ کر لکھتے ہیں :-

میں کالے صاحب کے مکان سے آؤ آیا ہوں اور یہی اس میں ایک حویلی کر لیا ہے کہ اس میں رہتا ہوں  
نقشہ قاضی کے ساتھ مسلسل خط و کتابت کرتے تھے۔ یہ ظاہر ہے کہ بعد معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو  
میں ایک تبدیل مکان کی اطلاع دلی جو میر خاں ہے کہ قاضی اور ۱۲۰۳ھ یا اول ۱۲۰۴ھ میں کالے  
صاحب والا مکان چھوڑ کر حکیم حسن خاں کی حویلی میں آئے اور ۱۲۰۴ھ میں ایک مکان میں رہا  
۱۲۰۴ھ میں کالے صاحب کے مکان میں آئے اور ۱۲۰۴ھ میں حکیم حسن خاں میں رہے تھے۔



وہ طائر العین خالی کو تر فرماتے ہیں :-

میں دس بارہ برس سے حکیم محسن خاں کی دلی میں رہتا ہوں۔ سب دور میں غلام شاہ خاں نے مولیٰ نے لی تاخیر میں چکے کہ کام ملی خالی کر دو۔ سب کچھ ٹکر پڑی کہ میں وہ وہاں قریب پہنچا لی میں کو ایک محل سرکوتے، اور ایک دیوان خانہ ہے۔ نہ میں، یا یہ جا ڈا کہ لی، وہاں میں ایک مکان رہتا ہے۔ جس میں چاروں غلام، خدای چوٹی میر میں سے، نیکیں تو ان کی کہ وہاں والی مولیٰ کو کہتے کہ وہی خبر وہ رعایت میری ذمہ کی کہ محل سرکوتے قریب ہو۔ مگر بہت، وہ میری نہیں بلکہ باپ میں وہاں چاروں ایک پاؤں نہیں پہنے، ایک پاؤں رکاب میں توشہ کا وہ حامل کو شکی یہ بہت۔

اسی مکان کی نسبت، ایک خط میں فشی ہر گو پال آفندہ کو لکھتے ہیں :-

دس گیارہ برس سے اس مکان میں رہتا تھا، سات برس تک یہاں چار دوسرے کا یہ دیا گیا۔ اب میں ہوں کا کہ یہ کچھ اوپر سے روپیہ کی شہت دیا گیا، ایک مکان بچ ڈاکہ میں سے یہاں ہے، یعنی غلام شاہ خاں نے، چارم لکھا، ہام کیا کہ مکان خالی کر دو۔ مکان میں سے تو انہوں، بے روئے ہو کر جا کر کیا اور وہ وہاں وہی وہاں خاں کا کہیں کا وہ تو کا عرض، وہ دس گز کا محل ہے، اس میں پاؤ بندہ گئی، رات کو وہیں سوتا گئی کی شدت، چار کا قریب لگاں ہو گئے تھا کہ کڑ کڑ ہے، وہی کو کہہ چکا فشی سے گئی تین، مائیں اسی محل گزاریں، وہ شنبہ، چارواں (مستقل) اور پھر کے وقت مکان ڈاکہ لگا، وہاں چار، جان بچ گئی۔

حکیم محسن دسے مکان میں بہت آرام نہ تھا۔ غائب، ایک خط میں جوڈن کی بندش کے زمانے کا لکھا ہے اسے یعنی ۱۲۸۵ھ یا ۱۲۸۶ھ کا میر مدی بخرق کو لکھتے ہیں :-

برسات کا حال وہ چھوڑا کہ قریبے، تا سم جان کی گئی، سات غلام کی قریب میں مکان میں رہتا ہوں، عام شیکے کڑو کی طرف کا، وہاں گز گیا، مسجد کی طرف کے وہاں کو ہاتھ ہوتے وہ وہاں تھا، میری رہیساں گز کا ہاتھ میں، صبح کے بیچے کا ہر ایک، اسے چھتیں یعنی برقی میں، میں گزئی ہو کر قریب گزئی ہو کر رہے، کہ میری میں سب تو شاہ میں غرض کہیں لکھا، وہاں کہیں میں میری

ہوئی۔ خدکھاں پنجہ کرکھوں۔

لیکن قاتل اپنے اسے اس وقت تک دھوڑا جب تک نئے مالک مکان نے انہیں پہ پہے

تھاڑوں سے دھجلا دیا۔

حکیم صاحب داسے مکان کا کرایہ چار روپے ماہ ڈالتھا۔ جب کہ پیش کش کی گئی تو کرایہ ماہ بہ ماہ اوکھڑے تھے۔ خدکھاں نے پیش کش کو مسترد کر دیا۔ کرایہ چھڑ گیا۔ یہی سلسلہ میں چڑھی ہوئی پیش کش کی کہ مستثنیٰ تو چڑھا ہوا کرایہ ایک سٹراٹ اور اگر وہ پانچ روپے والی ہو جاتی تو کرایہ چھڑ جائے گا۔ کرایہ سٹراٹ کے مکتوب میں ہے غایب کرایہ پانچوں لی گئی، بلکہ مفت رہنے کو مل گئی تھی۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ اس عورتی میں کب تک رہے۔

نیا مکان میرزا خاں ہے کہ بعد ازاں انہوں نے کرایہ چار ایک مکان سے لیا تھا۔ اس نے کراچی کی سٹراٹ ۱۱۱ کے ایک خط (موسمہ نواب علاء الدین احمد خاں) میں فرماتے ہیں کہ برسات کی شدت کے باعث مکان میں ٹھیکے سے مینہ بہہ رہا تو مالک مکان مرگے اور وہ۔

میاں میں بڑی سہیت میں رہیں، اہل مراد جی میں لگتی ہیں، پانچ روپے مالک کے پاس ہیں، تنہا پہرے میں دیگر صاحب غائب، ہستی میں آتے دہلی، اٹھتے سری، ان کا حال کل مروت سے بد ہے۔ میں مرگے سے نہیں ڈرتا، خدکھاں مات سے گھر گیا ہوں، جیت چھٹی ہو گئی ہے، وہ دھو گئے ہرے دھوت چائے گئے، ہستی ہے۔ مالک اگر چاہے کہ مرگے کر کے کرکوں کرکے، مینہ گئے اسے بگڑا۔ ہر آٹھ مرگے میں انہیں کس طرح رہیں، اگر تم سے ہر گے تو برسات تک بھائی (نواب علی الدین خاں) سے کہہ کر وہ عورتی میں رہیں، سہتے تھے، پہلی چھٹی کے پہلے کہہ کر انہیں میں سے وہ وہ خدکھاں مکان لڑیوں پر انہیں پیش خاں مرحوم خدکھاں تھا، یہ رہتے کہ وہ وہ برسات لگ رہے تھے، مرگے ہر چائی۔ پہر صاحب رنگ دنا صاحب، وہ یہیم دیگر صاحب، اس کا رنگ دنا لڑیوں میں خدکھاں، اس نے دیگر میں کہہ کر رہیں گے۔ خدکھاں والدین الدین احمد خاں، ان کی دیندہ مولا کے جہاں بھوپا وہ خدکھاں ہیں، ایک یہ سٹراٹ کا احاطہ میرے پاؤں میں کرکھوں۔

حکیم صاحب غائب ہو گا۔ الدین احمد خاں کے والد کی عمر نو سو تیس ہے۔



اور یہ مکان باوجود نئی قیامت میں سخت مل جانے کے بچھڑا کر یہ وہاں نہیں آرا م نہ تھا۔

**پھر مکان چلا** | تشریف <sup>۱۸۶۷</sup> میں پھر نئے مکان کی تجویز ہوئی۔ اور سانسے پانچ روپے کرایہ پر ایک مکان روک لیا گیا۔ ایک بیٹے کا کرایہ واکرو لیا گیا۔ لیکن رام پور کے دو سو سے سفر تک اس میں قفل نہیں ہونے تھے۔ حکیم غلام نجف خاں کو رام پور سے ۱۲ روز <sup>۱۸۶۷</sup> کے قفل میں لکھتے ہیں:-

مکان کے دو گئے کہ اوکس میں نکسوں۔ مشاب الدین خاں کو نکسا۔ بٹشا علی بیگ کو نکسا۔ اب ترکہ نکستہ ہوں تھو کے سانسے پانچ روپے دے آیا ہوں۔ گتہ ہر ذمہ دار سانسے سولہ روپے اگر دوں گا بلکہ سانسے کا تو یہ سرا یہ وہاں سے۔ بطریق ہندوئی بیچ دوں گا۔ اسماعیلی خاں صاحب کو میری دعا کہ وہ کونڈہ ڈھکی کی سیرٹی ہزوریں۔ اور علی کے پاسے فادہ کی صورت درست کرادیں۔ غالباً یہ دہری مکان ہے جس میں غالب کا انتقال ہوا۔

برسات کی تخفیف اس مکان میں بھی باقی رہی لکن <sup>۱۸۶۷</sup> کے ایک خط میں فشی ہر گوبال بھٹہ کو لکھتے ہیں:-

برسات کا حال نہیں ہی معلوم ہے۔ اور یہی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے۔ کہ یہ کی مرئی میں رہتا ہوں۔ جو فانی سے چند طریق ہوا۔ جس میں سیکڑوں مکان گتے اور مینڈ کی نئی صورت، دن میں دو چار بار بجے اور ہر بار اس آواز سے گندہ کی ٹکڑے پھیں۔ بلا فادہ کا ہر دالان میرے بیٹے لکھتے۔ اب بچے جگہ سے کھلے ہو گئے۔ گھر میں نہیں چلت پھرتے ہوئی نہیں ہیں۔

لے آؤ دے گئے ہیں اس لکھنؤ پر پانچ <sup>۱۸۶۷</sup> کے بجائے <sup>۱۸۶۷</sup> دس چار مین معلوم ہے کہ غالب صرف دو تھو رام پور گئے پہلی مرتبہ <sup>۱۸۶۷</sup> میں گئے اور پانچ <sup>۱۸۶۷</sup> میں واپس آئے۔ دوبارہ وہ اب علی خاں کی جگہ نشین کے جوش میں شرکت کے لکن <sup>۱۸۶۷</sup> میں گئے اور <sup>۱۸۶۷</sup> میں آئے منداں خلی بھڑاچا " <sup>۱۸۶۷</sup> میں نہیں بلکہ <sup>۱۸۶۷</sup> میں ہی لکھا تھا۔ دو گئے بھٹوں میں اس کی نقلیاں ہیں۔

لکھنؤ کو پہلی بار کی طرف کے گم کا مہاجان میں فرس تو مین موزہ ہو باتیں اٹھ سہ ہے اس سجدے ساتھ کا مکان جو ہندو <sup>۱۸۶۷</sup> اور فادہ کی سہمہ و عمارت کے اہل سامنے ہے۔ غالب کا مکان تھا لکن ہلا ہر اس کی جیت اب بدل گئی ہے۔

میں نے کہا کہ وہاں تو علم ہی تھا جس نے ان کو غلامی سے آزاد کیا تھا۔ اب وہاں کے لوگ جس کی طرف توجہ دیتے ہیں، وہاں ہی ان کی توجہ جاتی ہے۔

محکم انگریزوں نے کہا کہ یہ نہیں ہوایا، معلوم ہوتا ہے کہ کسی اچھا مکان نہ ملا لیکن خدایا اس باب میں  
 بھی بے غصہ نہیں اور وعدہ تھا کہ حکیم کو تمام غائب خاں سے غالباً ایک مکان تجویز کیا تھا۔ اس کے ضمن میں حکیم صاحب  
 کو کہتے ہیں :-

حضرت غزنی کی چادر ہے۔ ایک سلطان دکنشہ کے کی میر بادشاہ کا تھا۔ وہ کوئے دہ کو ٹھہرا کر غزنی کی طرف سے آیا ہے۔ اس کا چھتر گروہ سلطان لوں جو ایک تنگ بلی کے اندر ہے۔ وہ دروازہ کا ایک کونہ کو بنیہ چرخ کے ۱۷۰۰ سے ۱۸۰۰ چھتر گروہ میں پھل خود کلاکین گروہ کے ٹیبلٹ میں سلطان خدیوی کا ایک گہرا دھڑ ہے۔ کہیں بل بندھا ہوا ہے کہیں کوڑا ہوا ہے۔ عبادت گاہ خدا کے جانے ایسے سلطان ہیں۔



# چوتھا باب

## سفر کلکتہ

اگر یہ دل نہ خلد ہرچہ اڑتے گزرو

نہ ہے روانی عمر کے کدے سفر گزرو

سیاحت کے متعلق غالب کی اُردو اور فارسی تحریرات میں دو متضاد رائے ملتیں ہیں۔ فارسی کے ایک مکتوب میں اس کے بچپن کو لکھتے ہیں:-

جلاد وطن، دوزخ سفر، اقامت بہت صیبت است کہ ضیبت بیجا آفرید بہباد۔

اُردو کے ایک خط میں سیف الحق میراں داو خاں سیاح کو تحریر فرماتے ہیں:-

میں تم سے ترغیب لکھتا ہوں کہ میں طبع تم سے کھنڈ سے بناؤں، تم کے سفر کی سرگزشت بھی ہر

اسی طبع آئندہ بھی لکھتے رہے گی میں سیر و سیاحت کو بہت دوست رکھتا ہوں۔

اگر یہ دل نہ خلد ہرچہ اڑتے گزرو

نہ ہے روانی عمر کے کدے سفر گزرو

غیر سر سیر و سیاحت دوسری ذکر انیش نصف السیاح پر سیاحت کی میراں داو خاں سیاح کی سرگزشت

سیر و سفر پر تھی۔

ان دو ذیل مایوں میں یہیں تضاد نہیں صرف آنا جان لینا کافی ہے کہ پہلی دہائی کے حالات سفر میں غالب کی کمزوری دوسری دہائی کے حالات سفر میں مرقوم ہوئی۔ غالب سیر و سیاحت کو واقعی دوست رکھتے تھے لیکن نازک مزاجی کے باعث ان شاید کے تحمل اور ان کا کیف کی برداشت کے پہل نہ تھے۔ ہر لازمہ سفر میں اس لئے جب خود سفر میں تھے اور قدم قدم پر مختلف تعلیمیں پیش آ رہی تھیں یا دوران

لی ہے فکری اور فراغت ہاں میری تھی تو کچھ رشتے گذریتے کہ آلام خدا کرتے کسی کو خسیب دیوں،  
لیکن جب حالت حضرمی دیکھ کر غصے کے سفر کے دلچسپ اور دلکش حالات دیکھتے تو آندہ پیدا ہوتا  
کہ ایسے حالات مسلسل دھواڑتے جائیں تاکہ غصے اندر کی سلسلے میں انقطاع پیدا ہو۔

سفر کا تاریخ | غائبیہ سفر صرف ایک کیلئے ہے یعنی نکلنے کا سفر جس میں وہ کچھ کم ترین برس دہلی سے باہر  
رہے۔ یہ سفر خاندانی پیش کے سلسلے میں قانونی چارہ جوئی کے لئے اختیار کیا گیا تھا۔ اس کی تاریخ  
کے متعلق ایک عجیب غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے۔ جو خود غائب کی ایک تحریر سے پیدا ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں  
کہ سن ۱۸۸۳ء میں نکلنے گیا تھا۔ تمام سو رخ فکروں نے یہ تحقیق اس بیان کو دھتکے پر کر لیا اور انہیں سوچا کہ  
یہ بیان غائب کی بعض دوسری تحریرات سے مطابقت نہیں کھاتا۔ تاریخ کے متعلق غائب کا معمول  
استغاب تھا لیکن ان کے پیشل بیانات اس سہول بنا پر غلط فہمی ماننے جاسکتے تھے جو ان کی خاصی  
نشر میں جا بجا سوچ دیں۔ میرا خیال ہے کہ غائب کے کسی سو رخ فکروں نے ان کی تصانیف بالاحتمال نہیں  
پڑھی تھیں۔ یا ترتیب سو رخ کے وقت ان تصانیف سے پوری مدد نہیں لی تھی۔ خواجہ حالی مرحوم بھی  
اس دھرم سے متعلق نہیں ہیں۔

سن ۱۸۸۳ء سے بیان کی غلط فہمی | سن ۱۸۸۳ء سے اسے بیان کی غلط فہمی کے وجود ذیل میں واضح ہیں :-

(۱) غائب دہلی سے روانہ ہوئے تھے تو فرزند والد ذاب احمد بخش خاں مرحوم والی فیروز پور جھوڑکے نزد  
تھے۔ نکلنے کے راستے میں غائب کو ذاب صاحب کے انتقال کی خبر ملی تھی۔ وہ خود نکلنے سے میرزا  
علی بخش خاں جھوڑکے لکھتے ہیں :-

پیش ہونے خاں نام باسے کو تمام دانا گرفت در و خاں بہر شد و خداوند شکمہ ام پس دم از دست  
از جا مرگشتن بلکہ والد ذاب احمد بخش خاں، بہن فرود۔ یاد چکے میرزا بخش بیکٹ و دیگران بگفتند آقا  
کہ چرخ روشن ہیں و داناں شود۔

ذاب احمد بخش خاں سے تعلق معلوم ہے کہ ان کا انتقال لکھنؤ ۱۸۸۳ء مطابق تاریخ ۱۱/۱۲/۱۳۰۲ھ

طی آمد سے پہلے سفر دم (علا بنا) میں ہی صیبت اللہ خاں تو قید آبادی

(۲) غالب ٹھکرتے چاہتے ہوئے لکھنؤ میں ٹھہرے تھے ان کی مختلف تحریکات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں احمد الدولہ آقا سیر اور دودھ کے نائب اسطفت اور وزیر اعظم تھے۔ یہ معلوم ہے کہ سیر اور آقا سیر خاں علی الدین حیدر کی وفات تک جو ۱۹ اگست ۱۸۵۷ء مطابق ۲۷ ربیع الاول ۱۲۷۵ھ کو واقع ہوئی تھا مکمل ہے اس کے بعد نصیر الدین حیدر کا عہد شروع ہوا۔ چند ماہ کے اندر احمد دودھ خاں برطرف ہو گئے۔ اور ان کی جگہ اعتماد الدولہ نصیر علی نائب اسطفت بنے۔ غالب بہر حال اننگلہ کے اقتدار کے زمانے میں لکھنؤ سے گزر چکے تھے۔ ۱۰ دسمبر واقعہ ۱۸۵۷ء سے بعد انہیں مانا گیا۔

(۳) فاتحہ شکستہ پنج کو اپنا مقدمہ کنسل میں پیش کیا تھا تو کنسل کے ممبروں میں ایک شخص دیرینہ پڑی تھے جن کے حلقہ فاتحہ ایک کتہہ سبوں فرماتے ہیں کہ دیرینہ پڑی سیاحت کے لئے ہر ماہ چلے گئے تھے مقدمہ کنسل میں پیش کرنے کے بعد فاتحہ کہ دو برس شکستہ میں رہے اور دیرینہ پڑی شکستہ میں پیش لے کر تمام کاروبار سے سبک دوش ہو چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ فاتحہ دیرینہ پڑی کے چھوٹے بیٹے سے کہ مذکورہ دو برس قبل ضرور شکستہ پہنچ گئے ہوں گے۔

(۳) غائب کا مقدمہ ٹرائل میں پیش ہوا تھا تو اس وقت حکومت ہند کے چیف سیکرٹری مسٹر اینڈریو ہنٹر تھے۔ وہ غائب کے خاص جہاد رہن گئے تھے ان کی وجہ میں غائب کے بچپن شعر کا ایک قصیدہ کہ تھا جو ان کے نامی تعلیمات نظم میں موجود ہے۔ مسٹر ہنٹر نے ۳۱ مئی ۱۸۵۸ء کو وفات پائی غائب نے ان کی وفات پر جو خط لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں :-

جدید شاطر سی بیچ سالانہ دنیا  
جدید منبت و سونہر مٹی بیچ

[illegible]



بنوہرہٹ منڈی زعفران سے جو کہ بہت ہی جلدیاب میں لگے ہیں  
غالب سزا سنہ ۱۲۰۵ء میں شہر کی وفات کے وقت گلکٹ سے دہلی واپس آچکے تھے۔ زندان میں  
گلکٹ کی آنچ اس واقعہ سے کم و بیش تین برس قبل بنی چاہئے۔

(۵) خواجہ غلام غوث خاں خجیری کے نام کے ایک خط سے استفادہ ہوتا ہے کہ وہ سنہ ۱۲۰۵ء میں گلکٹ سے  
واپس آئے۔ فرماتے ہیں:-

محنت و مہر جو لی زبان کا درخت ۱۲۰۵ء میں ضیافت طبع ادا کیا، وہ سب گلکٹ سے انڈان لا یا ہوا

میں ہیں یہ ہے

تم کہتے تھے بات میں نہیں گے سکتے نہیں

قبول نہ دات جس میں تم سے کہہ سکتے نہیں،

یہ ہر حال یہ ظاہر ہے کہ سنہ ۱۲۰۳ء میں گلکٹ جانے کا بیان کسی حالت میں بھی قابل تسلیم نہیں ہو سکتا  
خیال ہے کہ یہ طباعت کی غلطی کا نتیجہ ہے اگر طباعت کی غلطی نہیں ہے تو ماننا چاہئے کہ غالب کو سہو ہوا  
اور جو مکر یہ خود سزا گلکٹ سے کم و بیش چالیس برس بعد لکھا گیا تھا اس لئے تاریخ کے باب میں سہو تصور نہ تھا  
دل سے دعا کی | اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ غالب کب دہلی سے روانہ ہوئے؟ اور جو کچھ عرض کیا چکا  
اس سے ظاہر ہے کہ وہ اکتوبر ۱۲۰۳ء سے چند ماہ قبل دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔ ایک فارسی مکتوب  
میں وہ فرماتے ہیں کہ ۲۹ ذی قعدہ کو لکھنؤ سے پہل کہ ۲۵ ذی قعدہ کو کانپور پہنچا۔ اس میں سال ۱۲۰۳ء نہیں  
لیکن اس کا فیصلہ شکل نہیں غالب احمد بخش خاں کی وفات۔ بیچ الاول سنہ ۱۲۰۳ء میں ہوئی اور اس وقت  
غالب گلکٹ سے قریب پہنچے ہوئے تھے۔ اس لئے ماننا چاہئے کہ وہ ذی قعدہ ۱۲۰۳ء میں لکھنؤ میں تھے  
اس لئے میں غازی الدین حیدر پادشاہ اور وہ تھے جیگر خدیو ایک غلطی ہے کہ وہ سنہ ۱۲۰۳ء کی حیدر ٹوال کے بعد دہلی سے  
روانہ ہوئے ہوں۔

غازی خاں کا بیان | غازی خاں کی فرمائے ہیں کہ غالب گلکٹ جانے ہوئے لکھنؤ پہنچے تھے تو نصیر الدین حیدر خان

نے کلمات غازی اسفر ۱۳۱۰ء ۱۳۱۱ء کلمات غازی خدیو ۱۳۱۰ء ۱۳۱۱ء







غالب کے ایک غیر مطبوعہ فارسی خط کا عکس



موصوفیہ دوا و صفا و عطا و عطا و عطا

پیش ازین مرض اشتیاء و بواسطہ وقوع طوفان و بیدار شدن  
در ملک مشرق افواج نظر افروز گزشتہ شب درین زمانہ یک روز

کتابہ سر فتنہ اثر حادثہ و بی کفایت و نواحیہ کافر چلی  
آوردہ شد و معہذا باب چهارم در ختم کتاب است و تہا

از سر سخن سنجید این دو بار هم در دو چون بنیاد این سخن شد  
جامعیت پسند آمد یک سخن از شیخ مطبوعہ و مشتی بر سر حدیث

از مطبوعہ خرمیا بہ در ملک میفرستم و چشم قبول این خبر خرمیا  
اطلاع رسید این جمیع جواب نامہ پیشین امید دارم و اسامی

استاد کی کتبہ ۲۴ در گنج مشرق مطابق و در تہذیب مروج

یہ خط مولوی سید عیسیٰ صاحب خرمیا صاحب خطاطی  
کے نام بھیجا گیا تھا۔ اور اس میں سید خرمیہ کی آثار الصنادیق  
کی تہذیب کا ذکر ہے۔ غالب کے انداز تحریر کا یہ نہایت عمدہ نمونہ ہے



خط مولوی سید عیسیٰ صاحب خرمیا  
۵۵۵











چو جز بنا زوئے میاں کو نیم      حسام الدین حنیفان کو نیم  
چو سوز و قہا کے جاٹ ازم      امین الدین احمد غاٹ ازم  
گرفتہ کر جہاں کو یاد رستم      مریدان مہاراجا رستم  
گمراہ فراق پرستانِ خست      غم نہ مہر علی ماس خست  
جہاں آباد گر نہ دالم نیست      جہاں آباد اوجا گم نیست

ان تہجدات کے بعد بندس کا ذکر فرماتے ہیں :-

تعالیٰ اللہ بنادس چشم بندہ      بہشت خرم و فردوس صوم  
بنادس کسے گھٹا کہ چین است      ہنواؤ گنگا پیش جبین است  
ہوش پرکاری طرز و دوش      زعفرانی صد ہر دوش

بندس کے مطلق بندہ وہی کے عقیدے کی تسبیح کرتے ہوئے کہتے ہیں :-

تناسخ مشربانچوں کشاید      کیش خوش کاشی رات  
کہہ کر کاندراں گلشن بیہوش      دگر سوز جسمانی انگیرد  
چمن سر پایا میہ گود      ہر دین زندہ ہاویہ گود

لیکن غالب کی دلچسپی مرکوز ہے بندس کا حسن تھا و حسن جسے شیخ علی خاں گکلو باتھا :-

از بندس دروحم عید عام است اینجا

ہر زمین کچھ نہیں ورام است اینجا

اس ضمن کے کثرت و جوش کو غالب کی بنائے سخن میں ملاحظہ فرمائیے :-

میں نے سنا ہے کہ دیندار ملک حسام الدین عید تھاں ہمارا مہر جگہ ۔ تو ساری میں سے تھے بیکہا ، ہے لاکھوں کے بے  
دے تھے لیکن یہاں وہی چھ آتے ، دہلی ، دہلی میں دیشیت کے مالہ تھے ۔ ٹاٹا ہوتے تھے میں غلام سے اتنا مال ہوا  
شاہ میں تھے ۔ تاہم انکس تھا ۔ لاکھ تھے ان کے دوران کا دیا چہاں میں لکھا ہے جو کھیا تشریں موجود ہے ۔

تک خراب زمین الدین احمد غاٹ دلی کو بارہ ۔



سکے کاشی بہ اندھاوا شاد  
تبسم کرہ و گفتا میں ملامت  
کو تھانیت صلاح را گوارا  
کو لہ ہم دین دیں رنگیں بنارا  
آخر میں اپنی درد انگیز حالت نہایت موثر و دل نشین انداز میں بیان کرتے ہیں :-

اگر اے غالب بکدار و قتادہ  
نر چشمہ یار و اختیار و قتادہ  
چو بے عمل نہیں زمین ہو گئے  
ہا کتاوی زمین ترقین ہو گئے  
درد اگر کف طریق معرفت را  
سرت گرم ہو مگر دیش شمعیت  
فرو مائلان بہ کاشی نہ رسائی  
خدا را میں چہ کافر با جلالی  
بہ کاشی نکلے از کاشا تہ یادگار  
دریں حقیقت انداں دیار و یادگار  
دیندار و وطن ہا ماندہ چند  
بجزان دیدہ و ندیدہ ماندہ چند  
ہوس را پاسے درد انگیزست  
بہ امید تو چشمہ ز نور شمعیت  
بہ شہر کسی صحرانشیناں  
بروئے آتش لال جاگوں لال  
مگر کماں قوم ہا دم تو زیدہ  
نر سیلاب بہ آتش آہریدہ  
ہمدرد خاک و خون انگندہ تو  
چشمہ اندون دل آنفشاں  
ہر دم غرض موی بے نیاباں  
سورہ سرا یہ غارت کردہ تو  
نقو نا لاں وکے و پردہ تو  
اور امانت تنافل خوشنماہ  
بیونغ شاں جو کئے عمل محبت

غالب کے ہاں وہ خیال کی کیفیت اور اس کیفیت کے لئے غالب کی ذمہ داری اس سے بہت برکبا  
بیان کر سکتی ہے۔ اپنے پیش نظر کام کی نسبت لکھتے ہیں :-

تھلے میں جیو کا بہت دہش  
بیابا و بکسا بہت دہش

.....

ترازا اندوہ بہنوں جو دیارید  
غراب کو وہ ہا سوں جو دیارید

تو آسانی پہ تاراج چلا دے      چوئی بیخ خود را دوقلاوہ  
شہر آسا فنا آنا دہ شہسینر      بجنشاں داسن آنا دہ برفینر

اس واقعہ سے تحقیق یہیں ہمدیاں دوقلاں تیلج کے ایک کنوئیکے جواب میں جو تیلج نے بندس سے لکھا تھا فرماتے ہیں :-

بھائی بندس خوب غصہ ہے اور کچھ کہہ رہا ہے ایک ٹٹوی میں سے اس کی ترمیم میں بھی ہے اور  
تھیلج درپاس کا نام رکھا ہے ۔ وہ فلاسی ایران میں موجود اس کو دیکھتا ۔

خاندان بندس کے کوئی صاحب اشرف حسین خاں تھے جن کا ذکر تیلج سناچے غلام میں کیا تھا ۔  
غائب لکھتے ہیں :-

اشرف حسین خاں صاحب میرے دوست تھے فقیر و فساد (خدا) کے نام سے پہلے ان کا خط  
اور کچان کا کھاجیر ہے اس آج سے قرآن کو بڑا سلام کہتا ۔

بندس سے دیگی آبناس سے روٹگی ہفتے کے دن مل میں آئی ۔ چاند کی نوں یاد سوس تابیخ حق مہوینہ علوم  
نہیں ہو سکنا غائب لکھتے ہیں :-

امروز کہ آوینہ بول جیسے نرم دہانہ مار گرو ہے وہم بہت وہ نہا بچین غت مسفر .... خود، چہرہ  
دیندس کے پلیم

علوم ہوتا ہے کہ غائب کو کشتی کی سواری میں بہت آرام ملا تھا لہذا ان کی آمد و رفتی کو نگلے تک  
کشتی ہی میں جانیں لیگیں کشتی واسے کرایہ بہت دیا وہ مانگتے تھے ۔ اس لئے مجبوراً غائب خٹکی کے راستے  
گھوڑے پر بٹہ پہنچے ۔ وہ لکھتے ہیں :-

نفاذ ان تاخیر اس واسطے کہ کشتی مضافہ کر دے ۔ ہر کہ خود ہم تا کھٹکے کم نصہہ پیر دہلیسہ تا شہر نوں  
دوست ۔ وہ بہت راست ۔ نہا ۔ جہاں سب سوار تاجاں بقید خود غا ہم کیو ۔

لیکن ان کا خیال تھا کہ پٹنہ پہنچ کر کچھ کشتی کا بندہ دست کریں وہ فرماتے ہیں :-  
ہم نہا ہر کشتی اندر سرد رفتہ دہشتہ پیر صفر ورم کہ ۔

حکمت پنپنے کی پہچان | ہنر تک کی سزائیں۔ وہاں کے قیام اور عبادتوں کی حکمت تک کے مقامات کی نسبت کوئی  
سزا نہیں مل سکا صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ

گاہے از شدت بددیالی، اسودہ و زرد و گاہے از سختی گردش، باہم تہمتہ سپیدہ و گاہے از دستہ چہارم  
شعبان (۱۲۳۴ھ) وہ حکمت رسید۔

تبر دیالی سے ظاہر ہے کہ بنارس سے حکمت تک کا سفر و مہجر احمدی اور فردی میں طے ہوا یعنی  
غائبانہ مکنت سے محل کر جہاں سے وہ میرے اگلاڑے کے مطابق ماہ جولائی میں روانہ ہو چکے تھے۔  
پانچواں، لڑکا داد اور بنارس میں زیادہ وقت گزرا۔ وہ جون ۱۸۳۶ء میں دہلی سے نکلے تھے اور اواخر جولائی  
۱۸۳۶ء میں حکمت پنپنے کو باسٹھویں کم دہلی میں آئے تھے۔

قیام حکمت | حکمت میں غائبانہ شملہ بازار میں مکان کو لے کر آیا تھا وہ ملی بخش خاں رنجور کو لکھتے ہیں :-  
فردو آمدن جانے سن کا شام بہت در شملہ بازار گزراں را بعد از دو وہاں چکامہ دووے حکمت پنپنے کو  
روئے مجمل کو اپنا پتہ اس طور پر لکھتے ہیں :-

وہ حکمت قریب چیت پانارہ در شملہ بازار ایک کتاب دہلی میرزا علی سوداگر بہ اسد شاہ رسید۔  
مکان شراکتشادہ اور آرام دہ تھا۔ اور اس کا کرایہ صرف دس روپے ماہانہ تھا مولوی محمد علی خاں  
صدر امین پانچواں کو لکھتے ہیں :-

قریب بازار میلے دہلی کے سنت دانا نام کہہ چکے ہیں۔ بازار نماہم چنانکہ پانچوہر گنا ساہیل ماہ کار تہ۔  
ہم اور بہ اندازہ قرائع خاطر قضائے دہم اندو سے اندوہن ذیالطہان بیت منگلے۔ ورنہ کوٹھن  
پیدا آب شہریا چاہے۔ و ہر طرف ہمسودہ ذیالحم آرا ملک ہے بے آکر جسوتے شہر یا حکمت کے دوہے جسوتے  
وہے سنت کہ گویا وہ دوہے پانچوہر ہمسودہ۔

حکمت کی تعریف | شہر حکمت اور جنگال کی آب و ہوا غائب کو بہت پسند آئی تھی فرماتے ہیں :-

شکرانی آثار رحمت اعلیٰ بہت کر آب و ہوا کے حکمت باہم نیک و صاف تہیں ابجد اسودہ گانا نام



گفتنش چوں بود جسم آلود  
گفت دیکس ترا ز خضائے مجن  
گفتش بسبیل غش باشد  
گفت خوشتر باشد از سوسن  
حال ککلتہ باز جسم گفت  
باید جسم شمش گفتن  
گفتنم آدم جسم رسد درو سے  
گفت اندر دیار و اندر سخن

اس کے بعد انگریزوں کی طرز و روش کو ان فنون میں بیان فرماتے ہیں :-

گفتنم این چا چنل سو درو؟  
گفت اندر کہست ترسیان  
گفتنم این چا چس کار بیکرو؟  
گفت قطع نظر شمش و سخن  
گفتنم این ماہ پیکر این چس اندر؟  
گفت خوابان کشور و سخن

غائب جس قصد کے لئے ککلتہ گئے تھے وہ پورا نہ ہوا یا اس کے عالم میں خوابان کشور

لندن کے متعلق مزید فرماتے ہیں :-

گفتنم ایناں گمرو سے وادند  
گفت وادند یک اذا آہن  
گفتنم ادبیر واد آمد ام  
گفت بگریو سر وادنگن

ککلتہ کی تعریف میں غائب نے اردو میں بھی چند شعرا کہے ہیں :-

ککلتہ کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں  
اک تیر میرے سینے میں ماہکٹنے لے  
وہ سبز زار ہائے مطرا کہ ہے غضب  
وہ نازیں تہاں طرد آرا کہ لے لے  
صبر و زامہ ان کی نگاہیں کہ ہفت نظر  
طاقت ربا و دہان کا لٹا لگا کہ لے لے  
وہ میوہ اسے سمازہ و شیریں کدوا و  
وہ بادہ اسے ناب گوارا کہ لے لے

نارسی کی ایک غزل کے مطلع میں فرماتے ہیں :-

غائب رسدہ ایم بککلتہ و بے

از سینہ و لہجہ دوری اجا شب تہیم

نارسی کے بعد دوست | اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ غائب کے سفر ککلتہ کا مذکور نہیں کا تفسیر تھا۔ لہذا ککلتہ میں



وہ زیادہ تر اسی فرض کے لئے حکام یا دوسرے دوستوں سے ملتے رہے۔ ہم ان تمام شامل کو ملنے  
باب میں بیان کریں گے جن صاحب کے کلکتہ میں فیشن کے سلسلے میں غالب کی سبک جلد کرامت  
کی ان میں سے نواب اکبر علی خاں طباطبائی مستولی امام باڑہ ہو گئی۔ مولوی سرساج الدین احمد خاں ہندو  
مولوی فخرن خاں صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ نواب بکٹیال کے نام مولوی محمد علی خاں صدو  
دین باگتھہ دینی خط و یا تھا۔ غالب فرماتے ہیں کہ کلکتہ پہنچ کر دو روز آرام کرنے کے بعد بروہی بند ہو گیا  
اور نواب صاحب کے ملا، ان کے تپاک، محبت، اہم دوی اور جن اخلاق سے غالب بہت متاثر  
ہوئے فرماتے ہیں:-

اگر گویم کہ راز بہت محبوب احمد بہت دانگ گویم کہ مراد یہی شک آدمی نہ پڑا ہوا، بھلا کئے کو خود  
تفریح و خود بہ گویہ کہ وہ یہ اگر غنائی و صاحب دلی روزگار دیکھتے غور نہ ہو۔

نواب صاحب کے ملاقات کے بعد ان کے ساتھ محبت و دو دو کا حکم و حکم رشتہ پیدا ہو گیا۔ جس  
زمانے میں غالب کلکتہ گئے ہیں نواب صاحب بھاپر سے خود امام باڑہ کے وقف کے عملی مشق  
میں اُبھے ہوئے تھے۔ غالب لکھتے ہیں:-

آرام کر دے، روزانہ نواب، ان حکام ہر گ بندہ و خصوصیتیں کہ وقت امام باڑہ است سنا  
بلکہ ہمارے پیشی عدول سرگرم نگر فیشن بہت شدت خاں سے

ہمراہی صورت و نیا دوسم

ہوں بہ شہرت کہ کہہ کہ سلطان ختم

مولوی سرساج الدین احمد خاں کے ساتھ غالب کا رابطہ مودت و اخوت بہت گہرا تھا۔ خاں  
مکاتیب میں ان کے نام متعدد خط میں مولوی صاحب غالباً کلکتہ کے رہنے والے تھے۔ بلکہ ان  
کا روبرو کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے جس زمانے میں غالب نے ”دستنبذ“ چھپوانی ہے۔ مولوی صاحب  
کلکتہ آ گئے تھے۔ غالب ”دستنبذ“ کا ایک نسخہ مولوی صاحب مرصوف کو بھیجے کی ہدایت دیتے ہوئے  
ان کا پتہ مشنی شیراز میں کو یوں لکھتے ہیں:-

درمختصر، اعلیٰ خانہ اہلسننل تکسٹ پبلشرز، شاد چٹکات، مولوی عبدالمکرم روم کلاؤت مولوی

سراج الدین احمد جسد۔

مولوی صاحب کے ساتھ جو گہر تعلق تھا، اس کی کیفیت خود غالب کی زبان سے سنئے:

خواجہ غلام فرحت خاں جیگر کو لکھتے ہیں:-

ستر ہزار آدمی غفر سے گزرے ہوں جسے نہ مرزا اس میں سے دھرم کا شاد نہیں دو شخص

سادق الاولاد کیجیے، ایک مولوی سراج الدین خاں مشعلیہ وہ سرافش غلام فرحت خاں سلاوٹہ خاں

لیکن وہ مردم میں سموت نہیں لکھتا تھا اور غلام غلام اس کا خاص میرے ساتھ تھا۔

اولیٰ جنگسرا سفر کلکتہ کی صرف ایک طرف ہی چیز باقی رہ گئی ہے یعنی وہ ادبی جنگسرا جس کے نتیجے میں غالب کو شادی باوجود خائف نکلتی پڑی۔

غالب کو فارسی زبان سے بھی مناسبت تھی، ان کا مذاق نہایت اعلیٰ درجے کا تھا۔

اور علامہ احمد کی دو سالہ تربیت نے ان کے ہر نادر و جہر کو نکال دیا اور وہ دیہتی بھنگوان شباب ہی

میں انہوں نے جو کچھ لکھا تھا وہ فارسی زبان کے بہترین اور مشہور ترین استاد کے کلام کے ہم پتا

تھا، اس لئے وہ ہندوستان کے ان فارسی گو شعرا کو خاطر میں نہ لاتے تھے جن کی زبان ماسلوب

بیان اور کلام فاضل ہر چیز فرمایا تھی، اس زمانے میں قنبر اور واقف کا بہت شہرہ تھا، غالب کے

نزدیک قنبر اور واقف بے حقیقت تھے جب غالب کلکتہ پہنچے تو اس زمانے میں ہر گھر بڑی

کے پہلے، تو اگر وہ کلکتہ میں مشاعرہ ہوتا تھا جس میں فارسی اور اردو زبان کے شعرا شریک ہوتے

تھے، غالب کے اعزاز میں ایک خاص مشاعرہ منعقد کیا گیا، اس زمانے میں شمرزادہ کا مران دلی

ہرات کی طرف سے ایک سفارت کلکتہ آئی جو قنبر میں جس کے رئیس کفایت خاں نامی ایک خوش

ذوق اہل علم تھے۔ وہ بھی مشاعرے میں شریک تھے، شعراء کلکتہ نے اپنی غزلیں پڑھیں، کفایت

ان کے پوچ کلام پر زبردست ہر فرماتے رہے لیکن جب غالب نے قول پڑھی تو خان مدوح نے

دل گول کر دیا۔ اس پر عام شعرا میں غالب کے خلاف حسد کی آگ بھڑک اٹھی، اور جیسے کہ

پہچ گ، خود پایہ اور تنگ نظر شرکا و ستور ہے وہ غائب کے کلام میں عیب تلاش کرنے لگے۔ غائب نے  
اس مشاعرے میں اپنی مشہور غزل "تجلیاں بنخیزو" تہاں بنخیزو" کو دہرائی جس کے چند شعرا میں سے

بچہ گیسو دیار ہو عشق و گر      رسم سید و سہا و از جہاں بنخیزو  
نور ادا و قلب و دوزخ جاوید میں      خوش بہار است نیم غزل بنخیزو  
عزرا چنچ بگر و در جگر سوختہ      چوں کن دود آتش آتش آتش بنخیزو  
گرد ہم شمع ستمائے غریب غائب      رسم سید و سہا و از جہاں بنخیزو

اسی غزل کا ایک شعر یہ ہے۔

جزوے از عالم و از ہم عالم می شرم      ہم چو سوسے کتبیاں را دریاں بنخیز  
اس پر ہی مشاعرے میں یاد و سر مشاعرے میں یہ شعر بھی کیا گیا تھا کہ ہم عالم کی ترکیب سست نہیں بنی  
کیا گیا کہ سوسے از دریاں بنخیز تو فیہ صبح ہے بعض اور اعتراضات بھی کئے گئے تو اب گہری غاں اور  
مولوی محمد حسن غاں صاحب نے ان اعتراضات کے جواب دیجئے۔ کفایت غاں نے ہم عالم کی سند  
میں اساتذہ کے متعدد اشعار پیش کئے مثلاً۔

گر کن آلودہ ہستم چو عیب،  
ہم عالم گو کہ صحت اوست

(معاذ)

اور

جہاں ہستم از ان کہ جہاں حق اوست  
ما ہستم تیرہم عالم کہ تیرہم عالم اوست

(صدیقی)

حکایت کے شعر کا سرا یہ ناز و افکار اور دستاویز سند و دلیل قیاس کا کلام تھا خواہ جہاں فرماتے  
ہیں کہ غائب نے قیاس کا نام سن کر ناک بھوں چڑھائی اور کہا کہ میں فریاد باد کے کھتری نیچے کے قول کو  
نہیں مانتا۔ اس پر حکایت کے شعر "و بھی بگڑ گئے تھیلید صیب جہو کی انتہا پر پہنچ جاتے تو مذہب یا سب

لے صورت اشعار میں خود، مثلاً قیاس فریاد باد کے کھتری تھے ہندوؤں سلمان چمکے، نہ کہ تھیلید صیب جہو کی انتہا پر پہنچ جاتے تو مذہب یا سب

یسا شہرت یا دو کچے بھندین بن اور مجھ دین طریق و راہ کو جن الحقائق و عاجلانہ فتنوں سے سابقہ پڑتا ہے وہ سب غائب کچے گرد و پیش کھڑی ہو گئیں وہ کسی ادنیٰ جھگڑا و دلیلی جہاد کے لئے ٹھکرتے نہیں گئے تھے۔ بلکہ اپنی فتن کے متعلق چاہہ جوئی کے لئے انہوں نے اس لیے سفر کی زحمت برداشت کی تھی جب ان کے خلاف شہر نے جھگڑا کیا تو وہ بہت جھجھکے اور انہوں نے اس کا کبریٰ خاں دہلوی کو بھیجنے کے واسطے کی فرمائش چھندت میں بادِ مخالفت کے نام سے ایک شٹوی لکھی جس میں اپنی مصیبتوں کی حال بیان کیا اپنی آمد کی غرض غایت بتائی۔ ہتھیروں کے جوڑے اور غازی زبان میں پتھر لٹک مشب کی تحفائی سے بھر دیا۔ اس جھگڑا کو غائب کی ادنیٰ دلیلی و فتنہ کی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔

وہ شہر ہی سے قتل، واقف اور اس قہاش کے دیکھ کر شہر کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن ٹھکرتے میں اس راستے کے لکھارہ پر جو سرگرم فضاںات گرم ہوا۔ اس نے غائب کے جذبہ مخالفت میں بہت تیزی تیزی اور مٹی پیدا کوئی یہی جذبہ مخالفت انجام کا ترخا طبع برٹان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ جو غائب کی طرف سے خارجی و دنان ہند کے درجہ امتداد و اتحاد کے خلاف ایک بڑا جہاد تھا۔ غائب کے کلام نظم و نثر میں جا بجا قتل، واقف، عبد الوہاب، غیاث الدین رام پوری اور اس قہاش کے دوسرے فردا کلان ذوق و ادب کے خلاف جو تحقیر آمیز کلمات ملتے ہیں ان سب کی تیزی اور تندی کا سرچشمہ یہی ٹھکرتے اور غائب تھا۔

شٹوی اور مخالفت | شٹوی بادِ مخالفت میں پہلے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں قتل و زعم اور فریاد سے لئے اس شہر میں ہوں۔ مجھے چند روز یہاں آرام سے گزارنے دو، مہمان فوری کا حق ادا کرو اور اپنی مصیبتوں کی اور سنگین لکھتے ہیں ۷

چہ بلا کا کشیدہ ام آخر	کہ بڑی جا رسیدہ ام آخر
چہ روز غم و غم نہیں سید	تیرہ شہانے زخم و غم نہیں سید
اندوہ دوری وطن غمیر	غم و حیران بخین غمیر
دہیں نالہ و فغاں چہ ہم	میں جاں آفریں کہ جاں ہم

میری چوں سو گزودہ است مرا غصہ بدخوئے کو دہ است مرا

پھر کہتے ہیں کہ کیا گفت کا آغاز میری طرف سے نہیں ہوا بلکہ خود مجھ پر بلا وجہ نا درست اعتراض کئے گئے ہ

ہم عالم غلط گرفت نہ تھا پارہ تیریں غلط گرفت نہ تھا

کہنے ماہر گز گرفت غلط؟ شعرا سرسبز گرفت غلط؟

اور جب اعتراضات کا جواب ملنے پر ثابت ہو چکا کہ میں نے جو کچھ لکھا تھا وہ بال درست تھا۔ تو کیا وجہ ہے کہ آپ حضرات نے میری تائید نہ کی۔ اور میری شہرت پر جو دغ خیالین نے لگا دیے تھے نہیں دھوڑا لئے کی طرف توجہ نہ فرمائی؟ آپ کی اس حق نادہی سے میری گفتگو کا انداز جملہ مستند ہو گیا لیکن جیسے معلوم ہو کہ قہر رواں بہاب اس پر نا دراض ہو گئے ہیں تو مجھے بڑی شبہانی ملاحق ہوئی کاش میں چپ رہتا ہ

نایب دم نہ شاہرہ سیستیم بود شاستہ مرزا سلیم

کاش با اعتراض سلیمتے نادر دزد پر لب گرداختے

ناکلا نہم ضلالتے یاماں بڑے رنگے اور چشم بہاؤں

خاریدان و ستاں بولن خوشتر از بلیغ و بدستاقی ہن

بعد ازاں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں ادبی بحث سے نہیں فہم صرف یہ خوف ہے کہ میرے جاننے کے بعد لوگ کہیں گے کہ دہلی سے ایک سفید آبا تھا دہلی جنگوں کے ساتھ سحر کر ستر گرم کر کے چلتا بنا ہاں ملے یہ سحر دہلی کی غرت و آبرو، بلند نامی اور اعلیٰ تربیت کا خون ناخن میری گردن پر ڈالا جائے گا ہ

نڈا و جوش ہلال ترسم سن دیباں بن گزناں شرم

کہ پڑن سن ہر اس کا سواراز بیڈباں ماند ہیں حکایت

کاشیے رسیدہ ہو ویاں جا چند روز آ رسیدہ ہو ویاں جا

باز گاہ سبز خوش فیت      زمختے داوود را خوش فیت  
 ہم فیما بین گنگوٹے دشت      ہم غزواتیاد ہوئے دشت  
 برگ و نیاد ساز خوش فیت      تنگ بلی و سر و پیش فیت  
 آہ ناس دم کہ بعد خوش فیت      خون دہلی بود بگون فیت  
 کلکتہ دے اس بات پر بہت      جسے کہ غائبے تفتیل کی شائش کیوں دکی غائب  
 فرماتے ہیں ۷

دیکھو خوش گاہ جنم من      ہزار ہا قتاد بہت من  
 کنگوٹے بلی بگو فیت      گمب خزان فیت فیت  
 زلہ ہوا کس پر فیت      من ہا بگو کس چاہ فیت  
 پھر کہتے ہیں کہ نہیں نے تفتیل کی صحبت سے فیض حاصل کیا نہ اس کی شہرت پر شائش  
 نہیں اسے بڑا کتا ہوں۔ اور جو کچھ کتا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں کتا۔ غار سی دان جانتے ہیں  
 کہ تفتیل اہل زبان نہ تھا۔ وہ شائستہ اعتماد نہیں اور اس کے کلام کو استناد کا درجہ نہیں دیا جاسکتا  
 اس لئے کہ غار سی اہل ایران کی زبان سے۔ اور سندو ہی مقبول ہوگی جو اہل زبان کے کلام سے  
 مستفاد ہوگی، اگر وہ دوستوں کو بھرا پیچکود۔ ہے کہ میں تفتیل کی پیروی کیوں نہیں کرتا تو خدا مجھے بتاؤ  
 کہ میں خزیں، آسیر، طائب، عرفی، نظیری اور غار سی کو چھوڑ کر تفتیل کے پیچھے چلنا کیوں کر گوارا کروں  
 آنکھ ٹٹے کر وہ ایں مراقف را  
 چہ شناسد تفتیل و مراقف را

آخر میں تفتیل کی حق منگی سے جو حقیقتہً جو بیچ ہے فرماتے ہیں ۷

۷ شوم خوش را بیچ دہل      ۷ سر و پیش فیت فیت  
 گرچہ ایرانش نو بہ فیت      سدی نامیش نو بہ فیت  
 دیکش من ہزار بہ فیت      از من جہد من ہزار بہ فیت

نظمش آب حیات مانده      وند وانی خیزات مانده  
شرافش بال غاوت است      آفتاب سراج قاموس است

عابد غلامدین اور حقیقت ناشناس بہرہ مند توں اور مصالحت کو شیوں سے غی بات کو قبول کرے پر کبھی آمادہ نہیں ہوئے اور غالب کی تو عذر خواہی بھی باوجود دعائے مصالحت اپنے اندر سینکڑوں تیز زشتہ کھیتی تھی۔ لہذا اس سے کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا تھا۔ غالب جب تک نکلنے میں رہے یہ معرکہ جاری رہا۔

اُردو صحافیوں میں غالبؔ نے میرؔ کی تحقیر کے مطابق صرف دو جگہں ہنگامہ زدگار کی ہیں۔ ایک غلام حسن و اور دوسری کو کہتے ہیں کہ باج نذر، کچھ میں اُردو افسانے لکھے تھے۔ دوسرے غلام حسن کو کہتے ہیں کہ فقیرؔ پریشاد، حضرت مات را ہے۔ لیکن اکثر یہاں ہمارے کہہ دو ہمدانی کے معترض صاحب ملاحظہ! ہے منت و ترکیب معترض فقیرؔ کی منہ کے ہشام جعفرؔ نے اس غلام حسن کو بیچ کئے ہیں افسانہ نگاروں میں معترض پریشاد، افسانہ نگار صاحب مشرق

ہرگز نہ کہہ دوں کہ تم نے جو کچھ

خشت بر، مہلت، عرض ہو، ہے نشا، عرض یہ کہ عالم فناء ہے۔ اس کا بقدر کے ساتھ جنتاً  
فیض معنی ہے بقضاء اس نامعلوم شاہنشاہ کا مرسل وافی کا سہیگر غنیمت میں، یا تھا بکفایت لگا  
اس کا نام تھا اس ملک یہ تھیں چنچا اس نے، ساقدار کے اشارہ پاں سات میرے پیسے جن تیرے کمال  
تھیں وہ تو تھیں چنچا مرقوم تھا، عدد و شمار تھیں بران میں مندرج ہیں۔

میں یہی کہہ رہی تھی۔ اگلے دن سے واپسی کی تاریخ کا تعین پھر ایک سہ ماہی کے طور پر کیا جا چکا ہے کہ ششماہی کے ہر شرننگ خاندان کے خاص ہمدرد تھے جن کا انتقال ۳۳ مئی ۱۸۳۱ء کو ہوا۔ ان کے انتقال کے پندرہ سال بعد وہی آئیے تھے۔ اس مقدمہ کے بعد اب خاندان کے اپنے بیان پر نظر ڈالئے۔ ایک فارسی مکتوب میں لکھتے ہیں :-

ملک نامہ تاریخ و جغرافیہ

جب شہنشاہ دوم جہادی اٹھائی بیٹھی سب آدمی دنگ و بنگی ہوتے ہوں گے کہیں نادم بہ غزواری جاں  
 پر دی گئی ہوئے ماکہ میں سفر ہے۔ دشمن اس کف پائے آگاہی گشتہ کہ وطن ما بہ مذاق من آشتہ  
 شہر سب تلخ مزاج ہویت سائنہ رسیدن بہ دہلی غافلانہ و جزائی نکلتے خاکو تا بہ شاہی چہرہ ہر کہ  
 اہل غم و اندوہ ہرگز خدا کے ہر منزل رسیدہ ہو وطن آرزیدہ ہویت بلکہ ہندو کہ وہ سند بہت  
 اذ و ملن دور رفتادہ آئندہ بہ و ان فریت بنلا ۔

جب یہ مسلم ہے کہ سنی شہنشاہ میں غائب دہلی میں تھے تو ماننا چاہیے گا کہ وہ حیدر آبادی  
 شہنشاہ کو دہلی پہنچے یعنی اوائل جنوری ۱۸۳۳ء میں آیا اور فروری ۱۸۳۳ء میں  
 آخر میں آتنا اور عرض کر دیا چاہیے کہ غائب واپسی میں بآئندہ ضرور ٹھہرے ۔ اس لئے کہ  
 مولوی سرساج الدین احمد خاں کو ایک خط میں رقم فرماتے ہیں :-

تاج نامی کو در بآئندہ بہمن رسیدہ ہو و ایش بہمن میں منزل ہو قوم گردہ ہو سوسے از سخت لوا سے  
 جہاں کشا سے گورزی و رشت ۔

اور کسی مقام پر ٹھہرنے کے متعلق کوئی بیان نہیں مل سکا بلکہ یہی ہیں غائب نے چکنی ڈلی  
 کی تعریف میں اور تجاؤ وہ قطعہ لکھا تھا جو ان کے آدھ و دیوان میں موجود ہے وہ فرماتے ہیں :-  
 میرا ایک قطعہ ہے کہ وہ میں نے کلکتہ میں لکھا تھا قریب بہ گوروی کریم میں بہت ایک دوست  
 انہوں نے ایک مجلس میں مجھ پر ڈلی بہت پاکیزہ و بے دیشہ ہے کف دست پر کہ کر مجھے کہا اس  
 کی کہ خشیات نظم کہجے میں نے وہاں بیٹھے بیٹھے نورس شعر کا قطعہ لکھا کہ ان کو یاد ہو میں وہ  
 ڈلی ان سے لی ۔



## پانچواں باب

رام پورا و میرٹھ کے سفر

اتفاق سفر اقلاد پر پیروی آقا

آنچنان پائے تیار نہ کھائے آید

گلگت کے سفر کے بعد غالب کی تحریرات سے صرف تین سفروں کا علم ہو سکا ہے وہ دو متوجہ رام پور گئے اور ایک مرتبہ نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفہ سے ملنے کے لئے میرٹھ گئے۔ ابدانہ گلگت کے سفر سے قبل وہ فیروز پور جھکر یا لالہ روکتے جاتے رہے جب انگریزی فوج نے عشتہائیں بھرت پور چڑھ کر کیا تھا۔ تو اس فتح پر نواب احمد بخش خاں کے ہم درمیان میں غالب بھی شامل تھے اگرچہ ان کا یہ شامل کسی فوجی خدمت کے لئے نہ تھا۔ وہ خود بخود آہنگ میں کھستے ہیں :-

[illegible]

پہلا سفر نامہ ہے۔ | راجہ اور وہ پہلی مرتبہ اور آخر جنوبی مشرق میں غمے اور طبع میں واپس آئے۔ تفتہ کہہ سکتے ہیں۔

میں اس جبر و غفلت سے بے خبر رہا۔ مگر یہ جان کر تو فریاد میں کہاں آگیا ہوں تو کیا کہوں میں اس کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کر رہے تھے۔

خاصی عبیدیل بریلوی کو رقم فرماتے ہیں:-

گزشتہ سال ان دنوں رام پرہیں تھا پنج سنتھن میں رہیں گے۔

خواب نام غوث خاں جیگر کو تحریر فرماتے ہیں :-

جب جنوری سنتھن میں گورنمنٹ سے وہ جواب آیا جاوے گا آج میں ان کو ضروری اس واسطے

کہا جا رہا ہے وہاں رہ کر آئی وہیں آیا۔

گورنمنٹ کے جواب کی تفصیل یہ ہے کہ مذہب خاں کی فیشن باغیوں کی اعانت کے الزام میں

بند ہو گئی تھی قدر کے بعد گورنمنٹ نے دہلی آئے تو خاں جیگر مکرشی سے ملنے کے لئے گئے۔

صاحب کو صوبے ایک روز عدم فرست کا قدر رکھ کر بل دیا دوسرے روز ملے تو یہ جواب دیا کہ

تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے اب گورنمنٹ سے کیوں ملے ہو؟ جب تک فیشن کے تحمل جاتے

کی امید تھی۔ خاں رام پرہیں جاتے میں متنازل تھے۔ خواب یوسف علی خاں بہادر نامہ دلی رام

کے ساتھ دست سے دوستانہ تعلقات تھے درمیان میں استاد ی شاگردی کا رشتہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔

لیکن جب حکومت کی طرف سے ایسی ہوجائی تو میری رائے میں اس خیال سے کام چڑھنے تھے کہ

خواب صاحب کے ذریعہ سے حکومت کو اپنے معاملہ پر توجہ دلائیں مگر جب بعد میں خیال تبدیل ہو گیا تھا۔

خواب علامہ الدین احمد خاں کو یاد دلاتے پراصلہ و ابرام کر رہے تھے انہیں ۲۵ ستمبر ۱۸۶۱ء

کے کتنے سبب اپنے ضعف و ضعیف اور عدم استطاعت سفر کے سلسلے میں لکھتے ہیں :-

کہو گے کہ ہم پر کیا نوبت ہے؟ وہاں گئے کہ وہیں ہو گئے۔ (مجموعہ ایک سال کی خدمت اور چھ دن)

منازل خاں | خاں اس سفر میں دہلی سے ۱۵ جنوری ۱۸۶۱ء کو روانہ ہوئے تھے رات مرادنگر میں سیر

کی۔ ۲۰ کو میرٹھ پہنچے وہاں ایک روز قیام کیا۔ ۲۱ کو میرٹھ سے روانہ ہو کر ۲۲ کو شاہ جہان پور میں

گزرے کٹہر اور وہاں سے مراد آباد ہوئے ہوئے رام پور فائر ہوئے مگر گوال پال آفیس کو لکھتے ہیں :-

بھائی میں نے دلی کو چھوڑا، چیتنہ، درجنہ، سنتھن کو مرادنگر اور بعد ۲۴ کو میرٹھ پہنچا، شنبہ

۲۵ کو بھائی مصطفیٰ خاں کے کھنڈے مقام کہا یہاں سے یہ خط تم کو لکھ کر روانہ کیا کل شاہ جہان آباد

اور میں گزشتہ کئی دنوں کا ہر روز آباد ہوتا ہوا رام پور میں آ گیا۔

حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں :-

میں تم سے رخصت ہو کر اس دن مرادنگوہ ردا دوسرے دن اپنی عہدہ کو سیر فرمایا۔ کچھ گھنٹوں  
نے ایک دن رکو کیا۔ آج شنبہ ۱۰ چنڈی پیاں مقام ہے۔ فرج گئے ہیں۔ بیٹا ہوا پیدا کیا ہے۔  
سنت کا کھانا ہے۔ عرب پیٹ پر کھانا کھا کر شاد و بان ہو۔ یہاں پر گڑ گشتیروں میں گڑ مانا  
سے ہر دم کو خدا نکھوں گا۔

اس سفر میں باقر علی خاں اور حسین علی خاں دہانہ گینڈوا زمین العا دین خاں عارف بھی ہمراہ تھے  
نسرہ لکھتے ہیں :-

دھوکوں کے ادا کے لئے ہرے دو خدا کی دہلی کو بھیج دیتے ہیں دینی حکیم صاحب صاحب  
تم اس اپنے نام کے خدا کے کرڈر ڈی پر جانا اور آسانی ہی دیکھ صاحب کو خدا کرڈر ڈی اور خیر خواہ  
خاتون سفر کی منزل مقصد کو شرف میں خدا جانے کس صحت کی بنا پر وہ اخلاص کھانا خیر  
سمجھا تھا لیکن دہلی سے نکل جانے کے بعد ان کے خیال میں اخلاص ضرورت نہ رہی۔ وہ مسکیم  
غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں :-

بھائی میں اندرون صحت اپنے کو تلف مقامات کا مادم کر گیا ہوں۔ اب ہر شخص تم سے ہر جگہ  
میں سے ہندو کرنا عارف کو ناگہرام پر کو گیا ہے اپنی سب کسٹم پر جانے اور کوئی تفتیب میں دیتے  
میں ہر کی کیفیت | رام پر کی کیفیت ان گفتگو میں بیان فرماتے ہیں :-

اب یہ حال سفر خیر و تفریح پرست ہے۔ ملاقاتیں تب ہوتی ہیں۔ ایک خان کو دہلی خانوں میں چل  
رہے کو اسے یہاں خیر و تفریح پرست ہے۔ کوئی میر میں ملتی خان گفتگو کے ہیں۔ ہر دو میں کو بھیج رہی۔ سامنے شہر  
کی آبادی اسی طرح ہے۔ بلکہ کوہر خان نے وہ بھی دیکھی ہیں۔ ہر دو کو گفتگو وہاں میں نہیں آتی ہیں  
خود سے اجتناب کر دے گا۔ وہ بھی جہت با شاد دیکھیں گے۔ گھر و مسجد اور وہاں ہر کوئی کو  
کہا گئے ہیں اور کہا کرڈر ڈی میں۔ کھانا دلوں وقت۔ ہر دو سے نہ ہے۔ اور وہ سب کو کوئی ہر دو  
خدا میر سے بھی خلاف صبح خیر۔ دہلی کا شکر گس منے اور کوں ایک دہلی سے کوئی بھائی شہر

اتنا بڑا کہہنے والا گمان کہہ کر پیچھا شربت ہے صاف اسکا، مگر وہ ایسے بغور اس آفت  
 دن میں نہیں دیکھنا جس کے صدمے سے کھڑے ہوں، جی کہ یہ کہ خوب لگتی ہے، اس کے بھی تندرست  
 آدمی بھی قورن گمراہ ایک قرابت، اور دن سے کچھ بڑا ہے۔

یہ خط ۳۰ فروری ۱۸۶۶ء کا لکھا ہوا ہے، اس وقت غائب کو رام چھپنے ہوئے آٹھ روز  
 ہو چکے تھے، لہذا لکھنا چاہئے کہ وہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵ فروری ۱۸۶۶ء کو رام پور ہوئے تھے۔  
 وہ بیکری اور بانی کی تعریف غائب سیرمدی بروج کو بھی لکھی ہے۔

بیشو پور، رام پور، دسر، دسر ہے، جو نصف چاند ہے، وہ لوگ اس ہے، ہائی بھان، اشادھو سے  
 تین سو قدم کے فاصلے پر ایک اور ہے، کسی اس کا نام ہے، بے شبہ شریاب جات کی کوئی شہ  
 اس میں لی ہے، خیر، گروں میں ہے تو بھائی آب جات عمر دھاتا ہے، گمراہ تاشیریں اس میں ہوں۔  
 پنشن کے متعلق غائب لکھی ہے | ۳۰ فروری ۱۸۶۶ء کے خط میں حکیم غلام محمد نجف خاں کو لکھتے ہیں :-

غائب غفلت گورنر گرو سے مراد، یاد آیا، چاہئے ہیں، مراد آباد یا اس سے، اس کو اس ہے، تو  
 صاحب اور چاند میں بہتر نہیں گئے، مگر ان کی ملاقات کو مراد آباد جاتیں گے تو میں بھی بخیر جاننا  
 حکیم گورنر غائب و شمال دسر، بھگتہ، اگر وہ دسر، دسر کو دلی سے کچھ علاوہ نہیں مگر وہیں کیا لکھو، وہ  
 میں آتی ہے، جو دلی پر کچھ نہیں لکھوں گا۔

اس گفتگو سے غائب کا مدعا یہی تھا کہ فریج باب میں جو گفتگو ہوگی اس کی کیفیت لکھوں گا  
 اگرچہ جو بہات متحدہ کے گورنر کو دلی سے کوئی علاوہ نہیں تھا، لیکن وہ سمجھتے تھے کہ شاید غائب  
 کی سفارش سے کوئی راستہ نکل جائے۔

میں حسب طلب غائب صاحب کے دوستوں کو دیا ہوں، اور وہ بھی صفائی بخود بیان کے گرفت سے  
 چاہتا ہوں، دیکھوں کیا ہو، اسے کتاب اور عرضی، اور اس ماہ جنوری میں ملایت کو روڈ کر کے  
 یہاں آیا ہوں، چھپتے ہیں، ہمارا بیٹھا ہے، بیٹھیں، کہ ہاتھ لگا دیتا ہوں، کیا ہوگا۔

وہیں | جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے، غائب آخر پانچ ستمبر ۱۸۶۶ء میں رام پور سے واپس آگئے، دلی

میں ان کی دہشتی پرچہ سے گونیاں شروع ہو گئیں۔ وہ خود فرما رہے ہیں :-

یہاں میں جو آفس تھی وہی کوہدم پر ہانکڑا توڑی میں یہاں آگیا ہوں تو کیا کہوں یہاں کے لوگ میرے حق میں کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ ایک گروہ کا توں ہے کہ شخص دہلی نام پر کا اشتہار دیاں تھا مگر ذرا بچے کچھ سلوک دیکھ کر گانہ ملی باج ہڑ سے کم نہ رہا ہو گا۔ ایک جماعت کہتی ہے کہ کوئی کوٹنے سے گزر کر نہ رکھا۔ ایک فرقہ کہتا ہے ذرا بچے کو کر کے یہاں تھا وہ سو سو پیر مینا کرہ یا تھا نہ بے غنٹ گھڑا نہ ہا وہ رام پر تھے اور ان کو غالب کا دہلی چڑھا سلوک ہوا تو انہوں نے ذرا بے صاحبی کر کے گانہ گانہ دی خوشنودی چاہتے ہو تو اسے جواب دے وہ ذرا بے معرفت کر دی۔

اس کے بعد خود اصل حقیقت بیان کرتے ہیں :-

اب تم اصل حقیقت سنو ذرا بے معرفت علی خاں نہیں ہیں اس کے میرے دوست اور باج چہ برس سے شاگرد ہیں۔ اُن کے گاہ و گاہ کو بھیج دیا کرتے تھے اب جو دہلی مشن سے سود پر پیدا ہوا وہ ابھی ہیں۔ ہاتے رہتے تھے اب میں گیا دیکھئے نہ کہ علم آیا یا طریقات جدیدات پھر جان گئے۔ ہرگز پائل فٹنٹ قیام نام پر کے دور ان میں نکلا تھا کہ مجھے بھی وہیں بلا لیجئے۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

بائل ذرا بے غنٹ گورنر ہاؤس رافہ آباد اور دہلی سے رام پر تائیں گے جہاں کے جانے کے کوئی طرہ قاسم یا کوہدم قاسم کا خطرے کا نظر نہ کر رہے کہ اگر وہیں دھڑا ہو تو کم نہ ہو کہ میری مدد کی طرح سے غالب جلد واپس آجائے گا سمیٹ چھا تھا کہتے ہیں :-

میرمدی تم میری حالت کو بھول گئے۔ ماہر ملک و ضلع میں کبھی مسجد جامع کی ترویج یا تفریق سے! میں اس بیٹے میں رام پر کیوں رہتا ذرا بے صاحب دین سے ادویت منع کرتے رہے ہر سات کے مہوں کا لکھ دیتے رہے۔ مگر بھائی میں ایسے فغان سے چاہ کہ چاند مات کے دہلی میں پہنچا ایک شہید کو فرما مقدس ہوا وہی دن سے صبح کو عادل علی خاں کی مسجد میں جا کر غائب ہوئی

جسٹریل سانس کے ذریعہ نفاذ ہونے والی ہوا میں ہلکا سا تھوڑا سا آلودہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ ہوا بھی  
 اسی طرح تیز رفتاری سے ہوا میں گھول جاتی ہے۔  
 لیکن یہ سب مثالیں محض افسانہ تھے۔ شیخ طبعی کے کرشمے تھے اصل کیفیت یوں بیان  
 کرتے ہیں:-

لوگوں کو سنا دے گیہا تھا وہاں انہوں نے سیرنگ میں دم کو دیا۔ پھر سیرنگ دھونے میں دھیرا کیا  
 خدا جانے اگر کوئی امرعات ہو تو وہ بھی گھر کی رہے۔ اس سیرنگ کے بل بوتے پر کیا وہ بھی ہر سات  
 کے دن وہاں کا شہاب بے شرط میاں تہرید ہر سات ہاؤں کا اور بہت دن ایک شہاب آؤں  
 یہ صفت سیرنگ کو لکھتے ہیں:-

میں ۲۴ شہابانہ مشہور ہوا کہ مامیہ سے چلا اور ۲۴ شہابانہ کو دلی آگیا اسی دن چاند ہوا۔  
 اپنی تنخواہ کا ذکر کرتے کے بعد لکھتے ہیں:-

غلاب صاحب نے سنا وہ شہابانہ دے دیتے ہیں۔ لیکن وہ کرشمے لکھتے۔ ملاقات میں دو سنا دے دیں  
 تعلیم میں ملے اجاب میں ہم سے وہ صورت ملاقات کی ہے۔ لوگوں سے میں نے نقد و ادائیگی  
 میں بہر حال غیبت ہے۔ رزق کے بھی طرح سے کاٹھنہ دانا چاہئے بھی کاٹھنہ کیا۔

دوسرا سفر دوم ہے | قاتل نے رام پور کا دوسرا سفر گتہ پر ۱۸۶۷ء میں کیا اور جنوری ۱۸۶۷ء میں اسی  
 آئے۔ غلاب یوسف علی خاں والی رام پور نے ۱۸۶۷ء کو وفات پائی ان کی جگہ  
 غلاب علی خاں بھادر مستثنیٰ ہوئے۔ غلاب صاحب کی مستثنیٰ کے جشن کی تقریب  
 میں قاتل دوسری مرتبہ رام پور گئے تھے۔ مولوی عبدالرزاق خاں کو تقریر فرماتے ہیں:-

فیترہ کا سب سے۔ شہانہ چار شہانہ ان دونوں دنوں میں سے ایک دن لازمہ رام پور کا  
 تقریب وہاں کے جلسے کی رئیس مرحوم غلاب یوسف علی خاں کی تقریر اور رئیس خاں  
 علی علی خاں کی تقریر۔ دو چار بیٹے وہاں رہنا ہو گا۔

اسناد و سناد | یہ سفر غازی آباد و پٹنہ کے لیے تھا اور وہاں کے رستے جو اٹھا۔ باقر علی خاں اور

حسین علی خاں اس سفر میں بھی ساتھ تھے نواب شہاب الدین احمد خاں شائب کو لکھتے ہیں :-

غازی آباد کا حال شش و ہفتہ واپس ایک مہینہ سے رہا تھا پہلے کے دن میں ٹھنڈی  
دن پڑا ہے اجاب کو خست کر کے، اسی روز مقصد پہنچا کہ ٹھیکہ سے رہیں۔ وہاں تھانہ کی گنجائش  
نہ تھی۔ اچانک رواد نہ ہوا، دو روز غور و فکر میں رہا کہ پہلے جلی دیتے ہیں۔ ٹھنڈی دن رہے ہیں پانچ  
کی سڑکے میں پہنچا۔ دو دن جانیں کوٹنے ہوئے، اور ٹھیکہ کو لکھتے ہوئے آیا۔

بمراہی پہلے سفر میں بھی کافی تھے اور دوسرے سفر میں بھی ان کی تعداد ابھی خاصی ظلم  
ہوتی ہے۔ کھانے کی کیفیت ان غنموں میں لکھتے ہیں :-

میں نے جتنا تک بھر لی دلی کیا، دو شاہی کباب اس میں ڈال دیتے، رات بھر تھی تھی، شرب  
بلی لی کباب کھاتے۔ دو گھنٹے سے اس بھر کی کچڑی پکاتی، اور غب بھی ڈال کر آپ بھی کھاتی، اور سب  
آدھوں کو بھی کھلاتی، ان کے واسطے سادہ سا سن پکوا یا، ترکاری، خٹہ ڈالتی۔

پھر فرماتے ہیں :-

چار پانچ بکے سب، کے مل میں لہڑ سے جلی دیا، سوچ تھے باؤ ٹرٹھ کی سوسے میں پہنچا۔ چار پانچ  
میں پہنچ کر کھانا کھاتے تھے، اسی دن اور یہ تھا کہ، اسی دن وہ ٹھیکہ کو مل آئے تھے۔ دو روز کے تھے  
میں سارا دن تھے، وہ آئے، اور کھانا کھایا اور چلے۔

اس سے ظلم ہوتا ہے کہ سواری کے لئے دو کھوٹے تھے، ایک رتھ تھا دو گانیاں تھیں  
اور غائب پاکی میں سفر کرتے تھے جاکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں :-

جس کا دن ہے، پھر میں چڑھا ہر گنا غنموں میں پاکی ہر روز، ایک پہنچا۔ سواری اول کی اور کھانہ  
کی ہے۔ دو روز کے دو دن تھا، اور تھی چھپے ہیں اب آئے جاتے ہیں، رات بھر کھانہ  
گل نامہ پہنچ جاتوں گا (یعنی ۱۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو)، ٹھیکہ لہڑا، ہوں تیسرا دن ہے، کھانا پھرے کہ  
رٹھ کے بغیر رہتے ہیں۔

واپسی ۱۵ دسمبر ۱۸۵۷ء کو کھانہ کو پہنچے تھے، ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۷ دسمبر کو دلی سے چلے تھے۔







نواب صاحب محل ہتھکھانے لالہ شکر علیہ رحمۃ اللہ کے خلیفہ میں نواب فروغ آباد کا۔ کے برابر  
 بلکہ بیٹا شہزادہ درویش میں ان سے بہتر ہیں۔ پھر دوسرے شخص کے علاوہ حصول یک نغمہ صاف کو دیا۔  
 علی گڑھ میں خان سداں کو تیس چار سو روپیہ دیا بیت علیہ صراحت کہ وہیں دیا فصل حالات، قبل ازاں حضرت  
 نہایت کموں جو سوا صاب میں خیر آباد کو پیش ہیں۔ نہایت کموں میں جو صفات دیکھا ہوا  
 بیان کرتا ہوں۔

حقوق حالات اس مہین میں غائب کے نہایت عزیز دوست نواب شہنشاہ شہینہ علی شریک ہوئے  
 تھے۔ نیز منشی و لکھنؤ مالک طبع و لکھنؤ نے اپنی صاحبزادی کی شادی کے سلسلے میں ملی امداد کی  
 عرضداشت پیش کر رکھی تھی۔ غائب ۲۸ نومبر ۱۸۶۶ء کے خط میں ہر گز پال آفتہ کو لکھتے ہیں:-

میں شریک دو دو رقم کا صلہ مانگتے نہیں آیا ہیک مانگتے آیا ہوں۔ دینی جی کو سے نہیں کھانا  
 سرکار سے ملتی ہے۔ وقت بہت میری منت اور شرم کی بہت۔ نواب صاحب انہوں نے صورت  
 اور جسم و ہوتا علاقہ بہت ہیں۔ نیز انہیں کے کو دیا ہیں۔ جو شخص مندرجہ سے ہو کہ لکھنؤ دیا  
 ہے اس کے بغیر میں رو نہیں گئی۔ ایک ہا کہ کئی چار سو روپیہ سال کا نذر کا حصول صاف کر دیا  
 دیکھا ہے ساتھ چار کا سب صاف کیا۔ اور میں چار سو روپیہ نقد یا منشی و لکھنؤ کی مرضی پر جی رہتی۔ منکر  
 مرضی میں دیا۔ اسلئے منشی صاحب کے کہہ کر منشی صاحب شادی صوبہ توجہ نہ لے رہا ہے۔ نقد بلکہ نہیں ملے  
 نہایت سے لکھنؤ اس بات پر کہ منشی و لکھنؤ میں ملنے کے لئے میں اس وقت تک نہیں آتے۔  
 وہ بھی کے بعد وہی سے آفتہ کو لکھتے ہیں:-

میں خودی محل حال دستاویز، دوشنبہ کے ان غائب الٹی ملے اپنے کمرہ داخل ہوا دوسرا  
 چار چار روپیہ دیا۔ پانچ روپیہ نقد کے اس چار روپیہ میں نے بھاری دیا۔ اور خودی بہت کی۔

جس زمانے میں غائب، رام پور میں تھے قاضی علی گڑھ میں صاحب بدلیوی نے انہیں لکھا تھا  
 کہ بریلی میں غائب ہو رہی ہے تشریف لائے اور فائز علی میر بھی کہے انہیں لکھتے ہیں:-  
 سند نشینی کی قیمت کے واسطے رام پور آیا میں کہاں پہلی کہاں رہا کہتے ہر کہاں پہنچا پھر

حیات و سیرکستہ ملی جانوں کے غلاش کا وہ بیلی کی سیرکسٹاں نو ماں غلاش کا وہ کی سیرکستہ کی  
دنیا کہتے ہیں مل بھر گیا۔ اب عالم بے رنگی کا مشتاق ہوں۔

سفرِ ہند | سیرکستہ کے سفر کی تقریب یہ تھی کہ غلامیوں و دوسرے اکابر کے علاوہ مسیحی خاں شہینہ بھی گرفتار  
ہو گئے تھے۔ ان پر قندہ منجلا اور سات سال قید کی سزا ہوئی۔ بعد ازاں ان کی بے گناہی ثابت  
ہو گئی اور انہیں رہا کر دیا گیا۔ رائی کی خبر سن کر قاضی ان سے ملنے کے لئے سیرکستہ گئے تھے پیغمبر  
اور جنوری ۱۸۵۹ء میں ہوا تھا تین روزہ سیرکستہ میں ٹھہرے اور ۴ جنوری ۱۸۵۹ء کو دہلی واپس  
آئے تھے۔ ہر گواہ پال فقہتہ کو لکھتے ہیں:-

میں مصطفیٰ خاں کی ملاقات کو سیل شاہ کی بیڑی کیا تھا تین دن راں راہی و ماں سے پہنچا  
تج کر کر پھا بھوایا محرو و مرسل چار شنبہ ۴ جنوری ۱۸۵۹ء۔  
پھر لکھتے ہیں:-

صاحب سیرکستہ نے اکثر تم کو غلام لکھا ہوں شاید تم نہ تھا جو اس واسطے اذیت و احتیاج لکھا ہوں  
کو ذاب مصطفیٰ خاں کے لئے کو سیل شاہ کی بیڑی کیا تھا۔ اور شنبہ کے دن واپس آ گیا ابھی یک شنبہ  
کی ۴ جنوری ۱۸۵۹ء

۱۰۔ چارے کا داد | قاضی کے اور کسی سفر کا علم نہیں ہو سکا البتہ بعض سفروں کے ارادوں اور بعض عزتوں کا  
پتہ ان کے خطوط سے چلتا ہے لیکن نظر نہ ظاہر نہ یہ ارادے پورے ہوئے اور نہ قاضی کے وہ عزتیں مل  
کیں۔ مثلاً ایک موقع پر ماہرہ کے ایک صاحب کے بطریق تہنہ ذکر کیا تھا کہ ماہرہ جانے اور پٹ بھر کر آ رہا تھا  
کوئی چاہتا ہے۔ صاحب عالم ماہرہ دیئے جو قاضی کے بہت معتقد تھے یہ تہنہ تو فرما لکھا کہ بدلتا ہر گواہ  
اور دلی سے روانگی کا وہ لکھیے جو اب میں فرماتے ہیں:-

حضرت کو کس راہ سے یہ ہے تم نے کا لکھا ہے میں نے مرشدانہ سے کہے ہیں کہ ہمیں کب پناہ  
لکھا کہ اس نے ایک سیر کی نہائی کا ایک ماہرہ دی کے تقریب سے ملان چاہتے ہیں۔ اس آپ کی  
قسم دہی اور احوال و عدول کے چار کی تہنہ سے نہا وہ ہے اور دنیا بابت ماہرہ کی تہنہ و گواہ کی جانوں کا







# چھٹا باب

## پنشن کا مقدمہ

بندہ رابوہ است از سر کلہ دست مرز شفت ہلافت  
 در سالانہ برائے دوم و چہ شانتہ بقدر کفایت  
 ملزعم کردہ اندھاں بصدقہ حق میں خورہ اندھاں بگزاف  
 آہ از اقریاتے بے آذرم داد ادا کا ان بے انصاف

ادھر عرض کیا جا چکا ہے کہ غالب اپنی خاندانی پنشن کے مقدمے کے سلسلے میں لکھتے گئے تھے۔  
 خواجہ عالی نے اس باب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ آٹھ اہل ہے لکھوئی شخص اس سے غالب کے  
 مطالبات کی صحیح کیفیت معلوم نہیں کر سکتا۔ اس جگہ میں ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ صرف  
 جس کی وجہ سے ان کا دل مسلسل نہیں جس تک ل خوش کن واقعات کا سلسلہ مشدد ہوا اس کی تفصیلاً  
 نقل نہیں ہو سکتی۔ بعد اس قضیہ کا غالب کی نظم و شعر میں جا بجا ذکر ہے اور جب تک اس قضیہ کے پر  
 حالات معلوم نہ ہوں نظم و شعر کے وہ حصے عجیب و غریب سمجھ میں نہیں آسکتے اس لئے جس شخص  
 کی ہے کہ اس کتاب کا ایک ایک پہلو سامنے آجائے

خاندانی پنشن کا انداز | سن ۱۸۸۱ میں غالب کے چچا میرزا غفر اللہ بیگ خاں کا انتقال ہوا۔ وہ لاڈلیکے  
 باقوت چار سو سوار کے برگیدہ تھے۔ ایک ہزار سو پینا ادا ان کا خاں مشاہد تھا۔ لاکھ ڈیڑھ لاکھ تھو  
 سلاہ کی جاگیر تھی۔ ان کے انتقال کی جاگیر واپس لے لی گئی اور ان کے متعلقین کی پرورش کے لئے  
 دس ہزار روپے سالانہ ذرا اب ان کی خاں مرحوم خاں خیر و ذوق پھر کر کے ذمے لگا دیے گئے۔

ملے آدھے ملے صفحہ ۲۰۲ اور صفحہ ۲۰۳ میں لکھا ہے (لاحظہ فرما جاوے)

صاحب کو سننے لگا اور حضرت میں دو جاگیریں بطور استراحت تھیں۔ ایک فیروز پور جگر کا اور دوسری  
 کی جاگیر دوسری چنگنے پانا۔ پھر اور چنگنے کی جاگیر اول لکڑہ کا ساوہ پنج ہزار روپے سالانہ اور  
 آخر لکڑہ کا ساوہ میں ہزار روپے سالانہ تھا یعنی دونوں جاگیروں کے لئے ذرا ب صاحب چنگنے  
 روپے سالانہ سرکار جاگیر میں کواد کر کے دس ہزار روپے تھے۔ ان جاگیروں کے باشندے  
 بڑے سرکش اور امن شکن تھے۔ اور ان کو مطلع رکھنے کے لئے ذرا ب صاحب کو خاص انتظامات کر  
 پڑتے تھے۔ لہذا لکڑہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ذرا ب صاحب کے ساتھ کسی حد تک رعایت امنی  
 چاہیے۔ اسی اثنا میں نصر شاہ بیگ خاں کا انتقال ہو گیا۔ لارڈ لیک نے ہم سب کو حکومت کی طرف  
 سے ایک شہد ذرا ب امین بخش خاں مرحوم کے نام بھیجا اور باک جو بھی ہزار روپے وہ حکومت کو ادا کرتے  
 ہیں ان میں سے دس ہزار روپے سالانہ میرزا نصر شاہ بیگ خاں کے متعلقین کو دے جانے ہمارے میرزا  
 مرحوم کے رسالے کے پچاس سو روپے رہ گئے تھے جن کا افسر خواجہ حاجی نام ایک شخص تھا۔ ان کے  
 متعلق انتظام کر لیا جائے اور قیام امن کے لئے حکومت سے کوئی ادا و طلب نہ کی جائے ان شرطوں  
 پر پچاس ہزار روپے کی رقم صاف ہو جائے گی اور جاگیر مستقل ذرا ب صاحب اور ان کے وارثوں کے  
 پاس رہے گی۔ یہ شہد حکومت کا منظور کردہ تھا۔ اور اس کا مسودہ دفتر میں موجود تھا لیکن معلوم ہوتا  
 ہے کہ میرزا نصر شاہ کو ذرا ب امین بخش خاں نے لارڈ لیک سے ایک اور شہد حاصل کر لیا جس پر متعلقین  
 یہ تھا کہ میرزا نصر شاہ بیگ خاں کے متعلقین کو صرف پانچ ہزار روپے سالانہ دیتے جائیں اور ان  
 متعلقین میں خواجہ حاجی کو بھی شامل کر لیا گیا جو حقیقت میں اعتبار سے بھی میرزا نصر شاہ بیگ خاں کا ورثہ  
 تھا اور پانچ ہزار کی تقسیم یہ قرار پائی۔

دو ہزار روپے ساٹھ

خواجہ حاجی

پندرہ سو روپے ساٹھ

والدہ و ہمیشہ نجان نصر شاہ بیگ خاں

میرزا نوشہ اور میرزا دوست

ہزارہا و نجان نصر شاہ بیگ خاں

پندرہ سو روپے ساٹھ



بھائی کی جگہ میں لکھی تھی | غائب سلسلہ میں صرف نو برس کے تھے جب کہ ممتاز اس پہنچنے سے پہلے  
 جب ہوش سمجھا تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنی خاندانی جائداد کو بیچ بیچ کر گزارا کرتے رہے نیز وہ اپنی فخر  
 بھی ان کی کافی امداد ہوتی تھی جب وہ وہلی آگئے تو غائب نواب احمد بخش خاں مرحوم خلیفہ مقبول  
 کے علاوہ بھی ان کی امداد کرتے رہتے تھے جب نواب الہی بخش خاں کا انتقال ہو گیا، تو انھیں بخش  
 نے خاندانی منی اختیار کر لی۔ اور نواب شمس الدین احمد خاں فیروز پور جگر کے رئیس بنے۔ تو اس وقت  
 مقہورہ و خلیفہ کے سوا کوئی ذریعہ آمد باقی نہ رہا بلکہ سر میر الدین احمد خاں کے بیان کے مطابق شمس الدین  
 وہ بھی بند کروا دیا تھا علاوہ یہیں غائب کی بیگم صاحبہ کو تیس روپے ماہانہ کا جو خلیفہ نواب احمد بخش خاں کے  
 زمانے سے فیروز پور جگر کے ساتھ ملا تھا وہ بھی بند ہو گیا۔ اس حالت میں غائب کو اپنی خاندانی فیشن  
 کے سلسلے میں تعاونی پارہ جوئی کی ضرورت پیش آئی۔ انہیں پانچ ہزار روپے کے اس قسط کا غائب کوئی علم  
 نہ تھا جو نواب احمد بخش خاں نے، راجہ جیست سنگھ کو لارڈ ایک سے حاصل کیا تھا۔ اور سمجھ رہے  
 تھے کہ لارڈ ایک کی تجویز اور حکومت کی منظوری سے ان کے خاندان کے لئے دس ہزار روپے  
 سالانہ کی فیشن مقہورہ ہوتی تھی۔ وہی منی چاہئے۔ اس فیشن میں سے ان کے خاندان کو صرف  
 عین ہزار روپے ملتے رہے تھے۔ خواجہ حاجی چونکہ نصر اللہ بیگ خاں کے حقیقی تسلط میں شامل  
 نہ تھا اس لئے اس کے دو ہزار روپے کو بھی وہ اپنی خاندانی فیشن کا جزو نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ  
 نے مطالبہ پیش کیا کہ اول ان کی دس ہزار کی فیشن بھال ہوئی چاہئے دوم منی رقم نہیں نہیں ملی  
 وہ منی سلسلہ سے لے کر کاٹا ملنی چاہئے۔

سینہوں کو جرم | اس زمانے میں ان کی مالی حالت بہت بتیم تھی۔ وہ اپنی آداد و مشہوروں میں کافی رقم  
 اڑا چکے تھے بہت سارے سپہ قرضے چکے تھے ایک طرف تو خواجہ انیس تنگ کر رہے تھے دوسری  
 طرف ان کا بھائی دیوانگی کے عارضہ میں مبتلا ہو چکا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں:

آغاز دور وہی کہ نہ وہ دودھ پلنے پہنچے نہ لڑکھون مارا نہ سروانی برس گزشتہ وہ بچا  
 فرمیدہ شد۔ تا سوز سرستی گویا جو نہ وہاں بچہ رہا نہ خلیفہ پہلے چرگے فرودت .... جھکا



ہمارا چاکر کم اہی دو گاہ بہت بہ صاحب سکریٹری ہمارا پسوہ اندھم ہی بہت صاحب سکریٹری  
ہمارا اس بابا پاش صاحب ہر وہاں بہ انگریزی نقل کنندہ۔

اس تحریر سے یہ بھی واضح ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۸۶۲ء میں انگریز فرسٹ فرینڈ و سٹائیل کسٹ پی  
پر لٹے تھے جب وہ لٹنے کے لئے آتے تھے تو ہنگون کا ہتھیال کو تھکتے تھے۔ ان سے معاف کرتے  
تھے۔ عطر اور پان دیتے تھے اور جاتے وقت چند قدم چھوڑنے کے لئے ساتھ ہلاتے تھے۔

چیف سکریٹری سے ملاقات اسٹریٹنڈریو اسٹرنگ جو دفتر خاری کے سکریٹری اور پرنسپل ڈوی پارنٹ کے  
ڈپٹی سکریٹری رہ چکے تھے۔ غائب کا مقدمہ پیش ہونے کے دما نے میں چیف سکریٹری تھے۔ غائب  
ان سے بھی ملاقات کی۔ وہ بڑی اچھی خاری مانتے تھے۔ غائب کے بیان کے مطابق سخن فہم تھے  
بڑے حسن اخلاق سے ملے۔ غائب نے ان کی وجہ میں کچھ شکر کا ایک خاری قصیدہ کہا تھا۔ اس کا  
ایک حصہ ناپا سٹریٹنگ بہت خوش ہوئے اور وعدہ کیا کہ پوری امداد فرمائیں گے غائب تھے ہیں۔

اندھ اسٹرنگ کو قوس و جی کو شل باغیہایت و قوس زندگی اس باغیہایت بہت چوں ملے  
علم و آگس دار و کن سے خمد و باغیہایت سخن اسے صدد و صغیرہ مشتمل بجا و پونج بہت  
کرم و دورا غصیدہ کھنے و حال ترقی و ان کا شرم اس تعلق نہیں کسے عارضش۔ دوش گزیدہ و اس  
سختی پسند و ہم ہاد و اعتبار کا سا رہا ہے کہ سن از رو و حلا۔ ارمیدہ ارمیائے سن کال جا مارہ و کویہ  
بر غلام کم باغیہایت و کویہ ہار و و عدہ یا رنگی و دو۔

غائب اسٹرنگ کے قصیدہ میں اپنے متعلق جو کچھ لکھا تھا وہ اپنی کی زبان سے سن لیجئے۔

میں شکستہ دل ہے تو پہنچ جاؤں	جگو نہ وہم نہ دم اندھ مرنی شتا خوافی
گواہیم و پر قناتے و او تہدہ ام	ہو در گئے کہ تو ہمیں شرمین بربانی
تو مال ام چھا باکہ معدلت کیشی	ز گدہ ام چھا باکہ معدلت کیشی
دلکش ہم نے مال میں تھنہ نام	کہ گرو سن نرج بہت غم چینیانی

شہ ڈکٹری آف انڈین ایگریکچر، ہم سٹہ کتابت نظر مارج صفحہ ۱۰۷۔

مرا ویست ز دوری و گلی لبستون      داندوئے امیری ز دست خانی  
 ز بیت سال فزون شکر و گسند      نفس چو شمشیرم بہ ہنم جیرانی  
 کہا مست حبیب کہ یکے دو تو نام      گر جگر بہ دین و ہنم شترانی  
 ز بال دہر و دین و دگر گار بجے دی      بلید عشرت خوشم خورد قربانی  
 سیاہ ست ز دور کس عجب      شمر و غرق لہر جریق بریمانی  
 شمر بہ چین جان نشانجا گشت      کوشا و سرکش اند افمائے نہانی  
 چناس چاقو داکم کشید نگ کہن      بہ بند عجز سر و ماہم چو نشانانی  
 غریبیت بہر دو دم صیدان      ز دی عربی و دشمن خراسانی  
 بہر دو گام رسیدم چنانکہ دواستم      بہر دو غریبان چنانکہ دوانی

کونسل کو دیجے اس زمانے میں عام طریقہ یہ تھا کہ جب دو تین مقدمے کونسل میں پیش کرنے کے لئے جمع ہو جاتے تھے تو جسٹس سکریٹری چھ صاحب داد و خواہوں کے نام اور حالات مقدمات چیف سکریٹری صاحب کے درمیان کرویتے تھے چیف صاحب ہر مقدمے کے حالات ملاحظہ کرتے ان پر غور فرماتے جن مقدمات کو کونسل میں پیش کرنے کے قابل سمجھتے تھے بقیہ مقدمات کو واپس کر دیتے۔ غالب یہ تمام حالات بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

بارے بہر جس شاد و نام کو دانا صحت چہ فی حق دیہ کونسل کو تعلق سلجیدہ عقد نامہ ان بہن چہ دینا

موجودہ قوانین و ضوابط اور بارہ من چہ باشد۔

پہلی مقدمہ پیش کرتے تھے عرضداشت کونسل میں پیش ہوتی تو اس پر حکم صادر ہوا کہ ضابطہ کے مطابق یہ معاملہ سبکے پہلے دہلی کے چیئر جڈنٹ کے پاس پیش ہونا چاہئے۔ غالب نے عدلیہ میں کیا کر سکتے پاس اتنا سا دو سامان اور کتاب تو ان نہیں کہ گلگتہ سے دہلی جاؤں اور وہاں سے دوبارہ چارہ خواہی کے لئے گلگتہ آؤں اس پر کونسل نے حکم دیا کہ خود یہاں انتظار کرو اور وکیل کے ذریعہ

ملک کیمات شرفا دی صفحہ ۱۶۸۔

دہلی میں مقیم میٹریکراؤ۔ غالب لکھتے ہیں :-

وعدت پائوس مرگشت۔ رفوان مدگشت کہ فدا بقدر حق آں دست کزشت نذر نظم و سحر  
چہ چنٹ دہلی مدد گایہم کسر و جگ قباب و ترن و سار و قمر نیست لڑان و فتح کلو دایں ما باشد و کلا  
ہدیہ نسیں دہلی گزیدہ۔

اس پر غالب نے لکھتے سے اپنے ایک دوست کو لکھا۔ ایک میل کے فاصلے سے دہلی  
ریڑیڈنسی میں مقیم میٹریکرایا۔ اور تمام ضروری کاغذات اپنے کوئل کے پاس مٹی بیچ دیئے۔  
یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ دہلی میں کس شخص نے وکالت کی اور کون سے دوست تھے یہ کام اپنے فتنے  
لیا۔ اسے سبیل کے نام کے ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کو کوئل کوٹنے کے خواہش تھے۔ ایک خط  
سے پتہ چلتا ہے کہ لالہ ہیلر لال ان کے کہیں تھے۔

میٹریکراؤ | مقصد تیار ہو چکا تھا لیکن ابھی میٹریکراؤ نہیں ہوا تھا کہ ایڈووکیٹ کوئل بروک ریڈیڈنسی دہلی وکراؤ  
پر روانہ ہو گئے اس وجہ سے تاخیر ہو گئی۔ غالب لکھتے ہیں :-

کاغذ شاد و من صید دست کاغذ آں ما پذیرد۔ وکالت نامہ کوئل و ادو خندہ کاغذات و قمر  
چل سولہ و مدد کو روشن کلا و سر شاد و کوئل بروک نورانہ دے دہلی و جہاد و مدد بان حضرت کشاد  
و قمر و خطا و مدد کو روشن کلا و سر شاد و کوئل بروک نورانہ دے دہلی و جہاد و مدد بان حضرت کشاد

اور لکھتے ہیں کہ میری جگہ کوئل بروکراؤں نے لئے۔ لالہ بنگلہ گورنر جنرل شکار کے لئے  
مالدہ روانہ ہو گئے۔ مولوی عبد الکریم صاحب میرٹھی دفتر خدای کے لئے آئے۔ مامی حضرت کے لی اور وہ  
اپنے وطن کو لوٹے گئے۔

ہدیہ نسیں دہلی گزیدہ | غالب نے ایک فوجی انسٹرکشن ہنری ملک سے سر شاد و کوئل بروک کے نام ایک  
سفارش خط لکھوا دیا تھا۔ نیز فراب اکبر علی خاں تہلی امام باڑہ ہونگلی ہند سے ایک سفارشی خط میٹریکراؤ  
و قمر کے لئے حاصل کیا تھا جو غالب ریڈیڈنسی کے میٹریکراؤ تھے۔ یہ خط لالہ ہیلر لال

لکھتے ہیں کہ شاد و من صید دست کاغذ آں ما پذیرد۔ وکالت نامہ کوئل و ادو خندہ کاغذات و قمر ۱۶۹۔

وکیل کو بھجوا دیا تھا۔ جی پرنسٹن خاں رتھور کو یہ تمام حالات لکھنے کے بعد فوراََ تھے۔

وقت بہت کم رہا۔ ہفت مقدسین از حکرہ میٹھی دہلی ہال، دہلی میٹھا یہ لاہم ملا دیا۔

نئی اتفاقات میں سرحدی غلگھ واکرن۔ ونگ آس نکھن کتھرتا لکھ سفارشی نام کوئی جنرلی

ہماہر دیکھیا آؤر نہ تا عمل دھاشا دانی پذیر ولا، دوش میں جلیف و غیر حکم نامہ گرو۔

معلوم ہوتا ہے کہ کرنل جنرلی املاک کی سفارش پھر نڈ ورو کو ل بروک سے بھی رپورٹ اوپر

نیجی تھی اور وہ اس سے اچھا جواب حاصل کر لیا تھا لیکن جواب بھی اسی چنچا نہیں تھا کہ صاحب صرف

وئے میڈ میٹھی سے ملوہ ہوتے اور ان کی جگہ فرانسس اکمنس رتھرتا مقرر ہو گئے جن کے شا

والی فیروز پور بھر کرنے بہت گھرے تعلقات پیدا کر لئے تھے۔ انہوں نے از سر نو خاں کے خلاف

رپورٹ لکھ گئی۔ خائب فرماتے ہیں:-

کول بروک کہ تو سوا کرنل جنرلی املاک پر مبنی صراحتاً خود دہرتے کہ تو شرفیوں خروا، اندیشید

صدر فرزند جو سب کو سو مند تراں تو اس سید احمد رمال تباہ جنوں کا جواب وندہ باسنگ

کول بروک منقول گرو و اکمنس جاسے کول بروک نشینہ آخیر ہم دونوں جنگ سلطنت ماس باخند

از ہر مبنی بحدہ فرمید۔

غیر سفارشی کی سہی | اٹھتے کے ایک دوست میٹھا اور القاسم خاں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ کرنل جنرلی

سے فرانسس اکمنس کے نام بھی سفارشی خطا حاصل کریں گے لیکن کرنل جنرلی املاک بیمار ہو گئے۔

اور اسی بیماری میں وفات پا گئے۔

میٹھا اور القاسم خاں وعدہ وادہ کہیں کرنل جنرلی املاک را خطا نام بخور دی برتھو سپا شتا مراد

مے نام اکمنس صاحب بکھ آندہ مبنی مساند ہم میں دوزا لیکے نہ سترخان فرنگ پر

گفت کہ کرنل جنرلی املاک از جہاں ملت وائے بر دوزا مبنی کہ ہیں و اسے فرما نہ دھت

سے نہ نرم جہاں بنا ملائی سے وہ ہم مدو جا مند و بالدا۔ دمن تھی دست و تھا۔

لکھیا ت شرفا سہی صفحہ ۱۰۰۔

اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس ہکنس سے ریڈیٹ مقرر ہو کر غالب کے مقدمہ کے متعلق رپورٹ پیش کر رہے تھے۔ غالب کھلتے سے واپس آچکے تھے وہ کھلتے میں کم و بیش دو ہفتے بھر رہے اس دوران میں چونکہ دہلی ریڈیٹنسی سے کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تھا اور دوسرے ہنگامہ گورنر جنرل کو رپورٹ پیش کر دینے والے تھے اس لئے غالب بھی وہاں سے چلے گئے تاکہ جلد سے جلد ریڈیٹنسی سے رپورٹ پیش کر کے گورنر جنرل کے دور سے ہی میں اپنے مقدمہ کا فیصلہ کرالیں۔

ریڈیٹنسی سے بے بہائی فرانسس ہکنس نے غالب کے خلاف رپورٹ لکھ دی تو ریڈیٹنسی کے دفتر میں جو لوگ غالب کے جملہ دستے اور رپورٹ کے رازدے آگاہ تھے، وہ ہر چند غالب کے کہتے رہے کہ ابھی وقت ہے کچھ چارہ کر لیجئے۔ ہکنس صاحب ل کر اپنے حالات خود انہیں سنایے لیکن غالب کے دل میں یہ بات سمائی ہوئی تھی کہ وہ مسٹر اینڈرو اسٹرنگ چیف سکریٹری سے مل چکے ہیں اور ان سے ادا واداعانت کا وعدہ مل چکا ہے اس لئے انہیں ریڈیٹنسی کی مخالفت اور رپورٹ کی چنداں پروا نہ تھی وہ خود لکھتے ہیں:-

اگر ہمارا امیدوار استوری تحریر پا چکے ہو تو سچے چیل و شان میں لکھ دینا پڑے گی، رفتہ رفتہ دنیا بھر میں انگلند ہر خود حاکم امریکہ و انگلیں ساختہ۔

مسٹر اینڈرو اسٹرنگ کا انتقال لیکن سو دشمنان و کھینچے کہ اور ریڈیٹنسی میں غالب کے خلاف رپورٹ تیار ہوئی اور کھلتے میں مسٹر اینڈرو اسٹرنگ کا انتقال ہو گیا اور غالب کی یہ امید گام بھی جاتی رہی۔ مسٹر اینڈرو اسٹرنگ کا انتقال ۲۳ مئی ۱۸۴۱ء کو ہوا غالب لکھتے ہیں:-

فرمانہ میں خراب آباد کہ فرانسس ہکنس بہادر وطن نامند! والی فیروز پور تہیان یکم ولی است۔ وہ چلے گیا کہ فرات جہدہ فرات۔ ہر چند یہ وہ وصال و بدہم وادہ و کھلتے انداز رازدہ بین باز انگلند ہوا دل از جہتے در وقت گشتہ مشرنگ حق چست و حق شناس کے بہت کہ سر شستہ ہر کام دست او بجا۔ ہمارے خزانچہ مست تھا جس غنہ بدہ طبع اس انگلند کہ پیش از انکہ رپورٹ جہدہ ہمد امید کا بجا چل فرامید و چشم جہاں نہیں فرامید نہ۔

بھر فرماتے ہیں :-

چہرے داہنم کہ چہرگ نامہ درگوشن میرجس دولت وہاں سال بہن مشرعدا مشرنگ  
ستورہ وصال ہائے چہیت ۔ دکاہیدہاں ان نقشا نہیں ساختہ مشرگ کو نہ تیر ستورہ داندا ؛ عایدا عالی شد  
کہ یہ سب نقشا داوان بنا رہا سیدہاری لاکب سیدہ بخت سے فرہشتہ ۔

ایک اور خط میں فرماتے ہیں :-

مشرعدا مشرنگ مردہ داہنمیتی جز نام نیک باغودہرہ ..... اکنتوں سیدہ غوری اندک باہمہ  
دول راہ خیال گرداں چشم رنگین باہیم داو ۔ ہونے کے فرانس اکنت بنا دورہ خصوص داو غرابی  
من ہمدند شاہ است چہرگیم کہ چہرگیم کادہ اندوہ فراہہ است نگیدہ کا دمازی ناں  
چاہک فرام بیاتے قنادہنم اکنتوں پوشش مشرنگ بہ کام دشمن است ۔

نائبے ایندہو مشرنگ کی وفات پہ ایک قلم لکھا تھا جو ان کے خاہسی کلیات میں  
سب میں صاحب موصوف کے اوصاف حسنہ بیان کونے ہوئے فرماتے ہیں :-

برصد شادسی و پنج سالہ دنیا	جہدہ دقت جواناں میں
بروز دست آہم رمزی پہنگ	کہ بود مشر و انجم بہ بیج فرہکس
ہزار دہشت صدسی آمدنی بڑ	کہ جست برقی جہاں میں اہم کس

ہم ہست دہنار باخشاں پیا	ہمیں است دہنا جگر شکاف گیس
لباس نیلی وخت سیاہ پوشیدہ	پہرہاں بہ سپردہ دنیاں بنیں
دگر بیاں ہناتے کہ جہیم بہرین	دگر امیدہ فائے کہ بخشہ تم کس

دافہ نقش خیال سے دہنہ ہشت زخا طرہ سدا شدہ داو خواہ حشریں

رہا ہست مشریدہو مشرنگ کے انتقال سے صرف اُنہیں روز قبل یعنی ۳۱ مئی ۱۹۱۱ء کو ملی





یہ خاتون کے مقدر نگار کے وہ حالات ہیں جو ان کے اپنے حکم کے مطابق ہیں۔

خاتون کے دوسرے کی بناء | اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ خاتون حکومت کے اس شوق کی بناء پر اس نے ہزاروں سالوں کے مطالعہ کی توجیز کے مطابق میرزا نصر اللہ علیک خاں کے انتقال کے بعد کے متعلقین کی پرورش کے سلسلے میں ذاب احمد بخش خاں کے نام پر سب سے پہلے خاتون کو جاری ہوا تھا۔ ذاب احمد بخش خاں مرحوم لارڈ لیک کے، راجہ خٹہ کے شوق پر عمل پیرا تھے جس کے مطابق ان پر صرف پانچ ہزار روپے سالانہ دیا جاتا تھا اور ان پانچ ہزار میں سے دو ہزار دوا جاتی تھے۔ دوسرے تین ہزار نصر اللہ علیک کے متعلقین یعنی والدہ، بہنیں، گران اور بہادر و زان کے لئے مقرر تھے۔ خاتون کو اس آخری شوق کی محنت کے انکار تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس کا کوئی قصود، سرکاری دیکھاؤں میں موجود نہ تھا۔ نہ اس کی نسبت یہ دعوے کیا جا سکتا تھا کہ وہ ہم سب سے پہلے خاتون کے شوق کی طرح حکومت کی منتظمی سے صاف ہوا تھا اس لئے اسے ہم سب سے پہلے خاتون کے شوق اور تہذیب کا مانع نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔

خاتون کے دوسرے کی حقیقی بناء یہی تھی۔

نور مانی کا بیان | خواجہ حالی فرماتے ہیں :-

مشرنگ صاحب سکرٹری گورنمنٹ ہند نے..... وعدہ کیا تھا کہ تمام حق ضرور حکم کرے گا۔ کول  
برک صاحب جس وقت دلی میں رولڈنٹ تھے انہوں نے دلی میں میرزا خاتون سے وعدہ  
پرہیز کرتے کا اقرار کیا تھا۔ ان امیدوں کے دھکے کھانے دو چار سے دو برس تک میں رہے گا۔ آخر  
نیز خاتون کے ساتھ کچھ دیر، گورنمنٹ سے سرکار کے حکم کو دیکھ کر میرزا علیک کے سکرٹری نے  
تھے۔ اور انہیں کے مدد پر جاگیروں اور فیسوں کی مددیں لوگوں کو انہیں سرکار کے سامنے کی  
بابت استفسار کیا انہوں نے سرکار کے دعوے کو غلط بتایا۔ اور جس قسم میں فریڈ ہاؤس سے ملتی قرار  
پائی تھی اس کی پہلی کیفیت جو سرکار کے دعوے کے باطل پر خلاف تھی گورنمنٹ میں بھیج دی۔

لیکن میری رائے میں خواجہ مرحوم کی یہ تحریر بعض غلط فہمیوں پر مبنی ہے۔ پندرہواں سکرنگ  
کا وعدہ اعداد باطل درست ہے۔ لیکن یہ دعوے صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ کول ہو کر نکلتے جانے سے

قبل وہی میں غائب کی سفید طلب پر پورٹ کا وعدہ کر دیا تھا۔ غائب کی ہوتھریں اوپر پیش کی جا چکی ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ کلکتہ میں مقدمہ پیش کرنے کے وقت تک انہیں یہ خیال ہی نہیں تھا کہ ضابطہ کے مطابق مقدمہ پہلے ریڈیفنس میں پیش ہونا چاہئے۔ ورنہ وہ کلکتہ جا کر اور ضابطہ کا پیگمنٹ کر اپنی بیچارگی پر زور نہ دیتے اور کلکتہ میں جیجہ کر دیکھ لیں کے ذریعہ سے ریڈیفنس میں مقدمہ پیش کرانے کے بجائے خود وہی میں فیصلہ کر کے کلکتہ جاتے۔ ورنہ کلکتہ سے کوئل مہتری اداک کا سفارش نامہ کر لے کر بروک صاحب کے نام نہ بھیجتے۔ نیز غائب کی بریلی غاں طلبا لہائی سے منشی لتفا جھین کے نام خط نہ لکھواتے۔

سر جان سکیم کیا تھا؟ یہ اصل دور ہے کہ سر جان سکیم صاحب کے پاس والی فیروز پور کا پانچ سو روپے والا شتہ اس قرض سے پیش کیا گیا تھا کہ اس کی مراد وہ تھوڑا دیکھ کر بتائیں کہ وہ لاٹو دیکھ گا تھا یا نہیں۔ لیکن دہلی ریویژنرٹی کے پرانے ریکارڈوں میں غائب کی فہرست کے متعلق جو کافذات ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ سر جان سکیم نے صرف اس امر کی تصدیق کی تھی کہ والی فیروز پور کے پیش کردہ شتہ پر تھوڑا دیکھ کی ہے اور وہ تھوڑا بھی انہی کے ہیں۔ باقی امور کے متعلق یا غائبانہ امور کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔ غائب اس شتہ کے متعلق اپنے ایک فارسی مکتوب میں لکھتے ہیں

فراق و ملی کیل مرغان حیات و در شب غمیں الدین احمد خان والی فیروز پور صاحب کرامتہ نو و نو  
و کا نگر گزشتہ سے ہے پڑے پڑے اور گفت کو پہلی ہست۔ ہر دو کا گفتگو میں کا گفتگو ہست نہ شدہ و ہر دو  
سیگم ہا و میں ہا و ویدہ ورمی پذیرفت گفتگوں مرا گر کہے چند ہر دو گفتگوں آقا ویکے ان ویکے  
ہست تو ویکم نہ گفت۔ ایک کہ کہ سلطان سیگم چا کہ کہ مرزا سی ہے نام و نشان را با ویدہ ہست نہ شد  
گھر چری را کہ گھر گزشتہ و تر سکا۔ ہی ہست فیروز خان و مرزا ہست یا نہ؟ ورمی ایک ہر گھر ایں  
خوفا کہ ہی خے ترانہ کہ ہست۔ گھر چری را کہ گھر چری ہست یا نہ؟ ایسے کہ گھر چری ہست ہر دو ہست ہر چا  
آہے کہ کہ ایک سو شدہ ہست ہر چا کہ کہ مرزا و مرزا سی ہست ہر چا کہ کہ مرزا و مرزا سی ہست ہر چا کہ کہ مرزا و مرزا سی ہست

دوست بازو اور بدلی چہرہ دکھاتے کہ نہ مندہ جی اسی رہا باید مندہ و دیگر نہ باید خود شید۔

غائب کا دھڑکنے سنو گھبرا | اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار والا شقہ والی فیروز پور سے مقدس کے آگاہ میں پیش نہیں کیا تھا بلکہ مقدس کے آخری دور میں پیش کیا تھا۔ جہاں سونمن کے کھٹے سے جو بی بی شہ کے پرانے ریکارڈوں میں موجود ہے۔ اتنا تھا ہر دو تیسے کہ سرطان کلیم کی تصدیق کے بعد وہ پانچ ہزار کے شقہ کی جگہ سے ملکر نہیں ہے تھے تاہم ان کی بات یہ تھی کہ اس شخص سے حکومت کے شقہ ہفت کی تین تین نہیں ہو گئی۔ لیکن پانچ ہزار والا شقہ ہی صحیح سمجھا گیا اور غائب کا دھڑکنے سنو ہو گیا۔ غائب کے دل پر اس استروہو سے جو اثر پڑا اس کا اندازہ ذیل کے الفاظ سے ہو سکتا ہے۔

کارن ہوا دنگا بدلی چہرہ دکھاتے باشندہ تباہی گزوم۔ حالیا ہاں رسم کہ گرگو، ان و بد بازمین  
 دلکشت رسم عدد و دل جس نے مرد و دینم کہ عرفان ہوا دنگا ہاں و یار ہر نو و دیگر بازمین ہاں ہاں اگر  
 معاش میں ہیں پانچ ہزار رو چہ سالہ ہم دی تفریق اندو سے دفتر سرکار کو سادہ روحان اس راستہ  
 تا نما کو بند ثابت شدہ ہو دیا ہے کہ سما جہان عدد ہوا از چہل و دہ گنہ سے دھندلے کہ ہر زہ لکڑی  
 پانچ ہزار نہ یافت و نمود بافتن ازاں قزول تر نیست۔ تو اس و تیر ازاں ہست۔ کارن ہوا دنگا ہوا  
 اگر میں گشتہ باز دے۔ با یک قبیلہ کو تیشیان و بردا دان میں اندہ تیر و برکتے وہ بھل ہری  
 نام ہوا دوسے۔

مگر دھڑکنے کے پاس پہل لیکن غائب اس پر خاموش نہیں رہے۔ انہوں نے پھر بارہ دست گور و پور کے پاس پہل کر دی۔ وہ اس سلسلے میں دوبارہ کلکتہ جانے کے آند و مند تھے لیکن زاد راہ کا کوئی اتنا مہ تھا۔ اس زمانے میں انہوں نے شاہ اوودہ کی حج میں ایک قصیدہ بھیجا تھا جس کے صلہ کے متوقع تھے۔ اور اس صلہ کو سفر حج کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے وہ منشی محمد حسن کے نام کے خط میں شاہ اوودہ کے قصیدہ کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں:-

یہ کہ سادہ پانچ ہوا دنگا وانی و صلہ حج گسری اس مایہ صافان قزول آید کہ خود اگر اوودہ دھندلے نام  
 ہوا دنگا سے تو اہم کرد و مت اندو سے دھندلے چکا رہا ہے گز۔



صاحب با عدو فروزان ہست بھٹکے شش ایک کو اندر منتقل کر کے مقتدر و ظفر و کھنجر کے ساتھ اپنے  
جنرل انکرنگوشٹ، و فرمان صادر شد کہ جنرل بائیس صاحب منظور و مرہ و کشتہ کا انداز کر لے اور  
مندان سیدات و دانی بروز پنجہر کے اہل و بندہ است مندرجہ دفتر سرکارنا صبح واکمل نقد شد  
درین حال ع

دعاخان کسے ہیں اصل کا پتہ

کہ جنرل سے ملاقات پہلی کی یا خائب پس کے بعد اس وجہ یا یوس ہوئے تھے کہ گورنر جنرل دہلی آئے تو ان کے  
لئے بھی قہقہے۔ وہ خود فرماتے ہیں :-

لاؤ کوئٹہ شنگ بہادر سرہن دوست بہ دہلی نزل اچال فرمودہ نوید بارہ و دروازہ ہاں  
مشاہدہ فرماں، بزرگان و والدان شہر نقد کشتہ و مطلوبان یافتہ۔ خائب مستند نگشتہ  
صورت منظور افعال خود ہست و میں جنگا سرکار کم نہ کر۔ وجہ بارگاہ و سرمد و چشمہ راہ و پیدائش راہ  
دست از جانب بھڑکے مشاہدہ پر دو قاب گورنر جنرل سید ہست ۔

یعنی خائب بھڑکے تھے کہ لاؤ کوئٹہ شنگ تو ان کے ساتھ اضافات ذکر کے شاید جدید گوڑ  
جنرل یعنی لاؤ کوئٹہ ان کی حق رسی چرتو جہ ہوں۔ اس لئے لاؤ کوئٹہ کے ورو کو برصرت قرار  
دیتے تھے جس کی آمد کے انتظار میں وہ بیٹھے تھے۔

ولیم فریڈن آئس الدین | اس دوران میں ولیم فریڈن قتل کا واقعہ پیش آیا جس میں فراب شمس الدین خاں  
خاں کو بھانسی کی سزا | مانع ہوئے۔ ان کی ریاست سرکار لاہور میں نے اپنے قبضے میں لے لی۔  
ولیم فریڈن ۲۲ مارچ ۱۸۳۳ء کو قتل ہوئے تھے۔ فراب شمس الدین احمد خاں تقریباً ایک ماہ بعد  
گرفتار ہوئے اور انہیں ۱۸۳۳ء میں بھانسی دی گئی۔ ان کی ذاتی جائداد فروخت ہو گئی۔  
جس میں اٹھائی اگھوٹے، ساڈنیاں، گھائیں، ہیل میٹں بہا پارچات کے تھان، گھجیاں اور  
بہت سا دوسرا ساڈو ساڈاں تھا۔ دو لاکھ ساڈھ ہزار روپیہ کی رقم فراب صاحب نے پرمیٹنیٹس  
کی صورت میں حکومت انگلشیہ کے پاس جمع کر رکھی تھی جس میں سے دھائی لاکھ روپے بھانسی سے

دو یا تین روز قبل ایک صیت نامہ کے بطور سے انہوں نے اپنی بڑی بیگم کے سر میں ان کے نام  
 کر دیئے تھے۔ نواب صاحب کے ذمے مختلف ساہوکاروں کے قرضے بھی تھے۔ ان کی ریاست  
 سے جن لوگوں کو قرضیں ملتی تھیں۔ ان کے بھائے بھی واجب الادا تھے۔ نواب کی بیگم صاحبہ  
 یہ درخواست پیش کر دی تھی کہ ریاست نواب کی صاحبزادہ ہیں احمد اللہ بیگم اور شمس النساء بیگم کے  
 نام نقل کی جائے۔ میل یہ وی کہ ریاست نواب احمد بخش خاں کو بہتر ٹوٹلی تھی نواب شمس بن احمد  
 خاں کے کسی ذاتی فعل کی بنا پر ان کی اولاد کو آبادی ریاست سے محروم کرنا خلاف انہماک تھا۔  
 نواب کی مانہ درخواست | اس زمانے میں ٹوٹی کا علاقہ آگرہ والا آبادی بغٹ گوردی سے متعلق تھا  
 قاضی بھی اس موقع پر اپنے پرانے مطالبات کے متعلق ایک فصل درخواست مرتب کر کے بغٹ  
 گوردی آگرہ والا آبادی کے پاس پہنچ دی۔ یہ درخواست وہی جیٹھنسی کے پرانے دیکھا ٹوٹوں میں موجود ہے  
 اصل درخواست آگرہ جی زبان میں ہے۔ آخر میں نواب کی درخواست ہے۔ اور ہر کے پاس قاضی کے  
 دستخط ہیں۔ یہ درخواست ۳۰ جون ۱۸۵۷ء کو مینا نواب شمس الدین احمد خاں کی جرنی سے تیار  
 دو ماہ بعد بھیجی گئی تھی۔ اس میں قاضی نے ۲۷ جون ۱۸۵۷ء کے شکر پر جو نواب کے دو سے کے ہنوا  
 کی بنا پر فصل بحث کی ہے۔ ان کی بحث کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) کوئی ہدا یا شکر جاری نہیں ہو سکا جس کا سودہ دیکھا نہیں موجود ہو۔ لہذا لارڈ ایکٹ پر  
 والی خبر نہ ہم کو فرض نہیں ہوا۔ چل ہے اس لئے اس کا کوئی سودہ نہ ملے گا۔  
 (۲) اصل فقیرین گوردی جرنل کے نام کے ساتھ نواب کا خط موجود نہیں۔ اور یہ عام سرکاری دستور کے  
 خلاف ہے۔ لہذا یہ شکر کسی ایسے شخص کا کھانا ہو سکتا ہے جو اس وقت گرفتار اس سے نااہل ہے۔

(۳) اس شکر میں خواجہ حاجی کو میرزا ناصر شاہ بیگ خاں کے اہل خانہ میں شامل کیا گیا ہے۔ حالانکہ  
 خواجہ حاجی اس خاندان کا فرد تھا اور اس خاندان میں اس کی شادی ہوئی تھی۔

(۴) اصل شکر میں ایک خزانہ موجود ہے۔ لیکن چھپ چھپ کی گئی کر یا یہ پنج خزانوں کی رقم نہیں ہر  
 کی اس رقم کے علاوہ ہر کی جو نواب احمد بخش خاں کے ذمے تھی گئی تھی اس رقم میں ہر کی۔

لہذا اس شکر کے ایک اور ایک جرنل ایک چٹاں سے چند تانے آئے تھے۔ ان کے بنے ہوئے ایک کی شادی نواب کی بیٹی  
 ہو چکی ہے۔ ہر کی تھی اور جرنل ایک کی ایک کا خزانہ خواجہ حاجی سے پر گیا تھا اور خط ہر بیگم نے انہماک و خوشی سے

۱۵۵) اگر باغ چڑھ کر رقم کو دس ہزار کی اس رقم کا مصروفہ دیا جائے جو یہ بھی ۱۵۵ لاکھ کو لارڈ ایک کی  
 نچر اور حکومت کی مندرجہ ذیل کے مطابق میرزا خسرو شاہیگ خاں کے تعلقین کے لئے مقرر ہوئی تھی  
 دو سال پہلے کو لارڈ ایک ایک لاکھ لاکھ دواغوراسی رقم میں سے نصف حصہ کیوں کر پیش  
 کر سکتے تھے؟ اور بچے بڑی بات یہ ہے کہ اس باب میں گورنر جنرل سے مندرجہ ذیل میں کی گئی  
 اور اس کے حلقہ کوئی غلط فہمیت موجود ہے۔ لارڈ ایک گورنر جنرل کی مندرجہ رقم میں پچھلے  
 خود تخفیف کے حوالہ دے۔

اس کے بعد خاتون لکھا ہے کہ بے شک والی فیروز پور چھر کے پیش کردہ شہر کی مندرجہ رقموں  
 کی سر جان سیکرٹری نے تصدیق کر دی اور یہ ثابت ہو گیا کہ شہر لارڈ ایک کی مندرجہ رقموں سے جاری  
 ہوا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ذاب احمد بخش خاں نے لارڈ ایک کے عمل کو رشوت دے کر وہ شہر لکھوا بااؤ  
 دو سو سے بہت سے کاغذات میں رکھو اگر اس پر لارڈ ایک کے دستخط لگتے۔

اور لاکھین چار لاکھ مطالبہ آخر میں خاتون لکھا ہے اپنا مطالبہ پیش کیا کہ فیروز پور چھر کی ریاست اور  
 اپریل ۱۸۳۵ء تک نواب شمس الدین احمد خاں کے پاس رہی۔ لہذا اسی مسئلے سے کہ  
 اپریل ۱۸۳۵ء تک سات ہزار سو پے سالانہ کے حساب سے جو دو لاکھ تین ہزار سو پے کی رقم بنتی  
 ہے وہ اس رقم میں سے دلائی جائے جو نواب شمس الدین احمد خاں نے سرکارانگریزی میں  
 جمع کر رکھی ہے۔ اور خراج حاجی کی جو دو ہزار سالانہ شتے رہے ہیں وہ اس پندرہ ہزار کی رقم میں  
 محسوب ہوں جو مندرجہ شاہیگ خاں کے تعلقین کی پرورش واسے دس ہزار روپوں کے علاوہ

۱۵۶) سرکارانہ نے آپ حیات میں نواب ضیاء الدین احمد خاں کے بیان کی بنا پر تحریر کیا کہ سرکارانہ سیکرٹری نے خاتون  
 کے دعوے کے حلقہ یہ لکھا تھا کہ نواب احمد بخش خاں انگریزوں کا قیدی دوست اور امتیاز میر خاں پر تھا  
 عندے لکھا گیا ہے کہ میں نہیں کہہ سکتا کہ نواب صاحب کا یہ بیان سچ ہے یا نہیں ہے لیکن خاتون کے دعوے کی بنا  
 بعض بدعتی کہ نواب احمد بخش خاں نے عمل کو رشوت دے کر قہر کو مستحق لے لئے بلکہ حقیقی بنارہی تھی کہ لارڈ ایک خود  
 حکومت کی کسی مندرجہ رقم کو مستحق نہ کرنا کے حوالہ دے۔



دوالی فیروزپور کے فیسے واجب الادا تھی۔

اس وقت تک نواب شمس الدین احمد خاں کے مقدمے کا فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اور ان کی ریاست اگرچہ سرکار انگریزی کی تحویل میں تھی لیکن ضلعی کے آخری احکام صادر نہیں ہوئے تھے۔ لہذا خائبہ اپنی درخواست میں لکھا کہ اس باب میں تین صورتیں پیش آسکتی ہیں۔ اول یہ کہ ریاست نواب شمس الدین احمد خاں کو یا ان کے وارثوں کو واپس مل جائے۔ اس صورت میں یکمیں ہزار سالہ کی مقررہ رقم حکومت کو ملے یعنی چاہئے جس میں سے دس ہزار روپے سالانہ بھجے۔ وغالغہ، ملیں اور پندرہ ہزار روپے سرکار انگریزی کے خزانے میں جمع ہوں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ ریاست کو حکومت خود سنبھال لے اور ذرا کچھ متعلقین کا گزارہ مقرر کرے۔ اس صورت میں بھی دس ہزار بھجے۔ وغالغہ۔ خائبہ کی شے چاہئیں اور پندرہ ہزار روپے حکومت خود کے تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ حکومت ریاست کو سنبھال لے اور ذرا کچھ متعلقین کا گزارہ بھی دوسے ایسے مت میں بھی دس ہزار بھجے۔ شے چاہئیں اور ذرا ہر جاہی کے وظیفہ کو ہر حال میں ختم کر دینا چاہئے۔

اس درخواست کے آخر میں خائبہ اپنے قلم سے پانچ ہزار روپے سالانہ فارسی شغل نقل کر دیا۔ جو دوالی فیروزپور جہر کے جواب دعوے کی بنا تھا۔

مقدمہ مذکور ہے اس درخواست کے جواب میں انفنٹ گورنر نے حکم دیا کہ فی شکاف ریپورٹ اس متعلق ریپورٹ پیش کریں۔ خائبہ کو اس حکم کا علم ہوا تو انہوں نے پھر ایک برسرِ سرکار کو ایک دستہ انفنٹ گورنر کے پاس بھیجی جس میں لکھا کہ شکاف صاحب کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ حملہ سے تمام مقدمات کا خلاصہ تیار کراتے ہیں اور ان خلاصوں کی بنا پر اپنی رائیں لکھتے ہیں۔ جلد واسے رشوت کے عادی ہیں۔ میرے پاس پہچے نہیں ہیں۔ اس لئے میں انہیں خوش نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں سرکار باب میں محض خلاصہ مقدمہ پر تکیہ نہ کیا جاسکتا۔ بلکہ اصل کا قذات دیکھے جائیں۔

خائبہ کو خوشنم لڑی تھی اس میں سے بھی کچھ رقم واجب الوصول تھی۔ لہذا انہوں نے قریبی درخواست پیش کر دی کہ اول نواب فیروزپور کا جو بھائی لاکھ روپیہ سرکار میں ہے اس میں دو لاکھ

تین ہزار روپے سلسلہ بنایا دیا جائے اور تین ہزار روپے بونٹن کے بنایا میں ہیں وہ اوکے نہیں  
جزوی تھانے کا سالانہ لگ چلتا رہا لیکن اصل دعوے کے جواب میں لفٹ گورنر کا حکم آیا کہ نقد  
سوچیم کوئل میں پیش ہو چکا ہے۔ اس لئے لفٹ گورنر اس کے متعلق کوئی کامدوائی نہیں کر سکتا  
سادے کاغذات گورنر جنرل کے پاس بھیجے جائیں۔

گورنر جنرل کے پاس ۲۲ مئی ۱۹۴۷ء کو غائب لارڈ اکلینڈ کے پاس دو درخواستیں بھیجیں  
ان میں اپنے مقدمے کی روداد تحریر کر دی۔ نیز کساکر سکریٹری اور چیف جسٹس نے میر مقدمہ غراب  
کروایا اور سیکرٹری جج بے اضافی کی آپ خود انگریزی اضافات کے اصول چیرے مقدمے کا  
فیصلہ کریں تمام ضروری کاغذات سرکاری دفاتر موجود ہیں۔ اگر وہی کے حکام میرے مطالبات کے  
سلسلے میں شبہات پیدا کریں تو میں انہیں دور کر سکتا ہوں اپنی درخواستوں میں سے ایک پر غائب  
اپنے قلم سے حکومت کا وہ فارسی شدہ لفظ نقل کروایا تھا جو لارڈ ایک کی تحریر اور حکومت کی منظوری  
کے مطابق مضامہ بیگ خاں کے متعلقین کے لئے دس ہزار روپے سالانہ کے حکم پر مشتمل تھا ان درخواستوں  
کی رسید کی استدعا بھی کی تھی۔

بقیہ حالات مقدمہ اس کے بعد غائب کی تحریرات سے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکتے۔ وہ مولوی علی  
خاں بہادر کو ایک فارسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ لارڈ اکلینڈ کے عہد میں سچائی برصغیر کا رنڈ آئی اور  
دشمن کا سیلاب ہو گیا۔ لارڈ اکلینڈ کے ہندوستان آئے تک زمانے کے حالات بدل گئے۔ والی  
غیر ذہن پرور کھانسی کی سزا تھی۔ ان کی سیاست سرکار انگریزی کے قبضے میں آگئی ہیں نے سرکار  
انگریزی کو مدعا علیہ اور کوش آف ڈائریکشن کو بیج قرار دیا اور مقدمہ ولایت بھیجا۔ لارڈ اکلینڈ کا زمانہ  
ختم ہو گیا لندن سے مجھے کوئی خبر نہ ملی۔ لارڈ این براگور جنرل نے قریب نے اپنی مظلومیت کی بہتان  
ان کے سامنے پیش کی۔ اور ایک انگریزی عرصہ پشت ملک و کشمیر کے نام لکھ کر غائب کی کراہی لندن  
بھیج دیا جائے اس کا جواب چیف سکریٹری صاحب نے الہ آباد کے مقام سے بھیجا کہ عرصہ پشت اور سر  
کاغذات کے ہمراہ ولایت بھیج دی جائے گی۔

میر سید علی خاں عرف حضرت جی کو ایک نادسی گھنٹے میں کہتے ہیں کہ مدت تک فراماندان  
 کھلتے کی بجائے میں بیچ قلاب کھاتا رہا اب دو سال سے میرا مقدر ولایت گیا ہوا ہے۔  
 آدھو کے ایک کتبہ میں خواجہ غلام غوث خاں تجیر کو لکھتے ہیں:-

دارہ برکت ۱۲۰۰ کا لکھا ہوا حکم ضد ہضم کا ولایت کی ڈاک میں موجود آیا ہے کہ اس قصیدے سے مسئلہ  
 اور جانور کے واسطے جو ترجمہ لارڈا میں ہوا سائل سے بھیجیایا ہے غلاب اور غلعت اور ٹیشن کی تجویز  
 فرمادے جو حکم صادر ہوا سائل کو ترجمہ لارڈا میں اس کی مطلق دینی ضرورت ہے۔ یہ حکم مورخہ ۱۲۰۰  
 آؤ جنوری ۱۲۰۰ میں نے پایا فروری ۱۲۰۰ پہلے خوشی اور توجہ میں مگر سے مئی ۱۲۰۰  
 میں نکلتے پختہ آٹا یا دھین ضد ہوا ہو گیا)

لارڈا میں براہ ۱۲۰۰ میں لارڈا میں گورنر جنرل تھے قصیدہ اور عرضہ پشت بہر حال اس سے  
 قبل بھیجے گئے ہوں گے۔ لیکن بارہ برس کے بعد جواب ملا کہ سائل کو غلاب اور غلعت اور ٹیشن ملے گی۔  
 بہر حال ۱۲۰۰ میں لارڈا میں قلاب ٹیشن کے مقدمے میں بنلا تھے۔ اور غلاب اسی سلسلے میں ملکر وکٹوریہ  
 کا قصیدہ لکھا گیا تھا جس نے بداناں ایک قتل ٹیشن اور غلاب کی قریب پیدا کردی۔ لیکن ۱۲۰۰  
 میں ضد ہوا ہو گیا۔ اور غلاب کی ساری قریات ختم ہو گئیں۔ بلکہ ٹین برس تک وہ ٹیشن بھی بند ہی  
 جیسے غلاب اپنے حق سے بہت کمتر سمجھ رہے تھے وہی ریڈ ٹیشن کے پاسنے کا فادات سے معلوم  
 ہوتا ہے کہ ۱۲۰۰ والی درخواست کے بعد غلاب نے ۳ جنوری ۱۲۰۰ کو پھر ایک درخواست  
 لارڈا کلینڈ کے پاس بھیجی تھی جس کا جواب ۳ جنوری ۱۲۰۰ کو یہ آیا کہ سابقہ فیصلوں میں ترمیم  
 نہیں ہو سکتی۔ ولایت جو عرضہ پشت بھیجی گئی تھی وہ گورنر جنرل کے اس حکم کے بعد بھی ہوگی۔  
 قلاب کے لارڈا میں | قلاب کے نادسی کلیات نظم میں متعدد انگڑیوں کے مدحیہ قصائد و تعلقات موجود  
 ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر غلاب کی حق اسی کہ بہت ٹیشن کے مقدمے کے سلسلے میں کی گئی تھی۔  
 مثلاً مسٹر منڈیرو مسٹر رنگ کے قصیدے بعض اشارہ اور نقل ہو چکے ہیں۔ وہ چیف سکریٹری تھے اور



یک دوپیشش وارم و ازل گوہر بار  
آند و تھنہ کام پاش آں دیدہ ام  
سر پہ منکاف | چار کس شکاف کے قصیدے میں فرماتے ہیں :-

یاد باد آنکہ ایں مرحلہ تا گلگتہ  
کر وہ ام سٹے ہا امید تورہ دور و معانہ  
گر نہ اندیشہ بہ محل قوتی دل گشتے  
ناقہ سعی من از دہادہ فکر ویدے باز  
ناز واپس از شدت جوہر شرکاست  
خز ویرانی و غیبرگی و شوقی و آواز  
بر منج من دیدہ تے کہ کشاید و اور  
حیث باشد کہ کند نصم ہا اندیش فراز  
ہفت سال بہت کہ بایک گز و غریبیم  
من غاصب چو سر شستہ شمع دوم کار  
اور خوشخوارگی خوشی و راندہ غضب  
من ز بیچارگی خوشی بہ آداب نیانہ

\*\*\*\*\*

خود تو دانی کہ ایں نصم کس جنوں  
جز یہ تا سید تو اس خس و خوارش فراز  
ہو کہ اندازہ و تاید بہ دوستی و خلل  
ہو کہ اندیشہ گراید چہ حقیقت از بھاز  
طاقت نیست بھا کہ کف پائے تو تم  
ز آنکہ غم و جملہ سوز بہت و جلا نہ ہو گزارد  
چوں چرخ رویا دم بہ گزر گھاٹنہ  
واور از دور تر از ہر جہ بہ عالم پرواز

پانچ مطالبات | آہفت سال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ قائب <sup>۱۸۳۳</sup> میں لکھا گیا تھا اس

میں اپنے مطالبات سے متعلق لکھتے ہیں :-

پنج مطلب ز تو ام بہت و بہ جد گزاید  
خواہم آں پنج علی اثر نصم خس و خوار  
اول این بہت کہ دہا سناشے کہ مرآت  
کئی اندیشے سکم بہ طریق ایجاب  
ہر چہ درد فقر سرکار و بوقش پچہ  
ہم بہ اندازہ آں نقش شوی ماندہ مانہ  
دوم آں کن اثر علی تو اس کے سحر و جاد  
غیر بانندہ ویریں وجہ نباشد دانبا  
سوم آں بہت کہ دیکر نصم بہت طلب  
میش از ماندہ و سوات بدیوزہ و راز  
اہم پنجویں سرکار بہتے خواہم  
داوہ انصاف دس یا پنگی اذان و راز

چارم آن است کہ باقی زیر چندین سالہ بے خلق مہبل و جہد بہن گروہ باز  
 پنجم کن کہ میں ایں فتح کننا بدوئے دہی ام مژوہ اکرامہ و دیہ ہسنار  
 سجنشی ام تازہ خطا ہے و برائ افزائی غلعتے و در خور ایں دولت جاوید طراز  
 فاسب کی اتحاد و کلامی کے کمالات کا یہ عجیب کرشمہ ہے کہ وہ نہایت خشک مطالب  
 کہے غلطی کے ساتھ شعروں میں لکھتے جاتے ہیں اور شہریت میں بال برابر فرق نہیں آنے دیتے  
 وہ کہے اشما میں ملاحظہ فرمائیے کہ اپنے پانچ مطالبات کس خوبی سے قلم کئے ہیں کہ اول مجھے  
 چشن سرکار کی شہرہ کی کے مطابق ہے۔ دوم میری ہٹن دوم سرے متعلقین سے علیحدہ کر دی جاتے  
 سوم مجھے والی فیروز پور جگر کے رو برو دست طلب و راز نہ کرنا پڑے بلکہ ہٹن سرکار کی خزانہ سے  
 متعلق ہو جاتے۔ چارم ہٹنا رو پیہ اب تک وصول نہیں ہوا وہ مل جاتے پنجم مجھے نیا خطاب  
 اور خلعت دیا جائے۔

مقدمہ ولایت ہمارا ہے جس زمانے میں مقدمہ ولایت جاری تھا ایں باتیں حکومت ہند کے کسی کن کن شخص

بہ صدر سے دو دایں بائیں کل بسم اللہ  
 تو کر دی تو کوئی کارم اعتقاد ایں بہت  
 رسیدے وہ پاتے تو سودے سر مجر  
 سفید مطلب من بکرت سبے کہ بود  
 امید لطف تو دل سے وہ ہیں شادوم  
 بہ ذوق مستوب زمان مراویے تاہم  
 ذخیرہ روز بہ لندن رساندے ذوق  
 داروہین لارڈ آکلینڈ کے قصیدے میں لکھتے ہیں

از تو رسیدم بہ فوش در نہ بلسم سرا  
 از تو توانا شدم حد نہ مرا روزا  
 سرکہ ز صبا چشید از ہر زشکر گرفت  
 چارہ زبے ناگی صورت ابر گرفت

خودست دل اور درخشاں زخم مجبور بہمن از پئے آں سنجیتہ تار از تن لافس گرفت

\*\*\*\*\*

ہم نہ وہم گرم خوش خشک نو و ہمہ حق صدرہ انگنا زخم از شرو و گرفت  
 پا تو چہ گرم جہو رو یزدان اضااف تو غافل ظالم بہ سوخت ستم ہم گرفت  
 آخری شعر میں ذاب شمس الدین خاں کی بھانسی اور یا ست غیرہ پر ہجر کی کئی ضحلی کی طرف

اشارہ ہے۔

۵۔ **دوا میں** یا **لا روائین** ہر اس کے قصیدے میں فرماتے ہیں ۵

چ گفتارم تو نگہ گر بہ سیم و تسم زمین بکلیہ میں شد گلستاں بعد ویرانی  
 بہ رسم نگہ سنجاش در سخن نامم و وقاب بدیں نام از اقل آوردہ احقر سنجاشانی  
 مراد و دست اندر دل کہ جان فرسائی آتزا خدا زخم چارہ اما ایں قدردا زخم کسے دانی

\*\*\*\*\*

کرم سے کروگر لارہ بکھیندند اہ غمخواری تو نیز انداہ غمخواری کرم کن کہ کر میانی  
 ازاں دستانہ شیخ تو آرم ہذائش کہ باہن دہشت گوناگوں تو از سنجاشانی  
 گرا و درشتہ شیخ غمخواری ہر نامرودے ترا باید کہ ہر فرق سخنور گو ہر افشانی

دوسرے قصیدے میں فرماتے ہیں ۵

رفت آں غم خندا و ہمیں شاد و سینن و انم کہ مرودہ زندہ شد اندر زمان تو  
 و در جہانیکہ کوشش سن را کاش رفت خود ہم زحق حیات ابد را کھان تو

۶۔ **دکتر** یہ کے قصیدے میں غائب نے پیدلہ مالک کیا تھا۔

آں باد و دور نیست کہ گفتار من مرا یہ سائے غزو چاہ بریں آستان وہ  
 آں باد و دور باد کہ ملک ویر غلام آوازہ تو از شمن و جہاں وہ  
 آں باد و دور ہست کہ فرماندہی کہنم بر یک دودہ کہ گنگ ہند و ستاں وہ

آں اودو خوش بود کشتنشا و کج شد بر انجام خوش پیش ہستادند غاں وہ  
 میر خیال ہے کہ قاتل کی اقتصادی و مالی حالت کی تخریب میں اس فنشن کے مقصد کا بڑا  
 حصہ تھا۔ انہوں نے اس پر کافی روپیہ صرف کیا۔ اور مدت مدید تک انہیں یہ قرض لگی رہی کہ فیہ لاکھ  
 حق میں ہر جائے گا۔ اس بنا پر وہ بلا تعلق قرض لیتے رہے اور انہیں قرض و تار و تار ایک وقت  
 میں انہیں یہ امید ہو گئی تھی کہ دو لاکھ تین ہزار روپیہ ایک مشت ل جائے گا اور اتنی ہی رقم کے  
 ایک مشت ل جائے گی امید پر قاتل کو قرض کا بڑے سے بڑا بوجھ آٹھا لیکن میں بھی کیا تال ہو چکا  
 اور سو دھارے جو کچھ لے لے ہی ہوئی مگر حاجت نامہ پیش داسی کو زیادہ سے زیادہ قرض دینے میں تذبذب  
 کی کرن سی وجہ تھی۔ بہر حال قاتل مشت لے کر سٹیشن لے گیا اور اس قرض میں اچھے رہے۔  
 اور اسی شمس میں نئی فنشن، نئے خطاب اور نئے اعزاز کی توقع پیدا ہوئی جو مشت لے کر خدا جائے  
 کشتنشا و درخت بال کے کیسے کیسے خیالی متکبران کے سامنے پیش کرتی رہی۔ یہ دل خوش کن مناظر  
 اس وقت سرب ثابت ہوئے۔ جب شمس حیات کی گھنٹہ سافٹیں طے ہو چکی تھیں اور شہر فرشتا کا  
 سوا و باطل سامنے آ گیا تھا۔





# ساتواں باب

## ابتلا و اسیری

چرخ یک مرد گر فانیہ بزند ان خاں  
یوسف از قید زینب بد آمد گوی

۱۲۶۳ھ مطابق ۱۸۴۶ء میں غائب پر اسیری کی ابتلا نازل ہوئی جسے غائب کی شائع شدہ تصانیف میں اس واقعہ کے متعلق کوئی مراد نہیں مل سکتی خواجہ حالی مرحوم فرماتے ہیں کہ غائب نے ایک فارسی خط میں اس واقعہ کو اختصاراً لکھا ہے۔ میری نظر سے یہ خط نہیں گزرا خواجہ مرحوم نے اس خط کا جو اقتباس یاد نگاریں دیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غائب کو چار سو روپے مل چکے تھے بہت شوق تھا۔ چو مرتجب کھیتے تھے ہڈے نام کچھ بازی چکر کھیتے تھے۔ کہ قول دشمن تھا اس نے قمار بازی کا مقدمہ بنا دیا۔ مجسٹریٹ غائب کی حیثیت، مرتبہ اور ذاتی حالات سے ناواقف تھا اس نے چار ماہ کی قید کی سزا دی۔ سیشن بھی میں اپنی کیا گیا۔ جج اگرچہ غائب کا دوست تھا۔ اور اکثر صحبتوں میں بے تحلف ملتا تھا۔ لیکن اس نے بھی متقابل اختیار کیا۔ اور سزائے قید بحال رکھی۔ صدر میں اپنی کیا گیا لیکن وہاں بھی کوئی شنوائی نہ ہوئی تین ماہ کے اختصار کے بعد مجسٹریٹ نے خود ہی رڈائی کی۔ رپورٹ صدر میں پہنچ دی۔ اور غائب تین ماہ کے بعد رہا ہو گئے۔ خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ قید میں ان کی حیثیت محض نظر بند کی تھی۔ لیکن ان پر اور دوسری ضروریات ان کو گھر سے پہنچتی تھیں۔ دوست ان سے جات کھلتے ملتے تھے۔ لیکن اس زمانے کے حالات اور ذمیت جرم کے اعتبار سے یہ واقعہ غائب کی نظروں میں نہایت ذات فیض تھا۔ اور اسے انہوں نے بے حد محسوس کیا۔ خواجہ حالی کے بیان کے مطابق وہ خود فرماتے ہیں :-



ظاہر ہے کہ ان حالات میں قمار بازی کا جائز نام تو کما سب بھی حکام کی نظروں میں بہت سنگین جرم بن گیا ہوگا۔

غائب کے خلاف مقدمہ | اس کتاب میں غائب کی گرفتاری اور مقدمہ کا ذکر سب سے پہلی مرتبہ ۳۵ جون ۱۸۸۳ء کے حالات میں آیا ہے تحریر مندرجہ ذیل ہے :-

مرزا اسد اللہ شاہ بھادر کو دشمنوں کی غلط اطلاعات کے باعث قمار بازی کے جرم میں قید کیا گیا  
مسلم احمد و بھادر (ریڈیٹنٹ) کے نام سفارشی ٹیپس و بھادر شاہ کی طرف سے لکھی گئی کہ ان کو آزاد کیا جائے  
یا سفارشی ٹیپس سے ہیں۔ یہ جو کچھ ہوا ہے محض حاسدوں کی غرض و بازی کا نتیجہ ہے۔ عدالت کو خبر  
سے غائب صاحب کھن بھادر (ریڈیٹنٹ) سے جواب دیا کہ مقدمہ عدالت کے سپرد ہے یہی بات  
میں قانون سفارشی کرے گی، عدالت نہیں دیتا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ غائب ۳۵ جون ۱۸۸۳ء کو یا اس سے چند روز قبل گرفتار ہونے  
بھادر شاہ و بادشاہ اور ان کے درباریوں کی رائے بھی یہی تھی کہ یہ گرفتاری محض حاسدوں کی غرض و  
سے مل میں آئی ہے، اور غائب قمار بازی کے ترکس نہیں ہوئے۔ اسی بنا پر ریڈیٹنٹ کے سفارشی ٹیپس  
لکھی گئی لیکن ریڈیٹنٹ نے جواب میں یہ لکھا کہ مقدمہ عدالت میں جا چکا ہے۔ اور اس حالت میں  
قانون قبول سفارشی کی اجازت نہیں دیتا۔

۲ جون ۱۸۸۳ء کے حالات میں پھر غائب کے مقدمہ کا ذکر آیا ہے۔ تحریر مندرجہ ذیل ہے :-

مرزا اسد اللہ شاہ غائب کے عدالت نوپاری میں جو مقدمہ دراز تھا، اس کا فیصلہ لٹا دیا گیا۔ مرزا  
صاحب کو کچھ میسج کی قید با مشقت اور دوسروں سے جبرائے کی مرزا جوئی، اگر وہ سوروں سے جبرائے اور ان  
کوئی ترکہ اور قیدیوں اور خانا ہو جائے گا، حضور جبرائے کے علاوہ اگر کچھ اس مدد سے زیادہ اور کئے جائیں  
تو مشقت صاف ہو جائے گی، صاب اس بات پر خیال کیا تھا ہے کہ مرزا صاحب عرصے میں رہتے  
ہیں، اس سے پہلے ہی غائب چلی گئی کے دو کرنی چیزیں لکھتے، ترکہ نامہ ہے کہ اس قدر مشقت اور

محببت کا بداشت کرنا مرزا صاحب کی طاقت سے باہر ہے۔ بلکہ طاقت کا اندیشہ ہے اس وقت کی  
 ہے کہ اگر دشمن راج کی عداوت میں پہل کی جائے۔ اور اس مخصوص نگرانی پر تو صرف بہتر موقوف ہوگا  
 بلکہ عداوت فرجیاری سے مضمرہ تھا یا جلتے یہ بات اصل و انصاف کے اجل خوف ہے کہ یہ  
 باکمال رئیس کو جس کی عزت و حرمت کا وہ بدبر لوگوں کے دلوں پر چھیا ہوا ہے مگر جو ہم میں امن ضروری ہے  
 جس سے جان مانے کا قریٰ اقبال ہے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ غالب کو چھ ماہ قید و محنت کے علاوہ دوسرے چھ ماہ کے  
 سزا بھی دی گئی تھی اور پھر مدت درم او اسے جرمانہ مزید چھ ماہ کی قید کا حکم سنایا گیا تھا البتہ یہ کہ وہ  
 گیا تھا کہ وہ پچاس روپے کی رقم دے کر شفقت معاف کر سکتے ہیں

۱۱) غالب کا آخری حصر امن الا خیار کے ایڈیٹر یا اس کے نام نہ تھا رکھا ہوا ہے۔ اس کا نام چھ ماہ  
 ۱۲) غالب کی صحت اس زمانے میں ابھی دینی تھی۔ اور وہ پرہیزگری غذا کھاتے تھے۔

۱۳) عام خیال تھا کہ سزا بہت سخت دی گئی ہے۔

۱۴) وہ جسے باکمال رئیس سمجھے جاتے تھے جن کی عزت و حرمت کا وہ بدبر لوگوں کے دلوں پر چھیا ہوا تھا۔  
 ۱۵) اندیشہ تھا کہ وہ اسیری کی تاب نہ لاسکیں گے۔

میرزا خیال ہے کہ شفقت پچاس روپے دے کر معاف کرالی ہوگی اور وہ دوسرے چھ ماہ بھی  
 یقیناً ادا کر دیا ہوگا۔

غالب کا جب قید کی حالت میں غالب نے چھ ماہ کی قید کا ایک فارسی بحر کیسب ہند لکھا تھا جو ان کی بہتر  
 نظموں میں سے ہے لیکن غالب کے عزیزوں اور دوستوں نے اسے کلیات نظم میں شامل نہ کرتے  
 دیا۔ غالب اس خیال سے کہ اس نظم کی اشاعت سے غالب کی قید کا واقعہ ہمیشہ کے لئے منظر عام پر  
 آجائے گا۔ انہوں نے یہ خیال دیکھا کہ شاعر کی زندگی محض شعر بولتی ہے۔ دنیا کو اس کے حالات کی  
 پہچانی یا برائی سے براہ راست کوئی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ محض اس چیز سے واسطہ ہوتا ہے کہ مختلف

واقعات نے اس کے ساز و سن میں سے کون کون سے قرآنے پیدا کئے۔ غالب کے دوستوں اور عزیزوں کی غلط اندیشی و تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے قید کے واقعہ کو چھپانے کے اہتمام میں غالب کی ایک بہترین نظم کو مٹانے کرنا پسند کیا۔ بھلیاں تمام فارسی کے چھپ جانے کے بعد غالب نے ”تہذیب“ کے نام سے اپنے بعد کے کام کا جو مختصر سا مجموعہ شائع کیا تھا اس میں یہ ترکیب بند بھی شامل کروایا تھا۔ افسوس کہ ”تہذیب“ والا کلام کلیات کے بعد کے ایڈیشنوں میں شامل نہ ہو سکا اور اب ”تہذیب“ بے حد کیا ہے۔ اس ترکیب بند کو قاتلہ ادب کرتا ہوں شاید اس طرح یہ زیادہ محفوظ ہو جائے اور اباب فوق اس سے مستفید ہو سکیں۔

قید کی حالت | خراج عالی مرحوم کا جو بیان اور پروج ہو چکا ہے اس میں صاف مر قوم ہے کہ قیدی غالب کی حیثیت محض نظر بند کی تھی۔ کھانا، کپڑا اور دوسری ضروریات ان کو گھر سے پہنچتی تھیں۔ دوست ان سے بلا تکلف ملتے تھے۔ عام قرائن بھی اسی بیان کے موافق ہیں لیکن خود غالب نے تجسّی میں لکھا ہے نہ

شادوم از قید کہ از بند معاش آقا دم

از کف تختہ رسد جا مرد نامہ در بند

میری رائے میں یہ سخن گسری ہے۔ انکار واقعہ نہیں ہے۔

غالب کے غیر مطبوعہ اردو کلام کے سلسلے میں مختلف اصحاب نے یہ شعر بھی نقل کیا ہے ۵

جس دن سے کہ ہر خستہ گرفتار بلا میں

کپڑوں میں جوئیں جھٹکے ناگوں گلوں میں

جناب نظامی جڑوئی اس شعر کی شان نزول کے باب میں فرماتے ہیں کہ غالب اتفاقاً قید ہوئے

تھے۔ وہاں کپڑوں میں جوئیں ہو گئی تھیں۔ ان کوڑیں رہے تھے۔ کو ایک ٹریس نے جا کر پش مزاج کی۔

غالب نے فی البدیہہ یہ شعر نہ کہا۔

مجھے اس بات سے بحث نہیں کہ یہ شعر غالب کا ہے یا نہیں لیکن اس کی شان نزول کو درست تسلیم کرنے کی وجہ ہمیں نہیں آتی تاہم الاخبار کے بیان سے ظاہر ہے کہ پچاس روپے اور اس پر شقت صاف ہر جائے کا سرخ حاصل تھا۔ اور یہ امر قرن قیاس نہیں کہ غالب نے یا ان کے دوستوں نے فوراً پچاس روپے ادا کر دیئے ہوں اور شقت صاف دکرائی ہو مگر غالب بہت بکر رہیں تھے۔ مجھے شک ہے کہ خود بادشاہ وقت نے ان کی راہائی کی سفارش کی تھی یا ظاہر ہو صورت تعالیٰ نہیں کران کی سزا کی تھی اس حد تک پہنچ گئی ہوگی کہ انہیں اپنے کپڑوں میں سے جویں چھیننے کی ضرورت پیش آتی۔ تسمیہ سے ظاہر ہے کہ اس جنگ میں نواب صاحب نے امانت انور دی اور وہ اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اسی وجہ سے غالب نواب صاحب مرحوم کا خاص طور پر نکر کیا بلکہ یہ بھی نکر دیا کہ میرا غلام دوست غلام دی کے لئے موجود ہو تو مرنے کا بھی غم نہیں۔ نیز علی غلظت قید میں گزار دی تھی اور اگرچہ ماہ کی مدت تکمیل میں پوری ہوئی تو عید منی بھی قید ہی میں آتی۔

آخر میں میں جیسے پاس باب کو شتم کرتا ہوں

خواہم از بسندہ زندان سخن آغاز کنم	غیم دل پرودہ دلی کردن خفاں ساز کنم
بہ نوائے گوز مضرب چکا نذر کتاب	خوشین را بہ سخن دزم مرہ پروا دکنم
در خرابی بہ جان می کدہ بنیا و نغم	در سیری بہ سخن و عمری امجا دکنم
بے شقت بنو و قیدہ چشمہ آوزم	روز کے چند رسن تابی آواز دکنم
چوں سراپیم سخن ہنساف نہ مجرم غم	چوں نویسم غزل اندیشہ ز غماز دکنم
تا چہ انسوں بہ خود از محبت میا و دہم	تا چہ غول در بگردد حسرت پروا دکنم
یار و ریزہ نسدم رنجہ سفر با کا رنجا	تس نہ گنجہ کہ تو در کوئی دمن باز دکنم
بائے تارسانی طالع کہ پس گرد و باز	با غر و شکوہ گرد طالع تاسا دکنم
اہل زندان بہ سر و چشم خود مر جا و دند	تا بدیں صدر نشینی چہ مستور ناز دکنم
بند زندان گرفتار و غایتست چشمہ	خوشین را بہ شامہ دم و ہمارا دکنم

من گزافم وایں دائره دروغ تن  
در سخن بیرونی شیوہ ایسہ نہ کنم  
گرچہ تو فتح گرفتاری جاویدم نیست  
لیکن از دہر گذشتن لی ایسہم نیست

شمع ہر چند جسد زادیہاں سوزد  
خوشتر آن است کہ بفتح دریاں سوزد  
مردن ہر نہ سوزد و اگر خوشی است  
بگزارید کہ در جسد سلطان سوزد  
خادم نہ آتش بیدار و دود و دشت و بیخ  
سوخن و دشت ز طبع کہ شبستان سوزد  
منم آن خستہ کہ گر خستہم بجز نایم  
برین از مہر دل گیسو و مسلمان سوزد  
منم آن قیس کہ اگر سوسن بآید بیستے  
محل از شعلہ آواز جسدی خواں سوزد  
تا چاکم کرد و روز بہ شبہا در یاب  
از چرخے کہ شمس بدور زنداں سوزد  
شتم در بندہ را بنوہ قیساں لرزد  
دلہ اندوہ و ہوا مدوہ اسیراں شود  
اوغم دیدہ من خستہ فغان خیسو  
از تفت نالہ من چہ کہ بریاں سوزد  
آہ نہیں خانہ کہ روشن نشود و در شب تار  
جز ہاں خواب کہ در چشم نگہباں سوزد  
آہ نہیں خانہ کہ در دہے خواب یافت ہوا  
جز سوسن کہ خست و خانہ سیاہاں سوزد

اے کہ در داوید شہا چہ افغم شہری

دلہ اندوہ بہ دلہ ناکر کہ افغم شہری

پاسبان بہم آئید کہ من سے ایم  
وہ زنداں بچشائید کہ من سے ایم  
ہر کہ دیدے بہ در خویش سپاسم گفتے  
خیر مقدم بہ سرتیڈ کہ من سے ایم  
جاوہ نشناسم و را بنوہ شہا سے ترسم  
را بہم از دہر فنائید کہ من سے ایم  
رہرو جاوہ تسلیم و رشتی بکشد  
سخت گیرندہ چہ آئید کہ من سے ایم  
خست تن در دہر و تہذیب ضرور ہست اینجا  
عارض خاک بہ پاشیدن غول تازہ کیند  
فلک آریدہ بہ سرتیڈ کہ من سے ایم  
روح خانہ فرمائید کہ من سے ایم

چل من آیم ہنشا شکوہ گوہ دل دوست      زیک پس ز غنائید کہ من سے آیم  
 ہاں حریفان کہ دریں کعبہ اقامت دلدید      بخت خود را بہ ستائید کہ من سے آیم  
 تا بہ دور وادعا زنداں ہے آہ و دلی من      قد سے خجستہ بنائید کہ من سے آیم  
 چوں سخن سخن فرزاگی آئین من است      بہرہ از من بہرہ باید کہ من سے آیم  
 بخور و عاشق بہ پایید کہ خود باز رویہ      چمن از سر گزینید کہ من سے آیم

بسکہ خوشیاں شدہ بیچکا نہ نہ نئی من

غیر شکست خورد گر غم نہ نائی من

آنجہ نسوہ است ہم امروزہ آمد گونی      آفتاب از جہت قبلہ پامد گونی  
 دل دوست سے کہ مراد و فہ و ناند گونی      شب رعد کہ مراد و سر آمد گونی  
 سرگزشتہ ہمہ رنج و الم آرد گونی      سر دشتہ ہمہ خوف و خطر آمد گونی  
 بہرہ اہل جہاں چوں ز جہاں دور غم است      بہرہ من ز جہاں بیشتر آمد گونی  
 خشن کو بستن من حدس نیست بد      بر من ایضا از تضاد قدر آمد گونی  
 ہنرم را خواں کرد چہ خشن ضلوع      خنکی غارہ ہوسے ہنر آمد گونی  
 غم دل داشتہ ایک غم جانم داوند      ز غم را ز غم دگر بر اثر آمد گونی  
 چرخ یک مرد گر افایہ بہ زنداں خواہد      یوسف از قید زنجار آمد گونی  
 خروہ اشب ز کجا ایں ہمہ غناب آورد      ایں خنیں گرم زندہ غم بگر آمد گونی  
 خود چراغوں خورم از غم کہ بہ غلامی من      رحمت حق بہ لباس بشر آمد گونی  
 خواہ بہت دیں شکر کہادہ پیش دست      پایہ خویش شتم در نظر آمد گونی

مصلحتے تمناں کہ دریں واقعہ غم و غم من است

گر بہ میرم چہ غم از مرگ غم او من است



خواجہ دامنم کہ جسے روزگار نامم در بند  
 یک دانی که شب در روز ندانم در بند  
 یک پسندم که گس آید نخواهم که روم  
 جانب و در چو حسرت نگرانم در بند  
 خست نام خست سحر و دعوی تمکین حاشا  
 بند سخت است تبسیدن نخواهم در بند  
 شادوم از بند که از بسند حاشا گلام  
 از کف شعله رسد جامه و نامم در بند  
 آسود و جامه بیارید و جل خیر رسید  
 یاسب ایس گوهر معنی که نشانم نکاست  
 خواب از بخت پس و نامم ستانم در بند  
 هر کس از بسند گران نالودن کس که نغم  
 بند در تن بود و نیست زبانم در بند  
 غمت خوش بر مصیبت زود بخور و گرسنت  
 نامم از خویش که بر خویش گرانم در بند  
 رفت و دوباره من حکم که با و دو و در بن  
 رنج از دیدن سچ و گرانم در بند  
 اگر این است خود آن است که عید منی  
 شش سر از عمر گری گزیرانم در بند  
 عدت قید اگر در نظر من هست چرا  
 گز و نیس ز چرمید و صفایم در بند  
 خون دل از خرقه بے صرف چکانم در بند  
 نیست طفل که در بسند روانی باشم  
 هم ز دوق هست که در بسند عالی باشم

من ز آنم که از این سبب شکم نبود  
 چه کنم چون بقتضای هر چیز شکم نبود  
 زین دودنگ آمده صد گنگ بلی بچو  
 کافریست که از بخت دور نگم نبود  
 در دانا نام مساوی جاوید بلاست  
 بهر آزار نام از قید منسرت شکم نبود  
 لرزم از خوف و یک جگر که از خشت چنگ  
 و من و فعل خطر ز کام شکم نبود  
 زین دودنگ که پویند هم سے ترسم  
 غیس از شیر و هوا سے زین شکم نبود  
 ستم آئیند و این حادثه تنگ است مے  
 تاب چه نامی آگاش ز شکم نبود  
 آه از این نام که سراسر ایند زندان آمد  
 اندرین و آنر و گیسر هم که در شکم نبود  
 بعداں و اروم سید روانی در بند  
 و این اوج روانی تو شکم نبود

چو را نعل از دوزخ نازل به پای بسیکن طعن احباب کم از دهنم خدنگم نبود  
حاش شد که درین سلسله باشم خوشنود چه کنم چوں سراپا رشتہ به پیکم نبود

چسبید قلم خویش بودستی من

اندکی بندگراں بین و سبک دستی من

همه ماں و مرد و نم از دیده نمایسد همه غائب غم زده ما روح و دوا نمیدهم  
شد که در پیش و نشاید همه شد افسوس که باشوکت شایسد همه  
همه دلا آئین نظر حسرت سازد همه هم در تسلیم سخن شاه نشایسد همه  
چشم بد دور که فرخنده نمایسد همه شاد باشید که نسج گرانید همه  
سود و نادر و وفایسد همه زنده مانید صفا غالب بایسد همه  
من بکون خفته و بسیم نمیدید همه من جگر خسته و دوا نمیدید همه  
در میان ضابطه مهر و وفاست بود است من برینم که هرگز نرسد بر آید همه  
روز است از نگر خفتید و فلاست چنان است بارے از لطف بگو نیچر بایسد همه  
گر نباشم به جاں خدا و خست گم گیدید اسے که سر و دامن بلغ جانید همه  
چاره گر نخواستن کرد و دعائے کافی است دل اگر نیست خداوند بایسد همه  
هفت بند است که در بند رقم ساختیم بنویسد و به بسیند و بجانید همه

آں خدا ششم که به هر دم ز من یاد آید

دارم نمید که در بزم سخن یاد آید



# آکھواں باب

## مالی حالات، بیج گونی اور جلیہ بابی

گفتنی نیست کہ بر خائب ناما مہر  
مے توں گفت کہ ایں بندہ خداوند شد

غائب کی زندگی مالی مشکلات کے جس چیرم اور پریشان حالی دور ماندگی کے جس المیہ میں گزری  
اس کا صحیح نقشہ اور کاشعوش کردہ ہے۔ اسی ضمن میں کہ وہ اردو میں یوں لکھتے ہیں :-  
دزدگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب  
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا بکھتے تھے

وہ بڑے خوشحال اور دولت مند گھرانے میں پیدا ہوئے تھے باپ اور چچا کا سایہ کسینی ہی میں  
ان کے سر سے اڑ گیا تھا۔ وہ فطرتاً ہی ابلی تھے نتیجہ یہ نکلا کہ ثروت کی سبقت قبول غلامی کی سرخویش  
اور بے پرواہیوں سے انہیں حد درجہ سرف اور غیر عطا بنا دیا جب دولت و ثروت کے جمع شدہ ذمہ  
ختم ہو گئے تو وہ اپنی روٹی کو بدھنے کے بجائے اپنے بڑے ہوتے مصارف کے لئے بلا تکلف و قرض  
لینے لگے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ اسراف ان کی فطرت کا جزو بن گیا شراب کی عادت ایسی چڑی کہ  
آخری دم تک چھوٹی۔ ان کی ذاتی آمدنی کے وسائل بہت محدود تھے لیکن جمع شدہ دولت نے  
ابتداء میں ان کی قلت کی طرف متوجہ ہونے کی ہمت ددی جب وہ تنگ ہوئے تو قرض بردہ نہ لینے  
کی جانب خیال منتقل ہوا۔ اور انہوں نے مقدمہ کا سلسلہ جاری کیا جو ۱۸۷۱ء سے شروع ہو کر غالب  
تک جاری رہا اس کے دوران میں انہیں مسلسل یہ امید ملی رہی کہ وہ بہر جلد بدل جائے گا۔ اسی ضمن میں انکو  
پچھلے کی طرف سے نئے مسئلے کی توقع پیدا ہو گئی جس میں وہ خدا تک اُدھے رہے۔ یہ ہر حال تکلف و قنات

کی بنا پر وہ قرض لیتے رہے اور اپنی آمدنی کا بیشتر حصہ سو میں ضائع کرتے رہے دوسری وجہ یہ پیدا ہوئی کہ ان کے معذرا میں کشائش کے ہوتے ویسے سدا سنے گئے رہے یا تو ان میں ناکامی ہوئی یا اگر کامیابی ہوئی تو وہ ویسے زیادہ ویرانہ قائم رہا۔ اس لئے اپنی زندگی کے متعلق خاص کج نظریہ میں روشنی اور امید کی کوئی جھلک باقی نہیں رہی تھی۔

اس کی بڑی اہم صاحب عالم بادشاہ کی نام ایک خط میں انہوں نے اپنے مختلف وسائل و مسائل کا حال لکھا ہے۔ خاکہ مافی ثنن اور اس کے مقدمے کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

بعد ایک راستہ کے بادشاہ اہلی سے پچاس سو پے عینہ مقرب کیا۔ اس کے درجہ سے چار سو روپے سال ملے اور اس مقرب کے دو برس بعد مر گئے اور اسی شاہ بادشاہ اور اس کی سرکار سے جملہ حق گنتی پانچ سو روپے سال مقرب ہوئے وہ بھی دو برس سے زیادہ نہ چلے یعنی اگر وہ اب تک جیتے ہیں مگر حاقی ہیں اور تہا ہی سلطنت وہ بھی برس ہیں ہرئی دلی کی سلطنت کو محنت جان اپنی سات پہلچ کر دلی سے کہ گزری ۔ یہ طبع مرئی کش اور اس سوزگاہ پیدا ہوئے ہیں ۔ اس میں جو دلی مکن کی طرف رج کر گاہ بادشاہ سے دستور مر جائے گا یا سفر مل پر جائے گا ۔ یہ دونوں امور واقع نہ ہوتے تو کوشش اس کی نہ نکال جائے گی ۔ اور دلی شہر کو کچھ نہ دے گا اور جاتا اگر اس نے کچھ سوزگاہ یا تو راست خاک میں مل بہت ملی ۔ اور لکھنؤ میں لکھنؤ کے بل پر جائیں گے۔

غائب کی کسم پھیں اغائب کی تصانیف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے وظیفہ یا قنوج محلے سے ہر اس مقام پر کوشش کی جہاں سے انہیں کامیابی کی کچھ بھی امید دلائی گئی ۔ انہوں نے ایسے لوگوں کے قصیدے لکھے جو اگرچہ دایان ریاست تھے یا بڑے بڑے سرکاری عہدے دار تھے لیکن غائب جیسے نادار روزگار شاعر کے فکر و خیال کے لئے صحیح اور مردانہ مریض نہ تھے ۔ ان قصیدوں کی صحیح طبابت سحر محمود اکبر جہانگیر شاہ جہان اور خانقاہاں جیسے لوگ تھے لیکن مخزنوں کی پادشاہی اور مقدونی کا یہ نہیں دور تھا کہ بے بہت پہلے گزر چکا تھا ۔ خانقاہاں اور فرد الفقارخان کی جگہ آکھنڈہ ملین برہا بارڈنگ اور کیفنگ کے لی تھی ۔ اور غائب کو اپنی اعیانہ جات کی تکمیل کے لئے بھی کوئی کرنا پڑا۔

لیکن ان فرومایہ شخصوں سے ان کی پیاس کیا بجھ سکتی تھی۔ وہ زندگی میں جس سکون اور ضروریات سے جس فراغ کے طلب گاہ تھے۔ وہ میسر آ یا ان کے ہوا انکار نے اپنے عہد کے تقریباً ہر قابل فکر میدان میں مدت بہتر تک وہ دھوکے لیکن ان کا مقصد پورا نہ ہوا۔ انہوں نے اپنے زمانے کی فکری پابندیاں مادی اور مذہبی تہذیب کے متعلق جو درد انگیز خیالات جا بجا ظاہر کئے ہیں۔ ان کو محض شاعرانہ تخیل قرار نہیں دینا چاہئے بلکہ وہ واقعات ہیں حقایق ہیں۔ روزگار کی ستم گری اور جفاکاری جس بڑھ کر بڑھ گئی۔ کہ جو شخص قصائد میں عربی کا ہم پایہ اونٹنل میں نظیری کا ہر پہلہ تھا۔ جو ٹھنی میں غامی کے بہترین مثنوی نگاروں سے ٹکر کھاتا تھا۔ جو رباعیات میں ترمذیام اور تاجی استر آبادی سے کم نہ تھا۔ اور غزل میں انوشیروانی اور عسکری بہتر تھا۔ سے تہذیب کی عمر میں ایک غامی تھا۔ اور ایک اکبر بھی دلائی خان سلطنت نے فوق کو غامی ہند بنا دیا۔ اور ان کے لئے ایک محفل تنخواہ اور جاگیر مقرر کر دی۔ لیکن غائب کو وہ سلطنت صرف پچاس روپے ماہوار دے سکی اور وہ بھی تاریخ غمگینی کی تنخواہ تھی جس سے زیادہ قیمت آج غائب کا ایک غیر مطبوعہ اردو خط پا سکتا ہے۔ اور جس سے چار گنا قیمت پر ہمارے زمانے میں غائب کے اردو دو زبان کے ایک مصور ایڈیشن کا ایک ایک نسخہ ایک چھاپے۔

مشہور ہے کہ عربی نے غامی ناں کی وجہ میں ترستہ شعر کا قصیدہ لکھا تھا جس کا مطلع یہ تھا کہ

وے داشتہ در سایہ بہر تیغ و قلم ہوا  
وے ساختہ آرایش بہر فصل و کر ہوا

دریا دل اور قدر شناس غامی ناں نے ترستہ ہزار روپیہ دیا غائب نے اسی زمین میں ویرانہ بنا دیا اور وہاں کوٹھک کی وجہ میں ترستہ شعر کا قصیدہ لکھا۔ جو عربی کے قصیدے سے کسی حالت میں بھی کم باقی نہیں لیکن غائب کو کوٹھک سے غائب ترستہ سور و سہ بھی نہ لے مشہور ہے کہ امریکی سرجنرل نے فدائے غامی ناں کی خدمت میں سات شعر کی ایک جلیغ غزل پیش کی تھی جس کا پہلا شعر یہ تھا کہ

اسے شانِ حیدری زمین تو آشکار

نام تو درخسبر و کند کار و ذوالفقار

ذوالفقار خاں نے صرف مطلع سن کر ناصر علی کو روک دیا، ورنہ کما کر مجھ میں فرید اشعار کا صلہ

کی بہت تھیں۔ ناصر علی کو جو کچھ ملا وہیں فقرا میں بانٹ دیا، اور اپنی غزل کا مطلع چٹھ کر چلا آیا۔

ناصر علی تراز تو خدا ہر مرد و بس

اسے ابرئیس برہم عالم گھمسا رہا

خاتکے اس زمین میں راجہ شیرو حیدان سنگھ والی اور کی طرح میں چالیس شعر کا قصیدہ لکھا۔

اور کی ریاست کی خدمت میں خاتکے والد نے اپنی جان قربان کی تھی، اور راجہ شیرو حیدان سنگھ

خاتکے قدموں میں بھی تھے لیکن کون کرے ممکن ہے کہ اور سے خاتکے کو اس کامیابیاں نصیبی ملا ہوتا

ذوالفقار خاں نے ایک شعر کے صلے میں ناصر علی کو دے ڈالا تھا ناصر علی صلے کے فقرہ میں بانٹے

ہوئے گھر چلا آیا لیکن خاتکے کی زبان کو اس شکوے سے قطع مضمین نہ ہوا کہ

نہ بخشدہ شامے کہ با دم دم بہر بارندگی بادم دم

کو تالین انتخابہ انگیزے فزیش بگدا یاں فرور پڑے

یہ ہر حال خاتکے کی مالی مشکلات کی داستان بڑی ہی درد انگیز ہے، اور خاتکے بچے

نازک دل اور نازک دماغ شاعر پان مشکلات میں جو قیامت گزرتی ہوگی اس کا صحیح اندازہ گج

کون کر سکتا ہے۔

دہلی کی بددلی زندگی خاتکے جب دلی میں آئے ہیں تو اس وقت ان کی مالی حالت غالباً بھی

تھی۔ خانقاہی ٹیشن کے علاوہ بھی اور ضرر و خسارے روپیہ ل جاتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس

زمانے میں بھی قرض لیتے تھے۔ فراب علاء الدین احمد خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

بھائی دایم الدین احمد خاں والی لودھی اسے کتنا صاحب وہ زمانہ نہیں کو اور ضرر و

سے تعرض دیا، اور دوسری ل کو جانا مارا، اور غریب چند بھین مکہ کی کوئی لونی، ہر ایک کا پاس



اس کی مقدار سات سو پچاس روپے سالانہ یا ساٹھ یا ستر روپے ماہانہ تھی۔ یہ پیش منشی ۱۸۵۵ء سے لے کر منشی ۱۸۶۰ء تک بند ہی تھی۔ اس لئے کہ اس منشی ۱۸۵۵ء کو قدر شروع ہو گیا تھا۔ اور دہلی میں انگریزی حکومت کا کوئی ادارہ بھی باقی نہیں رہا تھا۔ متبرجس خود کا خاتمہ ہو گیا۔ خزانہ بھر باغیوں کی، عانت اور بچا پوسی کا الزام عاید ہو گیا تھا۔ تین برس کے بعد وہ اس الزام سے مبرا ثابت ہوتے تو جمع شدہ روپیہ یک مشت لے گیا۔ یہ ملو نہیں ہو سکا کہ غائب کی وفات کے بعد ان کی سنگیم صاحبہ کو بھی اس پیش میں سے گزرا رہے کے لئے کچھ متا رہا یا نہیں۔

غدر کی ملازمت | شاہ دہلی نے شیخ نصیر الدین عرف کھڑے میاں کی سفارش پر منشی ۱۸۵۵ء میں غائب کی تیموری خاندانی کی تاریخ لکھنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ اور پنجم الدولہ و میرالسلک نظام جنگ کے خطابات کے علاوہ غفلت اور پچاس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر کی تھی۔ یہ تنخواہ آغا نور علی ۱۸۵۵ء سے لے کر آخر اپریل ۱۸۵۸ء تک منشی راجی کیم حسن صاحب خاں جمع و تحقیق سوانح پر مامور تھے۔ وہ حالات لکھ کر غائب کے حوالے کر دیتے تھے۔ اور غائب ان حالات کو اپنی بہادر آفریں شہزادہ جاسرینا دیتے تھے۔ غائب ۱۸۵۸ء تک تاریخ کا پہلا حصہ جو ابتدائے آفرینش سے لے کر ہمایوں پادشاہ کی وفات تک کے حالات پر مشتمل تھا مکمل ہوا۔ اس کا نام مہر نیرودہ تھا۔ دو ستر حصے میں ایک کی تحت نشینی سے لے کر بہادر شاہ ثانی تک کے حالات مدون کرنے کی تجویز تھی۔ اس کا نام غائب نے پنجم ماہ ۱۲۸۸ھ لکھا تھا۔ لیکن اس حصے کو دہلی شروع ہی نہیں کر سکے تھے کہ غدر کی ناگ شتمیل ہو گئی۔ جس کی وجہ سے تیموری خاندان کا رخت وجود ہی راکھ بن کر رہ گیا۔

غدر ۱۸۵۸ء کو ہوا۔ اس نے میر علیا ہے کہ غفلت سے غائب کو ہاتھ آفری تنخواہ ایصال ہوئی ہوگی وہ اپریل ۱۸۵۸ء کی ہوگی۔ مگر یا اس سلسلے میں غائب کو کل چاند ہزار ایک سو پچاس روپے ملے۔

غدر سے پیشہ کا خلق | خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ غدر سے قبل بھی غائب قلموں نے بہت تھے مختلف تقریبات پر بادشاہ کی خدمت میں تصدیقے گزرا رہے تھے۔ اور غفلت ہاتھ تھے۔ غدر



مرحوم کے اس بادشاہ کی تائید غالب کے قلیات سے بھی ہوتی ہے قلیات میں ایک قصیدہ اکبر شاہ ثانی کی صبح میں ہے جن کا انتقال ۱۲۳۳ عریں یعنی قلعہ کے ساتھ ملازمت کا تعلق پیدا ہونے سے تیرہ ہجرت قبل ہوا۔ یہاں اور شاہ ثانی کی صبح میں غالب کے فارسی کلام میں دو مثنویاں ایک ترکیبہ اور پندرہ قصیدے ہیں۔ نیز اردو میں دو قصیدے اور چند چھوٹے ٹہٹھے قلیات ہیں۔ ان سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قلعہ کے ساتھ غالب کا تعلق ملازمت کے پہلے ہی قائم تھا لیکن یہ عرض کرنا مشکل ہے کہ ان قصاید کے صلا میں کیا کچھ ملتا رہا اور غفلت کی حیثیت کیا ہوتی تھی۔

شش ماہ خواہ حکم | اقلہ دانی خواہ میں غالب کے لئے صرف ایک تہہ ناگہ اور صورت حالات پیدا ہوئی تھی یعنی یہ حکم ہو گیا تھا کہ ملازمین قلعہ کو ماہ بہ ماہ تنخواہ ملنے کے بجائے چھ ماہ کی آٹھی تنخواہ ملے گا۔ غالب کی پوری زندگی مختلف الزامی احتیاجات میں بسر ہو رہی تھی۔ وہ اپنے کسی ذمہ دار میں ایک لمحہ کا توقف بھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے انہیں شش ماہی والا حکم "شش ماہ" تسلیم آیا۔ انہوں نے اس حکم سے مشتے کئے جانے کے متعلق اردو میں ایک قطعہ لکھ کر بادشاہ کی بارگاہ میں گزارا تا جس میں اپنی ضروریات و مشکلات کو نہایت موثر انداز میں بیان کیا تھا اور جس

مری تنخواہ جو مختصر ہے اس لئے کا ہو چاہیہ

دسم چھوٹے کی چھ ماہیہ خلق کا جو آئی ملین پہ چار

جو کو دیکھو کہ ہوں قیدیہ ادھر وہی ہر سال غنیمت با

بسکہ لیتا ہوں ہر روزیہ ادھر وہی ہے سود کی نکلار

مری تنخواہ میں تسانی کا ہر گیارہ شش ماہ ہر گیارہ

آٹھ میں لکھتے ہیں ہے

مری تنخواہ کیسے ماہ بہ ماہ تا نہ ہو مجھ کو زندگی دشوار

اس پر غالب کے لئے ماہ بہ ماہ تنخواہ کا حکم جاری ہو گیا۔ بادشاہ کی طرف سے بچاس روپے ماہانہ کے علاوہ شہزادہ فتح الملک کی طرف سے بھی چار سو روپے سالانہ تنخواہ ملتی تھی لیکن شہزادہ کی فاقہ

کے بعد یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ خود غائب فرماتے ہیں کہ وہ اس فتح سے دو برس سے زیادہ قسطنطنیہ نہ ہو سکے۔

صاحب کا ولیفہ غائب کی زندگی کے آخری دس برس میں نہیں رام پور سے سورہے، بلکہ قسطنطنیہ پر ملتے رہے۔ غائب یوسف علی خاں نائظم فرما کر اسے رام پور اپنی صاحبزادی کی دہائی کے واسطے قسطنطنیہ کے لئے بھیجے تھے تو غائب کے ساتھ نہایت گہرے دوستاں اور اہل بیت پیدا ہو گئے تھے۔ وہ مفتی صدر الدین آذرودہ سے عربی اور غائب کے فارسی چٹھے تھے۔ غائب کے اس صاحب علی کے زمانے میں بھی غائب کے کچھ سلوک کرتے رہے ہوں۔ اس لئے کہ غائب عالم علم و دین تھے، انہوں نے کوئی درگاہ جاری کر لی تھی۔ اور نہ امیر زادوں کا یہ دستور تھا کہ کسی سے بڑھیں اور اس کے ساتھ سلوک نہ کریں۔ شہیدؒ میں غائب صاحب اردو و شاعری میں غائب کے شاگرد بنے۔ ان کے لئے نائظم قسطنطنیہ پر بھیجا گیا۔ غائب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ شاگرد صاحب کے بعد وہ وقتاً فوقتاً کچھ رہے، پھر بھیجتے رہتے تھے۔ فرماتے ہیں :-

شہیدؒ میں غائب یوسف علی خاں مبارک والی رام پور کچھ بیٹھے خدمت میں میرے شاگرد تھے نائظم بن کو قسطنطنیہ بھیجا گیا، میں نہیں بلایا، اردو کی بھیجتے ہیں، لیکن دسے کر بچے دیتا جاؤ گا۔ کچھ روپہ اور سے انار جتنا نقد کی تنخواہ جاری۔ انگریزی نہیں کھلا ہوا۔ ان کے مطالعہ پر اپنی وجہ مطالعہ انہیں گئے جاتے تھے۔ جب یہ دونوں تنخواہیں جاتی ہیں تو زندگی کا مدار ان کے ہاتھ پر پڑتا۔

مستقل تنخواہ کا مطالبہ انہوں نے بعد جب قسطنطنیہ کی تنخواہ جاتی رہی، اور خاندانی نہیں بند ہو گئی تو غائب نے ایک فارسی قصیدہ غائب یوسف علی خاں کے پاس بھیجا جس میں گہرے دوستاں دعا بڑا ذکر کرتے ہوئے غائب صاحب کے انتقال کا حکم کیا گیا تھا، نہایت مقام کے لحاظ سے اس قصیدہ کے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں :-

چوں نیست مرا شریعت آہے تو تو حاملِ دلائم کہ تو در سبائی و من سبزو سائل

شہیدؒ اردو سے مطالعہ نمونہ ۱۱۔

در باد یہ برگ و خسریاں نہ چہ سوزد      آں شمع فشرہ و نازاں کہ بود و نہ بھول  
 ز اں خسرو و خواہاں چہ شد در حشیم و غاباد      صد حیف کہ شد نقش اُمیدم ہمہ بطل  
 افسانہ غم ہمہ سراغم نہ و عیب      بادوست کہ پیوست ہے ہر غم انول  
 مے گویم و ہمدم زندم طعنہ کہ تن ذل      چوں مے نہ بود و ز نسر باد چہ حاصل

یار ب چہ شد اینک کہ نگیرد خبر از من      بہ بستہ بہ رویم و در ارسال رسائل

چوں است کہ گاہ ہے کہنی روئے دیدن      چوں است کہ ہرگز نہ دی گد یہ بہاں  
 گر گھاں دہم از خضر و دانی کہ بہ گیتی،      حرفے غلط از صفو ہستی شدہ ذائق  
 خواہی کہ مرا بہ شگری اندوہ رہ فرما      ستانزد تو آمد یکے یکے بس  
 غائب سخن نام سن آمد ازل تا دور      دانی کہ دریں شہر و نیم غامی جاہل  
 و در غن کن و دم مزان از عرفی و طائب      ایں آیہ خاص است کہ بر سن فائد  
 سن گنجہم و گردوں بگل اندوہ و درمہا      مے میں در گنج لہر کشتہ دن شدہ مشکل  
 خود و در خور ویرانہ بود گنج گراں شد      غم نیست گراں باوی دہی شدہ ذائل  
 بدست و سون نفس گر چہ داند      اہما از دہلی بود و سر نہ بابل

اس کے بعد ذاب صاحب کو قلعہ بریلی کی بہار کہا دو سیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ قلعہ  
 یا قاضی یا شہنشاہ یا عامل کے عہدے کا طلب گار نہیں بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرا حصہ مجھے ماہ بہ ماہ  
 پہنچتا رہے۔

اس قصیدے نے ذاب یہ سب ملی خاں مرحوم نے سوروپے ماہوار کا وظیفہ قاضی کے لئے  
 مقرر فرما دیا جو ماہ بہ ماہ ذاب صاحب خود قاضی کو بھیج دیتے تھے۔ ذاب صاحب ملی خاں کی وفات  
 کے بعد ان کے بھتیجے اس اور پانچ غم جانشین ذاب صاحب ملی خاں مرحوم نے بھی یہ وظیفہ بدستور تقاضا کیا

منقرض ملایا اس مقبرہ کے علاوہ بھی نواب یوسف علی خاں وقتاً فوقتاً منقرض رئیس بھیجتے رہتے تھے۔ نواب شاہ ۱۸۶۵ء کے ایک کشتوب میں سیف گنن ہمایاں و ادو خاں صاحب کجلیج کو لکھتے ہیں ایک قرن سے فردوس مکان نواب یوسف علی خاں والی رام پور اپنے اشعار دیوے پاس بھیجتے تھے۔ ۱۰ دوسرا وہیابینہ ماہ بہ ماہ پہل ہندوی بھیجتے تھے۔ اس منقرض کی اعانہ والی دیکھتے کہ کہیں مجھ سے اس روپے کی مدد نہ لی۔ اپنے خط میں ہندوی بھیجا کرتے تھے میں خدا کا جواب کبھی نہ جاتا اس مالک کے علاوہ بھی کسی دوسرے کو دعائی سو بھیجتے رہتے۔ ختمہ و قضا و قدر کے دونوں میں قلم کی آمد منقرضہ اگر نئی نہیں مسدود یہ جنگوار و بدستوری ماہ بہ ماہ و شوق گاہ گاہ بھیجتا رہا تب میری اور میرے ہندوؤں کی مذمت ہوئی۔

شاید کسی صاحب کے دل میں آخری غلطوں سے یہ شبہ پیدا ہو کہ نواب یوسف علی خاں شاگردی کے آغاز ہی سے مسدود پیدا یا مستقل بھیج رہے۔ یہ شبہ صحیح نہیں۔ نواب اپنے خود میرزا آقاسی کے نام کے خط میں تصحیح کی ہے کہ مستقل وظیفہ جو لائی ۱۸۵۵ء سے شروع ہوا۔ فرماتے ہیں :-

نواب یوسف علی خاں تیس برس کے میرے دوست۔ اور پانچ چھ برس سے میرے شاگرد ہیں آگے گاہ گاہ بھیج دیا کرتے تھے۔ اب جولائی ۱۸۵۵ء سے مسدود پیدا بھیجنا ماہ بہ ماہ بھیجتے ہیں سچا رہتے تھے۔ اب میں تمہارا دوسرے رو کر چلا آیا۔ یہ شرط جات بعد برسات کے پھر جاؤں گا۔ ۵۔ مسدود پیدا نہیں ہیں یا وہاں نہیں ملے گا اس سے بڑا مقدر ہے۔

نواب صاحب علی خاں بعد اذ پر عرض کیا جا چکا ہے کہ نواب یوسف علی خاں کے انتقال کے بعد نواب صاحب علی خاں نے بھی یہ وظیفہ جاری رکھا تھا۔ نواب لکھتے ہیں :-

رخص حال نواب صاحب علی خاں کو خدا بہ دولت و اقبال ابداً عروج سلامت رکھے۔ وہ ملے گا کی چند ہی برس پہلے سب دستور قدیم اپنے خط میں بھیجے جاتا ہے نسخ کی رسم دیکھنے جاری تھی پھر نہیں

تالیف بران کی خدمت میں ادا معلوم ہوتا ہے کہ نواب خود بھی خاص ضروریات کے سلسلے میں روپیہ طلب کرتے تھے مثلاً تالیف بران کی چھپائی کے لئے دو سو ملگاتے تھے۔ نواب لکھتے ہیں :-

سید سے پاس روپیہ کہاں پر قاطع برائے کو دوبارہ چھوڑاؤں پہنچے ہیں نواب مغفور نواب  
 یوسف علی خاں نے دوسروں سے بھیجے ہوئے تھے جب پہلا سوروہ صاف ہر کہ چھوڑا گیا تھا۔  
 اب بھی وہ صاف کیا تھا کہ پہلی کی وجہ تقریبی کے ساتھ دوسرے کے نہیں گئے۔ وہ نواب صاحب  
 آغا پہلے مشنڈ میں رہتے۔ پہلی کا وہ پہلی نہیں حال سے میں نے پایا مصروف کتاب کا تھوڑا  
 ڈاڈا۔ مگر اس مرحوم نواب یوسف علی خاں کا سرشتہ دفتر سے نہ تھا ہزاروں کے دفتر میں کی جاتی  
 مصلح شہادت حضرت | غائبانے ایک مرتبہ مصلح اشعار سے بھی حضرت لکھ بھیجی تھی۔ لیکن نواب صاحب کی  
 طرف سے مقررہ وظیفہ جو دستور پہنچا رہا۔ غائب میرزا آغہ کو لکھتے ہیں :-

دیس ۱۰ ام پر سوروہ پہنچا دیتے ہیں۔ سال گزشتہ ان کو لکھ بھیجا کہ مصلح ظہر میں اس کا کام ہے  
 اور میں اپنے میں اس نہیں پاتا متوقع ہوں کہ اس خدمت سے صاف رہوں جو کچھ مجھے سروسے  
 سے بعض خدمات صاحب میں شکر کیجئے۔ تو میں کل دیہی و نہ خیرات غرضیں۔ اور اگر وہ وظیفہ  
 خدمت سے قوم آپ کی مرضی وہی میری منت ہے۔ برس دن سے ان کا کام نہیں آتا فتح  
 مغوری زہر تک آئی ہے۔ اب دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔ آج تک نواب صاحب ذرا  
 جو فردی دے جاتے ہیں۔

بعض مصلح اشعار کی خدمت ہی صاف تھی۔ بلکہ رام پر جہانے کی بھی پابندی نہ تھی۔ غائب  
 خود فرماتے ہیں :-

حق خالصہ عالی رام پر جو کہ صدوسی سال سلامت رکھے۔ ان کا عہد ماہ بہ ماہ کو پہنچا ہے  
 کہ گم تری اور تھوڑی کر ہے جس سے بچ سفر خالصہ اور رام پر جانے کی حاجت نہیں۔

رام پر میں قیام کے کرتے کی تھوڑا | غائب صرف دو مرتبہ رام پر گئے۔ پہلی مرتبہ نواب یوسف علی خاں کے زمانے  
 میں جو وہی مشنڈ میں۔ دوسری مرتبہ نواب ملک علی خاں کی مسند نشینی کی تقریب میں اکتوبر ۱۸۶۷ء  
 میں رام پر میں ان کو مقررہ وظیفہ کے علاوہ سوروہ پہنچا دعوت ملتا تھا۔ وہ خود فرماتے ہیں :-  
 نواب صاحب جولائی ۱۸۶۷ء سے کہیں کو یہ دسواں مہینہ سوروہ پہنچا۔ وہ پانچو

ہیں۔ اب جو میں وہاں گیا تو سوروپے لینا بنام دعوت اور دبا بھی دادم پور میں رہیں دوست  
مینا پاؤں اور ملی ہیں وہیں تو سوروپے۔

اور۔۔ کے ساتھ تعلقات سلطنت اور وہ کے ساتھ خائب کے تعلقات دروابطہ کے متعلق ایک تھیں  
اور پیش کیا جا چکا ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ واجد علی شاہ کی سرکار سے انہیں پہلو بگڑ گئی  
پانسوروپے سالانہ مقرر ہوتے لیکن واجد علی شاہ کی سلطنت اس وظیفہ کے تقرر کے بعد وہیں  
سے زیادہ قائم نہ رہی۔ اس سے متفقہ ہوتا ہے کہ پانسوروپے سالانہ کا یہ وظیفہ ۱۸۵۳ء کے  
اولا خریست ۱۸۵۳ء کے اوائل میں مقرر ہوا تھا۔ ہم خائب کے سفر کھلت کے سلسلے میں لکھنؤ میں ٹھہرنے  
کے حالات بیان کر چکے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ لکھنؤ کے ساتھ خائب نے غازی الدین حیدر  
زمانے میں ۱۸۳۳ء میں تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ خواجہ عالی خائب کے قیام لکھنؤ کے  
متعلق لکھتے ہیں:-

اس زمانے میں نصیر الدین حیدر فرماؤ اور وطن الدولہ نائب سلطنت تھے اہل لکھنؤ نے  
کی مصافحہ ہدایت کی اور وطن الدولہ کے ان پانچوں شاہد ان کی تقریب کی گئی مرنے  
اس پیشانی کے عالم میں قصیدہ تو سرزبانہ ہر دوں کا ایک درجہ بزرگت قیام میں جو ایک سرور  
میں ہر دوں کے نائب سلطنت کے سامنے پیش کرنے کے لئے نہیں تھی۔

خواجہ عالی مرحوم کا سہو اہم خائب لکھنؤ جانے کی تاریخ مبین کر چکے ہیں۔ غازی الدین حیدر نے ۱۸۵۳ء  
ربیع الاول ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۵ اگست ۱۸۳۳ء کو اس دنیا سے کوچ کیا۔ خائب اس سے قبل  
لکھنؤ سے گزر چکے تھے۔ اگست ۱۸۳۳ء میں خواجہ احمد بخش خاں مرحوم والی فیروز پور بھگوان پور  
ہو اور خائب کو یہ اطلاع کھلت کے سامنے ملی تھی۔ اور اس وقت وہ لکھنؤ ہی نہیں بلکہ باندہ  
بھی آئے تھے۔ لہذا یہ صحیح نہیں کہ وہ نصیر الدین حیدر کے زمانے میں لکھنؤ گئے۔

اس زمانے میں وطن الدولہ کے نائب سلطنت ہونے کا بیان قوام درجیت انگیز

کہ دل میں خیال پیدا ہوتا ہے خواجہ جاتی نے غائب کے حکیمات شرفا سی کو بلاستغاب دیکھا ہی نہیں تھا ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ سنت قطیل والی جس شرفا خواجہ جاتی نے ذکر فرمایا ہے وہ حکیمات کے صفحہ ۹۵ اور ۶ پر موجود ہے۔ اس شرفا ترتیب کی داستان غائب خود ان لفظوں میں بیان کرتے ہیں کہ لکھنؤ کے دوستوں نے رفتہ رفتہ میرزا غلامی کی بزم میں پہنچایا۔ جو مستند الدولہ کے خطاب کے مشرف تھے تو بہ ترغابی فرماؤ دئے اس کشور و مدارالہامی اس سلطنت اشتہار و اشتہار پتہ لکھنؤ کے حالات دئے گئے جمل کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ہرچہ عدال باد از کرم چلی خوش برائی ہیں گداہی سلطان صورت یعنی مستند الدولہ غامیر شہیدہ سے شہنشاہ کا حال برکس است ۔

اگر خواجہ جاتی مرحوم کی نظر سے حکیمات شرفا سی کے یہ حصے گزر چکے ہوتے یا یادگار لکھتے وقت یہ حصے انہیں محض ہوتے تو وہ کہیں یہ ذکر فرماتے کہ غائب کے لکھنؤ جانے کے زمانہ میں غائب نائب سلطنت تھے یا سنت قطیل میں جو شرفا سی گئی تھی وہ روشن الدولہ کے لئے لکھی گئی تھی یا غائب کی تقریب بہ عنوان شامہ روشن الدولہ کی بزم میں ہوتی تھی ۔

یہ معلوم ہے کہ غازی الدین حیدر کے عہد میں اور نصیر الدین حیدر کے ابتدائی دور میں روشن الدولہ نہیں بلکہ مستند الدولہ غامیر ہی نائب سلطنت اور مدارالہام تھے اس کے اختیارات کی جگہ انہی کے ہاتھ میں تھی مستند الدولہ کی مغزولی کے بعد اعتماد الدولہ فیض علی مدارالہام و نائب سلطنت محقر ہوتے انہی کے داماد و نواب حامد علی خاں تھے جو کچھ مدت کے لئے بہادر شاہ پادشاہ کے بھی وزیر رہے تھے اور غائب کے ایک عزیز و دوست تھے ۔ ان کے بعد جیاد علی لٹانی <sup>۱۲</sup> سلطان بہادر <sup>۱۳</sup> شرفا سی کے حکم الدولہ حکیم مدی علی خاں نیابت مدارالہامی پر مامور ہوئے ۔ اس سے کم و بیش جیاد علی قابل غائب <sup>۱۴</sup> نکلے بہرگز ورواں دو برس رہ کر واپس آ چکے تھے جبست <sup>۱۵</sup> مدی علی خاں مغزول ہوئے ۔

اور فروری ۱۸۵۳ میں روشن الدولہ کو وزارت کا منصب عطا ہوا ۔ غائب کے لکھنؤ جانے سے سوا بیس برس

۱۲ جیاد علی لٹانی کو فروری ۱۸۵۳ء میں وزارت کا منصب عطا ہوا ۔ ۱۳ جیاد علی لٹانی کو فروری ۱۸۵۳ء میں وزارت کا منصب عطا ہوا ۔ ۱۴ جیاد علی لٹانی کو فروری ۱۸۵۳ء میں وزارت کا منصب عطا ہوا ۔ ۱۵ جیاد علی لٹانی کو فروری ۱۸۵۳ء میں وزارت کا منصب عطا ہوا ۔

جو شخص نیا بہت سلطنت اور دارالہامی کے منصب پر فائز ہوا اس کی نسبت یہ دعویٰ کیسے کر قبول کیا جاسکتا ہے؟ غائب کے لکھنؤ جانے کے وقت نائب سلطنت تھا؟ جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے میرزا خیال ہی ہے کہ غوجا خانی نے غائب کی تمام تحریرات بالاستیباب ملاحظہ فرمائیں۔ مذاں اشخاص کے حالات کی تحقیق کی طرف توجہ فرمائی جن کا ذکر غائب کی تحریرات میں آچکا اور وہ بالکل کا نام انہوں نے غائب اس بنا پر بلا تحلف لکھ دیا کہ نصیر الدین حیدر واسے قصیدے کے آخر میں روشن الدولہ کی مع میں بھی چند اشعار موجود ہیں۔ حالانکہ قصیدہ غائب کے لکھنؤ جانے سے کم از کم پانچ برس بعد لکھا گیا ہو گا۔

سوالین اور دوسرے قصائد غائب کے کلیات نظم فارسی میں شاہان اور دوسرے کے لئے پانچ قصیدے ہیں اور ایک قطعہ ہے قصیدوں میں سے پہلا نصیر الدین حیدر کی مع میں ہے۔ چونکہ اس میں روشن الدولہ کا ذکر ہے۔ اس لئے ظاہر ہے کہ وہ بہر حال نور علی شاہ کے بعد لکھا گیا ہو گا۔ دوسرا قصیدہ امجد علی شاہ کی مع میں ہے تیسرا بھی امجد علی شاہ ہی کی مع میں لکھا گیا تھا لیکن غائب کی ایک تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بعد ازاں امجد علی شاہ کے بجائے واجد علی شاہ کا نام داخل کر دیا گیا تھا۔ بہر حال وہ واجد علی شاہ ہی کی بارگاہ میں پیش ہوا۔ بقیہ دو وزن قصیدے واجد علی شاہ کی مع میں ہیں قطعہ نصیر الدین حیدر کی شادی کی تقریب میں لکھا گیا تھا جس سے ۱۲۳۳ھ سنہ ۱۸۱۸ء تکلیف پڑی ہے۔ میرزا خانی کے مطابق اور دوسرے شاہی خاندان کے ساتھ غائب کے رواج کی پہلی کڑی یہی قطعہ ہے۔ غائب ہی قطعہ ہے جس کے متعلق لکھتے ہیں: *میتھے ہوئے مولوی کرم مبین صاحب سطر شاہ اور دوسرے لکھتے کو لکھتے ہیں۔*

انجمن و ملا محمد رشیدی قطعہ دست مزد خویش سے نظم ہو شامی خسروست وقت زلف قبول  
وزنہ اشقات و ہلہ شیخ۔ ادا کشش طعمرامیں مدعا و گر و آن ہست کو پا یہ مہم کش گریہ  
حضرت مولیٰ مشرود سے شروع ہوتا ہے اندازہ اندازش دے صلا تو اندکزد حور۔ پیوست کہ جائزہ پانچواں



کا چہ قد است -

اس کے بھتیجے الدین حیدر کی طرح میں قصیدہ بھیجے تاکہ قاتل کی طرف سے اوہ کے رنج  
مابطہ پیدا کرنے کی غائب کوئی کوشش نہیں ہوئی

نصیر الدین حیدر کا قصیدہ | اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ قصیدہ نومبر ۱۵۳۳ء کے بعد لکھا گیا اس لئے  
کہ اس میں روشن الدولہ کا بھی ذکر ہے جو دسمبر ۱۵۳۳ء میں وزیر اعظم ہوئے ۵

روشن الدولہ بہادر کہ برادر عطا حاکم تخت و شہر مندہ نقصاں رفتہ  
برکھیزند ہمہ یکیاں در مہرزد شک چو ثنا خوان شناسش بہ آناں رفتہ  
پادشاہ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں ۵

توسلیا مانی واکں آصف و سن ضعیف را نسبت طلبی میں کہ چشایاں رفتہ  
بروہلم سپرو بخوئیں برا ترم بروے تا بد اخم کہ بہ آصف ز سلیمان رفتہ  
سبحان علی خاں قوم کے کہ اس زمانے میں ایک منایت فاضل اور دہشتناک شخص تھے جو  
محمد الدولہ آغا شیر خاص کے مشیر خاص رہ چکے تھے اور روشن الدولہ سے بھی اپنے زمانے میں نہیں  
اپنا مشیر خاص بنایا تھا۔ قاتل اسی قصیدہ کے متعلق سبحان علی خاں کو لکھتے ہیں :-

ایں عرضداشت بہ فرغ عطا قبول آصف ثانی و روشن الدولہ مشتقناں مرگہ دوا قصیدہ  
ہزیم منہ مثال سلطانی و نصیر الدین حیدر خواندہ شود تا مرا کہ کن بر تخت نشین کارم بہ جائزہ  
خسرو ہی ریح اختیار فرودش پذیرد و از عطا صلہ جس گواہی کہ ہم باہرم بلند نامی دہم و نظر  
غرض گری کند۔

سبحان علی خاں کے نام خاتیب کے مکاتیب فارسی میں دوا و خطا ہیں جن میں سے ایک  
میں لکھتے ہیں کہ قصیدہ اور عرضداشت مدت سے آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں۔ یہ بھی سن چکا ہوں  
کہ وزیر اعظم نے اس قصیدہ کو بہت پسند کیا، لیکن یہ معلوم نہ ہوا کہ قصیدہ بدرجہ شہابی میں بنایا گیا

۱۔ سیات نظر قابی صفحہ ۱۱۲ -

منشی محمد حسن خاں صاحب کو بھی اسی قصیدے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔ کہ اگر جملہ مل جائے تو میں مقدمہ کی پیروی کے لئے دوبارہ ٹھکتے جانے کا سامان کروں۔

پانچ ہزار کا صلہ ملنے لگا۔ اردو کے ایک مکتوب کے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ پر پانچ ہزار روپے ملے تھے لیکن تین ہزار روپے روشن الدولہ نے ہضم کر لئے جسے غالب ایثار و عطائیں حکم کہنا بھی اس کے پایہ سے فروتر سمجھتے تھے اور جس کی جو دو سٹاک کی داستان ہیکٹیوں کو مل گئی انہوں نے زہر کھا لیا تھا۔ وہ ہزار منشی محمد حسن کو دیتے اور کہا کہ ان میں سے جو کچھ مناسب غالب کو بھیج دو لیکن غالب کو ایک جہہ بھی نہ ملا۔ وہ لکھتے ہیں :-

یہ قصیدہ منشی محمد حسن کی معرفت روشن الدولہ کے پاس اور روشن الدولہ کے توسط سے نصیر الدین کے پاس گزر رہا تھا۔ اسی دن گزرا اسی دن پانچ ہزار روپے بھیجنے کا حکم ہوا۔ منتر سنا منشی محمد حسن نے بلکہ کہ اعلانِ دولتی منظور شد و رسم نکلتا ہے۔ انہوں نے یہ سزا دیکھ کر کہا کہ وہ کاشخا کے دو منشی محمد حسن کو سب نام دیکھنا نہ پادریں نے امام بخش آج کو کھاکہ کہ تم وہ پافت کر کے نکلو کہ میرے قصیدہ پر کیا گزری۔ انہوں نے جواب لکھا کہ پانچ ہزار روپے ملے تین ہزار روپے روشن الدولہ نے کھائے وہ ہزار منشی محمد حسن کو دیتے اور فرمایا کہ اس میں سے جو مناسب سمجھ غالب کو بھیج دو۔ کہا اس نے ہزار روپے کو کچھ دیکھا؟ میں نے کچھ بھیجا کہ مجھے پانچ روپے بھی نہیں ملے اس کے جواب میں انہوں نے لکھا کہ اب تم مجھے خلا نکلو اس کا حضور یہ ہو کہ میں نے پادشاہ کی فرمائش میں قصیدہ بھیجا ہے اور یہ کچھ معلوم ہوا ہے کہ وہ قصیدہ حضور میں گزرا مگر نہیں پایا کہ اس کا صلہ کیا مرتب ہوا میں کو آج نہیں پہنے نام کا خط پادشاہ کو چھو اکراں کا درویش لکھ دینا وہ پڑہ کا لکھا ہوا روپیہ ان کے حق سے غفل کریم کو بھیج دوں گا بھائی! یہ خط لکھ کر میں نے ڈاک میں روانہ کیا۔ آج خط روانہ ہوا تیسرے دن شہر میں خبر گزری کہ نصیر الدین مر گیا۔ اب کہو

۱۰ کلیات نظر فارسی ص ۷۰ ۱۱ خطہ الدولہ وصیف الدین خاں، خلف اکبر غالب ماسم الدین حیدر خاں بابر آباد جو خطہ کے بعد اور سے پکڑے گئے تھے اور گزرا وہ میں گولی سے مارے گئے تھے۔

میں کیا کروں اور نتائج کیا کرے۔

یہ اس نامور اور خوش شخص آخری دور کے جسکے شاعر پرانی طرزوں کے خاتمہ اور نئی طرز کے موجد اور اول کی حالت تھی۔ کہ اس کا جو قصیدہ غازی زبان کے بہترین شعرا کے بہترین قصائد کے مقابلے میں پُرکمال پیش کیا جاسکتا ہے اس پر شاہ اودھ پانچ ہزار غلام دیتا ہے لیکن سارا روپیہ سٹو ہضم کر جاتے ہیں اور اس غریب کو پانچ پیسے بھی نہیں ملتے۔ بلکہ صلیبی کی اٹلان بھی دوسرے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔

امجد علی شاہ کا قصیدہ | نصیر الدین حیدر نے ۱۸۳۳ء میں وفات پائی اور محمد علی شاہ پادشاہ ہوئے لیکن غائبانے ان کے ساتھ کوئی رابطہ پیدا نہ کیا۔ امجد علی شاہ کا زمانہ آیا تو پھر انہوں نے ایک قصیدہ لکھا جس کی بہت اہمیت ہے۔

امجد علی خاں کہ بہ ذوق و عاستے او

صدرہ نماز صبح قضا کر دے روزگار

اس قصیدہ کے سلسلے میں بھی عجیب واقعہ پیش آیا۔ غائب جس زمانے میں آگرہ میں تھے ایک صاحب ان سے ملے تھے۔ جو بڑے زبان آور اور چالاک تھے۔ وہ کہیں تحصیلدار بن چکے تھے۔ آگرہ میں عازت کی جستجو کی لیکن کوئی صورت ذہنی اودھان سے چلے گئے۔ غائب دہلی میں آ رہے۔ کافی مدت کے بعد امجد علی شاہ کے زمانے میں لکھنؤ سے ان کا خط آیا جس میں لکھا تھا کہ ذریعہ سے ملاہوں بہت عنایت کرتے ہیں۔ پادشاہ کی ملازمت انہیں کے ذریعہ سے حاصل ہوئی ہے، خان اور تہاؤد کا خطاب ملا ہے۔ صاحبوں میں نام درج ہو اسے وزیر آپ کا بہت مداح ہے۔ اگر آپ قصیدہ اور عرضہ شہت بھیجیں تو پادشاہ آپ کو بلا میں غائب لکھتے ہیں کہ قصیدہ تیار تھا لیکن

مزدہ خاکس کی معرفت بیرونِ دولت علی شاہ اس شخص کے پاس بھیج دیا اور کیا نتیجہ

بعد ایک خط آیا کہ قصیدہ وزیر پر یک سہا۔ وزیر چٹکے بیت فرما کر: یا ابن شمس نہ تیری کڑ  
کا وعدہ کیا میں متوقع ہوں کہ میرا بد الدین فرعون سے میری قدر خطابی نگہ دار کیجیے۔  
چاندی کا گیندہ بچہ، و قلم علی غیرت سے مراد قلم کر کے بھیج دیا۔ رسد آئی اور قصیدہ کی بادشاہ تک  
گنبد سے کی جو کہیں پہنچ نہ سکے، دوسرے کوئی خط لکھا گیا جس نے جو ملا میرا آتش پھرتا یا تو کا  
یہ تہنیت کہ کتاب الیدیاں میں۔ ایک مدت کے بعد حال معلوم ہوا کہ اس پر گنگا کا وزیر کنگنا  
اور مضر ہناجی، بادشاہ کی عازت اور خطاب ملا خط۔ ہمدانی کی فریاد سے معاملہ کر کے  
مرشد آیا و کو چلا گیا۔ چوتھے وقت وزیر نے دوسروں سے کہتے تھے۔  
گولہ قیصیدہ بھی بے صلہ رہا۔

واجہلی شاہ سے تعلق | واجہلی شاہ کے زمانے میں غائب تھے پھر سلسلہ غیبیابی کی شاہ ہوسرت  
کے مصدا قبول میں اس وقت ڈوموں کا بڑا زور تھا اور انہیں بڑے بڑے خطاب ملے ہوئے  
تھے مثلاً فی الدول، الخیر الدول، قطب الدول، ولیح الدول۔ غائب تھے قطب الدول کی وراثت  
سے قصیدہ واجہلی شاہ کی بارگاہ میں بھیجا۔ مولانا قسیر نے قصیدہ بارگاہ میں چھٹا حکم ہوا کہ اس  
صلہ کا مسئلہ دوسرے وقت میں پیش کیا جائے لیکن ابھی صلہ کی نسبت کچھ ملے نہیں ہوا تھا  
کہ قطب الدول اور دوسرے تمام ڈوم واجہلی شاہ کی مصدا جی سے نکالے گئے۔ ان کے  
اخراج کا واقعہ ۲۰۰۰ عروج شمس کو پیش آیا۔ لیکن یہ امر قابل ذکر ہے کہ قطب الدول نے اپنے  
اخراج پر قصیدہ مع عرضداشت بجنہ غائب کے پاس بھیج دیا۔ نواب محمد علی خاں عرف مینواریہ  
کے نام کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصیدہ مع عرضداشت دوبارہ ان کی وساطت سے بھیجا گیا تھا  
ہنزہ صوری وساطت | یوسف میرزا کے نام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب کو واجہلی  
شاہ کے دربار سے نعمت مجتہد العصر کی وساطت سے ملا تھا وہ فرماتے ہیں:-

میں چودہ پاسچے کا خدمت ایک بار او دہس خاص درو مال درو شاہ ایک باجی

۱۵۰ تاریخ، دومہ سرخ صف، ۱۰۰، ۱۵۰ کلمات، شرف ناسی صفحہ ۲۰، ۱۵۰ کلمات، شرف ناسی صفحہ ۲۰۔

حضرت سلطان عالم سے لڑ چکے ہوں مگر یہ بھی جانتے ہو وہ نصرت لہو کو دو بار کس کے ذریعہ  
 ہے! یعنی جناب جلوہ کعبہ تہذیب عصر مظاہر العالی ۱۰۔ آپ آدمیت اس کی شخصی نہیں ہے کہ  
 نے ان کے توسط سے مع گسری لوگوں چنداں قصیدہ لکھ کر وہ جیسا کہ ہر دوست ہے کا ذکر کیا  
 حضرت پیر مرشد کی خدمت میں بھیج دیا ہے لیکن ہے کہ حضرت نے دلوں پہنچ دیا ہر گاہ ۱۰ میں  
 ترک کر لی لکھ چکا ہوں کہ میں نے قصیدہ لکھ کر بھیج دیا ہے۔

یہ خطہ روز بروز ۱۸۵۶ء کا ہے۔ اور یوسف میزلاں زمانے میں لکھتے میں تھے۔ واجد علی شاہ  
 ۱۸۵۶ء میں سلطنت علحدہ کئے جا چکے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطنت اودھ کے  
 ختم ہو جانے کے بعد بھی واجد علی شاہ کے ساتھ غائب کا تعلق قائم رہا۔ یوسف میزلاں کے نام  
 کے ایک اور خط سے بھی جو ۲۸ روز بروز ۱۸۵۶ء کا مرقوم ہے اس کی تصدیق ہوتی ہے اس میں لکھتے ہیں  
 ہر تھنے علی پٹے سے ریت میں ہے کہ ہر شاہ اودھ سے اٹھانے حصہ ہوا اور ان کوں نصف  
 حسین میزلاں اور تمام اور سہارا نصف میں غصوں کا عادیات۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ لکھتے سے واجد علی شاہ نے بھی کوئی رقم بھیجی یا نہ بھیجی۔

حیدرآباد سے جن | اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ صاحب عالم بارہروی نے صدر کے بعد لکھا تھا کہ گریل  
 حیدرآباد سے رواں بھلا پیدا کرنے کی کوشش کی جاتے۔ لیکن غائب اپنے طالع کی ناسازی  
 اور ناکامیوں کی داستان بیان کرنے کے بعد یہ رائے ظاہر کی تھی کہ حیدرآباد میں کوشش  
 کی جائے گی تو یا تو مستطمر جائے گا یا مغزول ہو جائے گا یا مقصد میں ناکامی ہوگی یا بغرض  
 اگر کچھ مقدر ہوگا تو ریاست ہندو ہو جائے گی۔

شمس الامرا کا قصیدہ | لیکن غائب نے کوشش کی۔ اس کی تقریب یہ ہوئی کہ مدنیہ منورہ کے ایک سید  
 صاحب جن کا نام عبد الزاق تھا حیدرآباد ہوتے ہوئے وہی پہنچے۔ انہوں نے بیان کیا کہ نواب  
 شمس الامرا ہندو والی یا بیگمہ کی محل میں غائب کا ذکر آیا تھا بس یہی امر غائب کے لئے تعلقات  
 پیدا کرنے کا محرک بن گیا۔ چنانچہ انہوں نے وہ شعر کا ایک قصیدہ شمس الامرا کی مع میں لکھا اور

ایک کتب کے ساتھ جس کی تاریخ معلوم نہیں ہو سکی حیدر آباد بھیج دیا۔ کتب میں لکھتے ہیں کہ جلال  
میں اردو شعر کہتا تھا۔ اور ایک دیوان مرتب کر لیا تھا۔ اب تیس برس سے صرف فارسی شعر  
کتاہوں قصیدہ کے شغف فرماتے ہیں۔

چہ قصیدہ از سینہ کہ تاب قدم دایں آفاق افروخت غیم سوزند آہے و از غریبے کوہ قی آقا  
پاک سوزند وہ داندہ و گیسے۔ مرقا بہت عزیز نگار کرد شاہ چہ شامت قبل مدلتے چند  
دل بہ شادمانی جہدہ عین آفتابی و در ہمیں خوش رہے

باتحفات نیزم و در آرد و چہ نزار

نشاد خاطر غلغلی ز کیمیا طبعی است

اس فارسی قصیدہ کے صرف دو شعر کتب میں درج ہیں نہ یہ قائب کے کلیات نظم فارسی ہیں  
موجود ہے دستہ میں نہیں ہے۔ اور کہ کسی اور جگہ شائع ہوا ہے۔ نہ یہ بتایا جاسکتا ہے کہ یہ کیسے  
شائع ہوا اور شعر یہ ہیں۔

اے غلغلہ دل و ازل آئنا کاظم منت پر سر بر ج فارم تو قسم را

شمس الامراکز شرف ثبت نامش غور قبلہ بدادنگ نشینان مجہد را

لیکن یہ خاندان شمس الامرا کے پرانے کا قذات میں سے قائب کا قصیدہ دل جائے  
اگر کوئی صاحب اسے تلاش کر سکیں تو یہ بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی۔

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ شمس الامرا کی طرف سے قصیدہ کا کوئی صلہ لایا نہ ملا۔

سوال در جنگ قصیدہ اس کے بعد قائب نے ذاب نثار الملک سر سالار جنگ اول کی مع قصیدہ  
لکھا۔ فارسی لکھا تیسب میں ایک و ضد شمت ذاب صاحب حرم کے نام موجود ہے جس میں لکھتے ہیں

قصیدہ حریف فرستادہ با ظم و نہ دستہ با ظم کہ نہ آنگاہی گوشت یا خور و فیض و دوش

وہ تلف گشت۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ قائب نے کب یہ قصیدہ ذاب نثار الملک کی تخت میں بھیجا؟ قائب کے جس

مکتوب یا عرضہ شدت کا حوالہ دیا جا چکا ہے۔ اس پر تاریخ ثبت نہیں لیکن مکتوب کے آخر میں شعر درج  
 "سچ کھنڈ محل ہمیں لب باد  
 ذاب غلک محل ہمیں شمیم را"

یہ نواب وزیرالدولہ والی ٹونک کے قصیدہ کا دہائیہ شعر ہے۔ اور تاریخ ٹونک سے معلوم ہوتا  
 ہے کہ یہ قصیدہ ۱۲۳۷ھ (مطابق ۱۸۲۱ء) میں نواب وزیرالدولہ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ لہذا  
 سمجھنا چاہئے کہ نواب فتح اللہ الملک کا قصیدہ نواب وزیرالدولہ کے قصیدے کے بعد لکھا گیا۔

اسی زمانے میں ایک مکتوب منشی حبیب اللہ خاں قزاق حیدرآبادی کو بھیجا گیا تھا۔ جو نواب  
 فتح اللہ الملک بہادر کے میرنشی تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قزاق اپنے آئندہ ویران کا ایک  
 نسخہ مرم جامہ میں لپیٹ کر نواب فتح اللہ الملک بہادر کو بھیجا تھا۔ منشی حبیب اللہ خاں قزاق نے اس کی  
 رسید بھی "ادفاد" اسی کلام طلب کیا۔ قزاق کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ فارسی کلام غالباً نواب بہادر کے  
 یہاں سے طلب کیا گیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ میر اکرام قدس میں ضائع ہو گیا۔ میرے ایک عزیز نے بعد ازاں  
 پتلاہ جزو کے قریب جمع کیا میں اب اسے چھپوانے کی فکر میں ہوں لیکن چھپانی کے مصارف بہت  
 نہیں کر سکتا۔ اسی خط کے آخر میں فرماتے ہیں:-

آں خود ہم کہ رسیدن نامہ رسیدن ویران آئندہ باندہ ہم وزیرجام کو طلب بکلیات فارسی چنانکہ  
 گمان بدوہ اسم بہ فرمان حضرت نواب سادات علیہ السلام است۔ جس میں انصاف جناب ہمیں بطور  
 ہر دو صورت فعال پذیر ی آئین فرمان بدوہ اسلام اوف الامورم شہنہ یازدہم ربیع الاول ۱۲۳۷ھ

خط آئندہ ویران کے دوا ڈیشن خدمت سے پہلے چھپ چکے تھے۔ تیسرا ڈیشن جو ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں لکھی  
 طبع ہوئی ہے جو جامہ تمام میں بہت سی غلطیاں بہ گئی تھیں اور قطعاً نامہ ساتھ شامل کرنا چاہتا ہی ڈیشن کی شمیم کے قلمدان  
 جرحی باز میں نکالی گئی اور پھر چھپوا گیا۔ اور ڈیڑھ ۱۲۳۷ھ میں چھپ کر ضائع ہوئی حبیب اللہ خاں قزاق میرنشی نواب فتح اللہ  
 آئندہ ویران کے ہاتھ لکھی رسید بھیجے ہوئے فارسی کلام طلب کیا تھا جس کے جواب میں قزاق نے "ادفاد" ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء  
 کہ فارسی کلام چھپائی کی فکر میں چھپ جانے کے بعد پہلی دوں لکھی تھی کہ جو کہ نواب فتح اللہ الملک آئندہ طبع دہا دیوایو بھیجا گیا ہو گا۔

غائب کی پہنچ داشتن غائب غنار الملک کی مع میں جو قصیدہ لکھا گیا۔ اس میں غائب اپنے تعلق  
لکھتے ہیں۔

روشن دل آتشیں زبانم      اندوہ نہ دو دواں نگوئم  
در قلم بنم پایہ ندم      والائی حنا دیاں نگوئم  
عشق بہت تلمیذ تو رہی ما      از غب و ارسال نگوئم  
والا گرا سپہر جاں      اینسا ز دنگاں نگوئم  
جنگ بہت دل ام جو ہم دد      میرم اگر پنج نگوئم  
کس نیست متلع سا خیردار      با آنکہ بگراں نگوئم  
ناں رو کہ غر و حدان گیتی      رنجند چہ قد رواں نگوئم  
ناچار متلع غمہ وارم      بے رونقی و کاں نگوئم  
سرمایہ دوست رفتہ وانگا      گاہے سخن از دیاں نگوئم

حسن طلب ملا خطہ فرمائے۔

امید کہ جس نہ سوال خبرد      حسنہ کردیں میں نگوئم  
تنگم و سوال نیست اما      با ملک سپہ دیاں نگوئم  
گردا یہ پسد بین ز سویت      با غائب خست جاں نگوئم  
کاں خود دمن بہت ناتوان      بادے سخن از تو ان نگوئم

یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ غائب غنار الملک بہاؤ نے غائب کے ساتھ کچھ سلوک کیا یا نہیں کیا۔  
خیر اللہ وہی تو ملک کی مع میں غائب کے دو قصیدے غائب و ذریا لدولہ بہاؤ دواں ٹونک کی مع میں ہیں۔  
تاریخ روٹیکے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا قصیدہ ۱۲۱۲ھ مطابق ۱۸۷۱ء میں بھیجا گیا تھا۔ اس وقت  
غائب کی عمر پندرہ بیسٹھ برس کی تھی۔ انہوں نے اپنے بڑھاپے کا ذکر قصیدے میں بھی کیا ہے  
فرماتے ہیں۔



ہر چند پیسری شدہ دل سرور ہستی      از سروی بحسب چہ نیاں گری می نہ  
 در غم نفس گرم ہوا خسروہ ولی خیزد      از بہمن دوسے تب نرو شیر لہم را  
 بر نائی اگر رفتہ از آنست کہ برین      حقے بنود پرورش آسوز ہوسم را  
 فتح و ہم پیسری کہ کند در نظرم غوار      خواب منظر طلعت و ناخندہ سم را  
 پشتہ سوئے سجدہ فرسہ ہاد نہاید      باریست گراں شست غنودای تخم را  
 با پشت غم آسودہ تو اس باریست گیتی      ااکچہ نسیم کج روی بخت و ژوم را  
 جا درود جاں آفتد غم میت کہد حقے      بیرون نسیم از دائرہ یاس قدم را  
 ہں قصیدے میں ایک نزل بھی کسی سے جس کے چند اشارہ برج ذیل میں ہے  
 وہ ہند تنک مانیہ ہر بندہ کو یاں      یا سب بچہ تسلیم ہر دم فوق ستم را  
 شیرینی جاں بلربل من موج نواں      ایں شہد خبر و از و جنم لہی نسیم را  
 آسودہ دلاں چوں شونو آہ و فغانم      دانند کہ من مرد نیم رخ و الم را  
 غافل کہ ہم از ہول مگونہ ساری بخت بہت      فریادگر از سب جہاد باب ہسم را  
 غم غمت و درون من و غنٹا پاکان غم      بر چشم ہوا و شست بدوں و لون غم را  
 در سر مر فروختہ گدایانہ خرو شبست      پیش آمدہ روز کیجے حرف رقم را  
 آنہ میں فرماتے ہیں ہے

گفتہ کہ گدا تم ز گدایاں نہ شماراں      و ہم نفساں نیز بوقضہ قید ہماں  
 ہر چند بد و بدیزہ عزت از عزیزاں      با خود بہ شفاعت خوالاں پر و قسم را  
 سو گندہ دم کہ ہند رخ گہ خویش      فیض از دم ہو گندہ صد صبح و دم را  
 من دایہ ز شہ جویم و شہ صوفت خدایاں      تیج جائے کمال من بہت از سر جم را  
 چنگام گدا فی نقد از شہ ہر سالم      سالانہ گندہ از لڑنہ دوستاں لکیم را

تاریخ و کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدے کے مصرعوں تاخیر ہو گئی تو غنائت ایک

قطعہ بھیجا جسے خواجہ حالی مرحوم نے یاد کیا انہیں جو طبع کی مثال کے قطعہ نقل فرمایا ہے۔ اور جو  
خاتب کے مطبوعہ کھپات میں موجود ہیں لیکن تسمیہ میں میں موجود ہے یہی اسے میں قطعہ  
محض خن طلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم چونکہ اس کے معلوم ہوتا ہے کہ اس قطعہ کے بعد خاتب  
کو سدا بھیجا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس قدر بھیجا گیا تھا۔

خاتب کے کھپات میں خواب وزیر الدولہ بہادر کی صبح میں ایک اور قصیدہ بھی ہے۔ جو  
منجھ کی تفریب میں بھیجا گیا تھا۔ اس قصیدے کے دعائیہ اشعار کا اندازہ بہت اچھوتا اور گوش  
ہے فرماتے ہیں :-

چند چیز است کہ در پیشگاه اہل تہیز	چراغ افغانی آرایش گہاں آمد
آں درخشندہ درفشے کہ بنیادے عرب	دندان نمراد شکریاں آمد
آں فرورزدہ و غیر زو دل افروز نگہیں	کہ روانی وہ مندرمان سلیمان آمد
و دیگر آں جام بہاں میں کہ بدوشن ووشی	عالم مندر دوزخاں ہر دوشاں آمد
و دیگر آں تخت سبک سیر کہ از تیر روی	ہمد م باد جو بوسے گل و دریاں آمد
ہفت گنجینہ پر در کہ در ہفت تسلیم	چہ خود ادبی ہفت ہستیاں آمد
ختم ہر گنتہ خاص کہ ہمیشہ فروو	فیض ہر آیت رحمت کہ ہر قرآن آمد
یارب اینہا بہ تو بخشہ و بآں نساہند	و م آہے کہ سہ ہستمہ جوان آمد

جن میں میں علی فتح آباد مسلمان رہا ستوں ہیں اس ناسے میں ریاست فتح آباد کی خاص اہمیت  
کتنی تھی یہ ریاست گنجش خاندان فتح سیر کے عہد میں قائم کی تھی اور غدی میں برباد ہوئی۔  
اس کے حالی خواب نجل حسین خاں کے ساتھ خاتب کے روا ہوا بہت اچھے تھے مگر وہ کی ایک  
نزل کے آخر میں خواب صاحب محمد علی صبح کی صبح میں ایک قطعہ موجود ہے جس کا پہلا شعر  
یہ ہے :-

سے یادگار خواب سفر ۸ سے یہ عرصہ کہ زمانہ ثابت چون شمس ۱۲۹۳



ہیں ایک شہنوی بھی جو محلہ بالا کتبہ میں بیچ رہے اور ان کے کلیات نظم میں نہیں آئی فرما ہیں

خوشا کا دیوے دہرے جاں پرورش	نخود ہبہ پر وادہ ہبہ ہبہ
شمیم رواں پرورش داود اند	دگر صورت شہر ش داود اند
اداس دوست کاں گل ہبہ شہر شہم	نڈیا ست منت پرست نسیم
تو گئی بہار ان منہ خندہ خوتے	کہ رت نام رنگ است دقت نام جو
پے تازہ گلہائے اُردو بہشت	ہرات رواں بخشی پرورش
شمیمے کڑاں تازہ گرود و باغ	فروں آمد او طرٹ گلہائے باغ
چنگد بہشت آں مایہ لغز روز	بہ کاوی پہنجشید اندر قوز
قوز از ویش دہبہاراں شدہ	شرف نامہ روز نگاراں شدہ
اگر جو رہا رخت شادی بود	تراکسون گلہائے کاوی شود
شمال دہبہا پیشکارش پہ باغ	گل اکو شہر آئینہ داکش پہ باغ
ہیں ایشخانے کفرخ دم است	چنین تازہ ہگے ہیں حاکم است
بدانساں کہ جاں بہت از حق سپاس	فرستندہ را باد از حق سپاس
بود تاکہ فریب بساط سپہر	دشمن نامہ گل مسخ ہبہ
ہر آن گل کہ آرد بہ گلزار باد	مہاراجہ را وقت دستار باد

گل کیوڑہ کا تختہ بھیجئے نظر ہر جوتا ہے کہ مہاراجہ کے ساتھ خاتکے رود ہدیہیں دوستی کا پہلو نہ یادہ نمایاں تھا۔

الور کے سلطان دیوان فشی ہیں شدہ خاں دیوان الور کے بھائی فشی فضل شہنشاہ نام پخت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خاتکے گیس سے سن تھا کہ ان کی طرف کئی عرصہ مدت مہاراجہ کی خدمت میں پیش ہوئی حالانکہ خاتکے کوئی عرصہ شہر نہیں رہی تھی فشی فضل شہنشاہ لکھتے ہیں کہ بھائی پرچہ لکھو جہر شدہ کوئی لایا تھا تیسرا خط میرزا اسفند یار بیگ دیوان الور کے نام ہے جس میں میرزا صاحب کے دیوان

بننے پر مبارکباد دہی گئی ہے۔ خیر ان کے حسن انتظام کی داد دیتے ہوئے لکھتے ہیں :-  
 تو انگریزوں نے اپنی بشارت و تہدیتیں اس کیچ بٹش صلا و دگر کی راسخا بقادر خواجہ پرورد  
 خود دہی را دگر ہی جگہ سے بلایاں انگلستان اخواہ شدہ من اچین ا۔ مرا کر گشت نشتم چوں چہ  
 افس نفع اچین دہر پاکستان و اہل کشور چہ کار و از تہادی ملک و آن و گی ظن چہن ..... اخوند  
 دیوں بندگان آں و دہم و دہمن خاک نشینان آں و دہا و دہگشت کوچوں اساس کا پڑتی  
 ویش دوا و ہند گشت و توش و دہمن چہن باز دہند۔

راجہ شیرو حیاں نے ہمارا راجہ راتو رات منی سنگھ نے ۱۸۵۵ء میں انتقال کیا۔ ان کی جگہ ان کا بیٹا راجہ  
 شیرو حیاں سنگھ سند نشین ہوا۔ سند نشینی کے وقت اس کی عمر کم تھی۔ راجہ راجہ راتو رات منی سنگھ کے عہد  
 میں منشی امین اشد خاں دیوان بنے تھے اور میرزا اسفندیار بیگ نائب دیوان بنے تھے۔ ان  
 دونوں میں باہمی کشمکش شروع ہو گئی۔ ایک وقت میں منشی امین اشد خاں اور ان کے بھائیوں  
 پر عتاب نازل ہوا۔ دوسرے وقت میں میرزا اسفندیار بیگ محتوب ہو گئے۔ راجہ شیرو حیاں  
 کی سند نشینی کے وقت منشی امین اشد خاں ہی تختہ رتھے۔ اسفندیار بیگ نے انتظام کے جوں میں  
 راجہ چوڑوں کے ساتھ ساز باز کیا۔ اور کہا کہ تمام کاروبار مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے۔ راجہ  
 انہی کی محبت کو پسند کرتا ہے۔ اگر یہ صورت حالات قائم ہے گی تو راجہ مسلمان ہو جائے گا۔ راجہ چوڑوں  
 نے اس پر جھگڑا کر کے منشی امین اشد خاں اور ان کے بھائیوں کو گرفتار کر لیا  
 لیکن راجہ کے اصرار پر چوڑوں بھائیوں کو رہائی بھیج دیا گیا۔ پینٹیل بحیث کو ان واقعات کی اطلاع  
 ملی تو اس نے حالات کی جھلجھل کی جوڑیار ہوئے۔ راجہ کو جوڑیار ہوئے تک اسد باست سے طلحہ کر کے  
 انتظام بھینسی کے حوالے کر دیا جس کے مسد کپتان اسپے تھے۔ پانچ برس کے بعد راجہ کو اختیار  
 ملے۔ کچھ مدت تک بڑا اچھا انتظام ہوتا رہا لیکن پھر بنگلیاں پیدا ہو گئیں اور راجہ چوڑوں موقوف  
 ہوتے گئے جن سے راجہ کو سخت نفرت تھی۔ اس کے بگس مسلمانوں کے ساتھ گڑبگس چل رہا تھا  
 لہذا عین ہر ہی توشہ کی طرف اشارہ نہیں کر سکتا۔ مگر یہ مقل نے ان کا دل میں چال اور کسی قدر ذہنی عمل میں آجائے ہیں۔

۱۸۶۱ء میں پھر راجہ صاحب نے اختیار کر دیتے تھے ۱۸۶۲ء میں ان کا انتقال ہوا۔

حقیقہ [عاقبت] رہا راجہ شیرو حیان سنگھ کی طرح میں ایک قصیدہ غالباً ۱۸۶۶ء میں لکھا تھا۔

اس میں اپنے والد کی شہادت کا ذکر بھی کرتے ہیں :-

وہیچ سانگی مشہد ام چاکر حضور      نگیں سخن طرازم و ویریں وظیفہ خوار

بایستہ نور از زمین بارگاہ      بایہ شغف قصد ریسران آں مایا

کافی بود مشاہدہ شاہد ضرورت      در خاک راج گروہ قدم مایہ و مزار

توفات پوری دہریں | راجہ شیرو حیان سنگھ سے خاتک بڑی ترقیات تھیں۔ میرمدی تخریج کو ایک

خط میں لکھتے ہیں :-

راجہ صاحب کے سلوک کا حال ہم پہلے ہی سن چکے تھے۔ انور شاہ علی حلال دیکھنے پہنچت

کب کہتے ہیں، موافق اپنے دھرم کے ہم کو کب طلب کرتے ہیں، نکلتے جاتے وقت فرماتے

ہیں کہ میں انگریزوں کو ہٹاؤں گا، ایسے وہ باتیں کہ تو میں کیوں کر نہ جانتا تھا۔

ایک مکتوب سے جو رام پور سے لکھا گیا تھا ظاہر ہوتا ہے کہ انور سے خاتک کی توفات

پوری دہریں۔ کم از کم ۱۸۶۶ء تک وہ مایوس تھے حکیم غلام شغف خاں صاحب کو لکھتے ہیں :-

جہاں نضل افش خاں کی خود ہی دہد گا، ہی کا کیا کہنا ہے، گلوں سے جو کہنا نہیں، یاد رکھنا

وہاں سے بچے کہہ دیتے گا، یہ فرض حال اگر وہ تو دعائی سو رہا سو رہا ہی بچے جہاں نضل افش

ہوا اور امین افش خاں سابق دیوان الہر کا دینا ہے مان کا قرض ادا ہو جائے گا، مہاتما اگر

خلاف یہوے حقیقے کے چاندروہے کا حکم ہوا، اور وہ آجائیں تو تم بڑا غلام ڈھائی سو

میں نضل کو دے کر پھر کرکھنا، باقی کے واسطے میں جس طرح لکھوں گا، اس طرح کرنا۔

سید حسین | میرزا باقر علی خاں کو ۱۸۶۶ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

میں نے آگے میں نے دینی دہریں، سید حسین کی ایک مجلس دعویٰ اقبال نشان میں حضور

خاں کی معرفت انور کو بھائی مئی سوا کے پہنچے میں حضور پر فرما مایہ راجہ اور کا خط ان کی خدمت

بھوکو آیا حضور نے الزام بندہ پر موری و قدرا فزانی انصاف بہت جرابے لکھا خدیں خرقہ سے  
 عزابت اور افتخارات کے بھرے ہوئے ہونے کے۔

میسزنا باقر علی خاں اس دہائی میں الودیں تھے اور آپ کے حالات کا ذکر کرنے کے بعد نہیں  
 لکھتے ہیں :-

تم تو ہیں تھے تم کو اس کی اطلاع ہو گئی تھی نہیں اور اگر ہو گئی تھی تو تم نے مجھ کو کب نہیں لکھا  
 اب میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ کسی صاحب میں میری فکر آتا ہے یا نہیں اور اگر آتا ہے تو کس طرح  
 آتا ہے۔ حضور میں کر کیا فرماتے ہیں۔

جے ہرے دادا ہرگز ہال تفتہ کے نام کے غفلوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کو جے پور سے بھی کافی  
 روپیہ ملنے کی امید دلائی گئی تھی لیکن صرف پانسو ملے۔ فرماتے ہیں :-

خدا دادا کو اور دادا میں مالی پایہ نہیں ملتا۔ مگر خلیج میں اس کا پایہ بہت مالی ہے یہی خلیج  
 میں سرور میں یہی ملتا ہے نہیں جیسی کہ دادا ہی بہت پسند فرماتا ہے۔ جے پور سے لگے دو ہزار روپے  
 آجاتے۔ تو میرا قرض دفع ہو جاتا اور پھر لگے دو ہزار روپے کی زندگی ہوتی تو دادا ہی قرض ادا ہوتا  
 یہ پانسو روپے دادا کی جان کی قسم تفرقات میں باکرہ سوار شدہ سناج دیں گے۔ سو روپے صرف  
 میں نہیں گئے۔ مہاجنوں کا سودی قرض ہے وہ بعد ہندہ سولہ کے باقی ہے۔

پانسو روپے :- پانسو روپے سبیل ہندی بھیجے گئے تھے۔ غالب کو ہندی جلد ہی پہنچنے کے مستحق  
 جزا و اضطراب تھا اس کے ساتھ قرض کو ملنے کا یہ عالم تھا کہ ہندی لانے والے کو کچھ روپے  
 انعام دینے کے لئے تیار تھے نیز آنے جانے کے مصارف ادا کرنے پر آمادہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں

بھائی بیج کچھ ہندی نہیں آئی میں جہان میں وجہ جہان کی یہ ہے کہ اس ہندی کے جہان  
 پر تو خدا دلوں سے وعدہ جان کے ادائے کا تھا۔ آج جون کی پانچویں ہے ۱۲۵۳ھ بمطابق  
 کہنے میں بھی کچھ کل کر اہوں۔ غرض کہ اسے ابو صاحب کو کچھ نہ نہیں ملتا۔ جانتا ہوں  
 کہ وہ ہنگامہ پر مار کوٹنے کی فکر میں ہوں گے۔ پھر وہ نہیں اتنا خلعت کریں نہیں سوپے کی کوئی

ہاتھ اٹھو صاف ہر دوپٹہ لٹکھ رہنڈی لائے دلے کا نام میوے اس سے جو ہوئے ڈیکھا غضب ہوا  
انہیں اونگھیں (خام مکے) چن نکال قاریں باقی ادا مال کریں۔

۲۴ جون ۱۸۵۳ء کے ایک خط میں فرماتے ہیں :-

تیسوے دن ہر دوپٹہ لٹکھ کی مرضی ادا ہو گئی دوپے کی رسید اور ہانڈی ہنڈی پہنچ گئی  
ابو صاحب نے چوبیس دوپے ہر دوپٹہ کو دینے اور کھتے بھارتے۔ بہر حال ہنڈی ادا ہونے  
کی سبب دہائی تھی چھ دن گزر گئے تھے۔ چھ دن باقی تھے۔ جو کہ کھسکاں۔ تھی کا تکرار دوپے  
لئے قریب متعلق سب اور اہل گیارہ ستائیس دوپے نقد میں ہیں۔ اور چار تولی شراب اور ڈھین  
لکھ کے قرض خادیں موجود ہیں الحمد للہ ملے اساتذہ۔

دریہ ملایا | خیر ملایا کے باب میں فرماتے ہیں :-

ہندو پر دوپہ دو صاحب نے پہلی بار تو لکھ کر دو ہنڈیاں بھیجی تھیں سو سو دوپے کی ایک ہزار تین  
بجٹل کے واسطے راجہ صاحب کی طرف سے تاریخ نو کھنڈ صاحب کے خاتم میں۔ اور ایک ہنڈی لکھتے  
لکھ کر بہر قریب خد شاہ گوی بہا اس کے دو ہنڈیاں سو سو دوپے کی چار ہزار پانچ پانچ پانچ کے  
آجین صاحب اور کھنڈین کے صلہ کے دوپوں کے چار سو۔ اور اس سے علاوہ تین کھاروہ کے چار سو پانچ  
کھتے دن میں آئے اس کا حساب کھنڈ صاحب کی طرف سے ملے ہے۔ اگر وہ دوپوں کے ہی تو  
دو سو ہیں اگر وہ تین سو کے ہیں تو تین سو ہیں۔

گواہی کے ساتھ متعلق | معلوم ہوتا ہے کہ گواہی سے بھی خائب کو عطیہ کی توقعات تھیں یہ سب  
خاں بہادر عرف حضرت جی کے نام فارسی کے ایک کتب میں لکھتے ہیں کہ میں اپنے متعلقہ  
متعلقہ تہذیبی فیصلے کا منتظر ہوں فیصلے کی اطلاع ملنے ہی گواہی کی طرف چل پڑوں گا۔

پنڈیا | خائب کے فارسی قصائد میں ایک قصیدہ ذمہ رنگہ والی پٹیاں کی بیج میں بھی ہے۔ جو خائب  
حکیم محمد و خاں مرحوم کے بھائیوں کی وساطت سے پیش ہوا ہو گا۔ اس میں اپنے متعلق لکھتے ہیں  
بے زور و دل آلودہ خاں دارم خاں اگر دست آنگی خاں گیسر



خودیدم و نہ بسیخی مرا ہیں کاشم  
کیک از غش آور یہ استخوان گیسرد  
بحرانی حال من از قال من گفتاں  
سرخ آتش سوزندہ از دغاں گیسرد  
مرا کہ نام مرا ہے ادب دیگر کس  
فلک نگر کہ بہ بازیچہ انگاں گیسرد  
پہرامی و من گوشہ گیر و نہ نشیب  
فتاں از نطق کہ خصم و نیش گیسرد  
حریر فکر مرا ہر فرد صد رنگ ہست  
غشتم کہ دیدہ و درازن بہ فتاں گیسرد  
پریشتری چہ رسم ترک چنچ و دہا ہست  
کہ جان جامد جاہر شہ نگاں گیسرد  
من آں متلع گر افایہ بک قدم  
کہ گر بہیچ خرو کسٹاں گیسرد  
ولم کہ چارہ نہ دارد و ہے جنوں کہ ترا  
بجال غش و دہا شہ مرناں گیسرد  
دایان مالک ادا مرا کے مشاہروں باطلیوں کے تذکرے کے بعد غائب کی اپنے  
شاگردوں اور بنامندوں کے ہدایہ کا ذکر بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تفتہ کا بیت | تفتہ کے نام ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۲ فروری ۱۸۵۷ء کو ان کی طرف سے  
سوروسے کی ہندوئی آئی تھی غائب اس کے ذکر کے بعد فرماتے ہیں :-

ایک آدمی رسیدے کو قتل کے کشتہ چلا گیا اور سوروسہ پہرہ شاہی لے آیا۔ آئے جانے کی  
وہ ہر جہتی کہیں۔ چہیں حصے دارو کی سرفت آئے تھے وہ دیتے تھے بھاس روسے  
میں بھیج دیتے۔ چہیں دے داتی ہے وہ بھیں میں رکھنے دے مابکے سابق بھیج داتی  
رہنے چاہئیں مکن ہے وہ روسے کسی کو خنام میں دے ہوں،  
غائب اسی دے کے متعلق و متنبہ میں فرماتے ہیں :-

سیرا تفتہ .... از میرٹھ سفتہ نہ پن فرشا و دہا سورنامہ پوتہ سے فرستہ۔

دہا دہا کے دہا | نور الدہا و دہا اب سعد الدین خاں بہاؤ شاہ نے جس کے دہا کا پس بھی دہا خاں  
روپیہ بھیجے رہتے تھے۔ غائب ایک خط میں انہیں لکھتے ہیں۔

سینٹیس روسے کی ہندوئی سہی اس کا بھی حال سابق کی ہی ہندوئی کا سا ہے یعنی

ساہوکار کہتا ہے کہ ابھی ہم کو کاہلی کے ساہوکار کی اجازت نہیں آئی۔ جو روپیہ وہیں ملے گا  
سرکار کے کاہلہ انداز سے ساہوکار کو کس کا جانت کھسکھیں تو نہا سکیں۔

میرزا بہار علی خاں کا جواب | میرزا حسین مرادوی نے غالباً نواب میرزا میرزا علی خاں سولتانی کی طرف سے  
پوچھا تھا کہ آیا کچھ روپیہ بھیجا جائے؟ جواب میں لکھتے ہیں :-

سید صاحب قبلہ کیوں تعجب کرتے ہیں اگر یہی مرضی ہے تو اخاف وادبا تعجب منہ سے نکلے  
بے سوال ہوں اگر کچھ بھیج دیں گے تو وہ ذکر نہ کیا۔ کم دیش پنہلوہ کریں۔ جتنے کا چاہیں نوٹ  
خط میں لپیٹ کر بھیج دیں۔

پھر ۲۵ ستمبر ۱۸۶۶ء کے خط میں فرماتے ہیں :-

جب نوٹ بھیجنے تو اہل نکلت کی علی آدھا آدھا دو پار کر کے دیکھیے گا میرے نام کا غلاف  
جس ٹھہرے چلے اسی ٹھہرے ٹاک ٹھہریں وہ جاتے تو وہ جاتے ہو وہ دل کے ڈاک خانہ میں  
پہنچ کر کہا مکان ہے تو کف ہو۔

انہوں نے غالباً سو روپے کا نوٹ بھیجا تھا اس لئے کہ ۸ اکتوبر ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں  
فرماتے ہیں :-

حضرت یہ آپ کے جا بھ کا غلام قمر لیا۔ کثرت احلام و قوت و مرد و شمار بہرہ پنہار کہ سودا  
کے نوٹ کی رسید سربار مانگتے ہو۔

میر غلام بابا خاں کا جواب | نواب میر غلام بابا خاں سورتی بھی وقتاً فوقتاً غالب کی مالی امداد فرماتے  
رہتے تھے مثلاً آدھوں سے ملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قاطع برائے کو دوبارہ چھپوڑنے کے  
سلسلے میں غائبانہ امداد طلب کی تھی۔ نواب میر غلام بابا خاں نے ایک گھڑی بھیج دی۔  
غائبانہ اس کے متعلق شکاک تھی خط میاں داد خاں سیلج کو لکھا جو نواب میر غلام بابا خاں کے  
مصاحب بن گئے تھے۔ اس کے بعد نواب صاحب نے سو روپیہ بھیج دیا جس کی رسید ۲۵ ستمبر ۱۸۶۶ء  
خط آدھوں سے ملتی ہے۔

کے ایک کترب میں ان فضول میں پہنچے ہیں :-

سورہ ہے..... صراف سے وصول ہو گئے چھوٹے صاحبِ ارب میر غلام بابا خاں نے

پڑی جا خروچی اور شہی بہت کی اس طرف میں میر غلام اور ان کا نام چھوٹا شہاب بھی

ہندوستان میں ایسے لوگ ہیں کہ میں نے ان کو دیکھا انہوں نے مجھے دیکھا۔ میر کوئی

حق ان پر ان کو کوئی خدمت ہو سکتی منظور خیر فقیر میں جب تک میں گواہا کروں گا۔

یہ خط سراج کے نام ہے۔ ایک خط میں میر غلام بابا کو براہِ راست «میدہ کی بھی گئی ہے»۔

مرحی خاں کا یہ [مرکزی ولایت حسین صاحب کے نام کے ایک قلمی خط سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی خاں کی طرف سے ایک موقع پر دو سو روپے وصول ہوئے تھے]۔

فترحات و عطا یا کے اس بیانیہ ذکر کے بعد غائب کی مالی و اقتصادی حالت کے متعلق

کچھ زیادہ عرض کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ یہ ظاہر ہے کہ زندگی کے ابتدائی دور کو چھوڑ کر

وہ عرصہ مالی مشکلات میں اُبھکے رہے۔ ان کا قرض غالباً کسی دور میں بھی ختم نہ ہوا کیسی جگہ سے

روپیہ آتا تھا تو وہ بلا قرض آتا رویتے تھے لیکن پھر اس بھروسے پر قرض لینا شروع کر دیتے

تھے کہ اور روپیہ آجائے گا۔ اول انہیں جی مدت تک یہ امید تھی کہ ان کی خاندانی

پیشن کا سارا بقایا ایک شت مل جاتے تھے جو سنی ۱۲۳۳ء میں ان کے صاحب کے مطابق دو

تین ہزار تھا۔ اور اس کے بعد سات ہزار روپے ساہ ذکے صاحب کے اس میں اضافہ ہوتا گیا۔

اسی روپے کے لئے کوششوں کے سلسلے میں انہوں نے دو کٹوریہ کی مع میں قصیدہ بھیجا۔

وہاں سے جنوری ۱۲۵۵ء میں جواب آیا جو غائب کے لئے بہت دلخوش کن تھا۔ اس طرح وہ

۱۲۳۴ء سے لے کر ۱۲۵۵ء تک سرت افزا توقعات کے چکر میں اُبھکے رہے۔ دوسرے

میر خاں ہے کہ فترحات و عطا یا کے سلسلے میں ان کے سامنے صرف دو حقیقتیں تھیں ایل

بٹے بٹے شہر سے زمانہ غمی کے ساتھ سلاطین و امرا کا شاندار سلوک۔ دوم اپنی شاعری کا

ان کے قصائد فارسی شاعری کے نہایت بلند پایہ شعرا کے قصائد سے اگر مترادف تھے تو کمتر بھی نہ تھے۔ اور وہ قصائد مدح و تحسین کی خدمت میں سمجھتے وقت اسی خیال میں مبتلا رہتے تھے کہ وہ ان کے کمال شاعری کا صحیح اندازہ کریں گے اور ان کے ساتھ وہیسا ہی سلوک روا رکھیں گے۔ جیسا دوسرے بڑے بڑے فارسی شعرا کے ساتھ امرا و ملوک نے روا رکھا تھا لیکن ان کی یہ توقع کسی بھی پوری نہ ہوئی۔ ان کا صرف ایک قصیدہ ہے جس پر نصیر الدین حیدر بادشاہ اودھ نے پانچ ہزار روپے دیئے۔ لیکن اس رقم میں سے غائب کو ایک جلد بھی ملا۔

ان حالات میں ان کا بیچ مسلسل زیادہ رہا اور ان کی آمدنی کسی وقت بھی ان کے مصالک کے ساتھ سادگاری پیدا نہ کر سکی۔

مالی مشکلات میں افزائش سفر کلکتہ کے گراہنا مصارف کے بعد ان کی مالی مشکلات خاص طور پر بہت بڑھ گئی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ انیشن کا بقیہ روپیہ یک مشت مل جائے گا اور تمام قرض بے باقی ہو جائیں گے۔ لیکن مقدمہ نے طول کھینچا جب فیصلہ ثالث کے خلاف ہوا اور روپیہ ملنے کی کوئی امید باقی نہ رہی تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساہوکاروں نے ثالث کے خلاف دعوئے دائر کروا دیا تھا۔ اور وگرباں نے اس قضیہ پر ۱۸۳۵ء کی بات ہے جب ولیم فریڈر قتل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں بلند پایہ افراد کے تعلق یہ دستور تھا کہ قرضخواہ انہیں گھر سے گرفتار کر کے قید نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن اگر وہ لوگ گھر سے باہر نکلتے تھے تو انہیں پکڑ لو کر حالات میں سمجھایا جاسکتا تھا۔ ثالث نے گرفتاری کے خوف سے اس زمانے میں دکن کے وقت کلکتہ سے باہر جانا بند کر دیا تھا اور وہ رات کی تاریکی میں سیر کے لئے نکلتے تھے۔ وہ طویل نام ناسخ کو یہ تمام حالات لکھتے ہوئے فرماتے ہیں :-

مختصی شہرہ کہ دفین مہر و ثبات فرمداں بود کہ دعوتن از گردہ دام طلباں چنانچہ تمامہ عدالت انگریزی بہت ڈگری بلن من و عدالت حامل کہ نہ چوں فرجام آن بہت کہ بازر مند رجو ڈگری گزارہ شدہ باقن بہ بند و ذنباں دا وعاہیہ۔ وہیں بار و صا و دنگا باہر

ہست۔ ہمارے اندر ہر نام آوران میں قدرت کو مستغرق عدالت ہے کاشا شاہ شہنشاہ  
اندھرت کا عروج ہو گزرا یافتہ نشوونما۔ ہر اسیر بی نفعہ چون گنجائش ادا سے نہ خود لاجرم ہر  
امید خود اگر آوارہ دم و رنگ نشا سوار ہی کرم۔

قرض کی کوشش | فریب حسام الدین حیدر خاں بہادر کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

کس فرشتہ اندھ جیت و ہیر لال را بہ خطور خزانہ دور سخن فشا شد۔ خاک و سراپا و طیاریندا  
بیایم دست و پا نہ گفتگو بکشا تم آچہ گفت آید حاصل آنہ عرف و سخن میں باشد کہ اسدا شدہ دم پست  
شاست و سرشتہ ترانہ میں ہر دست شاست۔ جالیا انا مدوہ تنگ و تنگی و دشمن دور اندہ  
ہر کار خیزش است۔ کوشش گیر ہر دو یک ہزار دو سپہ گیر ہر کار خیزش آید کہ کسی شام نہ غر اہد رفت۔  
دستور مند فرما ہذا فتاوہ۔

اس خط کی صحیح تاریخ معلوم کرنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں لیکن اغلب ہے کہ یہ قرض سفر کلکتہ  
کے لئے دیا گیا ہو گا۔ اس لئے کہ اتنی بڑی رقم کے یک مشت لینے کی بظاہر اور کوئی ضرورت  
نہ تھی۔ اور چونکہ خط میں دو ساہوکاروں کا نام آیا ہے۔ شاید یہ وہی دو شخص ہوں جنہوں نے  
بعد ازاں خائبہ خلاف وہ ڈگری حاصل کی جس کا تذکرہ شیخ نذیر کے واسطے خط میں موجود ہے۔

۱۸۵۳ء کی حالت | قرض کا سلسلہ دستور جاری رہا۔ مثلاً ۱۸۵۳ء میں جے پور سے پانسو روپے  
آئے تھے تو اس وقت بھی خائبہ پر پندرہ سو روپے کا سودی قرض تھا۔ قرض متفرق اس کے علاوہ  
تھا۔ غدر کے دنوں میں وہ کپڑے بیچ بیچ کر گزارا کرتے رہے۔ اور بے حد تنگ دست ہو گئے۔  
اس زمانے کی حالت مختلف خطوط سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک خط میں پنجابی کی کوشش لکھتے ہیں  
پنشن لہا نے اس شکستہ ہر باتیں تو کچھ فکر کروں۔ پیٹ نہیں دوں گا تو بھی کھانا  
(دور قمر بہ جنوری ۱۸۵۹ء)

۱۸۵۹ء کی حالت | ایک اور خط میں جو نومبر ۱۸۵۹ء کا لکھا ہوا ہے فرماتے ہیں :-

بھائی! ادا کا غلہ و کٹ۔ لگے غاروں میں سے ایک یہ رنگ غاروں سے کتنا سہیج

کا نڈھا ذکر کر رکھا تھا ہوں حکمران دہوا۔ کل شام کو فوج کہیں سے پہنچ گئی ہے آج کا شہر  
مٹا دیں گا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ہاتھ ہر ملی کا بندہ ہوں، اس کی قسم کہیں جھوٹ نہیں کہتا، اس وقت کھڑو تھا لڑکا، درخت  
کے پاس ایک وہ پیر سات آنے لائی ہیں بعد اس کے ڈاکیں سے قرض ملنے کی امید ہے  
ڈاک کی مجلس ہر من دینے کے قابل، اگر امام پر سے پکڑا یا قہر وہ ناشدہ نا امید ہوں۔

خدر سے یمن برس بعد جب غائب کی فوج کا سر سال جمع شدہ روپیہ ایک مشرت ملا د  
غائب کے ذمے سات کم پندرہ سو روپیہ سودی قرض تھا اور گیارہ سو کوئی روپے متفرق قرض تھا۔  
آخری ایام | غشی حبیب اللہ خاں زکاکے نام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے  
آخری ایام میں بھی غائب کچھ کم و بیش تین سو روپیہ ملا تھا۔ اور آمدنی صرف ایک سو باسٹھ  
روپے تھی۔ فرماتے ہیں:-

ایک سو باسٹھ روپے آٹھ آنے کی آمد تین سو روپے کا بیج۔ ہر سینے ایک سو پانچ سو لکھا  
کو زندگی دشوار ہے ہمیں۔

تین سو روپے کہاں خرچ ہوتے تھے؟ اس کی تفصیل بتانا مشکل ہے۔ ان کے مکان کا کڑ  
پانچ چھ روپے ماہانہ سے کبھی زیادہ نہیں ہوا۔ ملازموں کی تنخواہیں زیادہ سے زیادہ انہیں تیس روپے  
ہوں گی۔ گھر کا خرچ بھی زیادہ نہ تھا میرا خیال ہے کہ اس آخری دور میں بھی وہ پڑائے قرض  
انکارے رہتے تھے اور ان کی آمد کا بڑا حصہ مختلف قرضوں کی تسکون میں جاتا تھا۔



# لڑاں باب

## دستانِ غد

بنا گرفت چناں حشر سے فرید بہر کنراں بر آئینہ آسماں غبہ آمند  
شرارہ بار خبار سے زلفِ خاکِ گنجیت سیاہ روچے کاندریں دیار آمد  
تو گوی آہنہ من آں دافنامے نوئم نہرشت من ابرنگار بار آمد

یہ تو خاک کے الم نارجیات کا کوئی صفحہ بھی ایسا نہیں جس کی سیاہی صیبتوں، ہریشوں اور دل شکستگیوں پر آہ و فغاں کے دھڑکن سے تیار نہ ہوتی ہو۔ یا جس کے جین ہسٹور کی آرائش کے لئے دل و جگر کے خون کو بے دریغ صرف دیکھا گیا ہو لیکن اس طویل القصد انسان کے اندوہ و غم اور فریاد و ماتم کے قوسِ عربی کا نقطہ نہایت مسطحت مغنیہ کی تیار بخِ ذوالِ یکا وہ خیرِ زو تو بچھائی قدمِ عزت ہے جو عام طور پر ہڈی کے نام سے معروف ہے۔

تجربوں کا ندل | تیمور سلطنت کی بساط جاہ و جلال حقیقتہً عالمگیرِ عظم کے آخری سامن کے ساتھ ہی پہلی جاچکی تھی۔ بیٹھیں لگاؤ انتہائی تیزی کے ساتھ چل رہی ہو تو انجن کے دفترِ رک جانے کے بعد بھی پیسہ تھوڑی مدت تک ہر دستور ٹھوکتا رہتا ہے اور مشین کی حرکت جاری رہتی ہے۔ عالمگیر کی وفات کے بعد سلطنتِ مغنیہ کے وجود کی حیثیت مشین کے پیسہ کی اس عارضی گردش سے مختلف ذہنی جو انجن کے رک جانے اور فعال طاقت کے سطل ہو جانے پر پہلی کچھ وقت تک جاری رہتی ہے۔ حقیقت ناخوشاں سمجھے رہتے ہیں کہ گو یا مشین اپنی اصلی حالت میں چل ہی ہے۔ آہستہ آہستہ پیسہ کی رفتار یکسری پیدا ہوتی گئی۔ رخا دھنگیوں کے تواتر۔ امرا و نو ساری غرض پتہ دھنگیوں کے مسلسل دشمنوں کے هجوم، چانشینوں کی نالائقی اور عدم صلاحیت

نے سلطنت کا شیرازہ اس طرح پریشان کر دیا تھا کہ اس کے دوبارہ مرتب و مربوط ہونے کی ہر گاہ کوئی بصورت باقی نہیں رہی تھی جس طاقت و قوت کی صورت و قربانی سے کبھی ایک دنیا لڑتی اور کتاہتی تھی۔ وہ ٹکڑے ہو ہو کر غزاں ویدہ تہوں کی طرح ہوا کے ہر جھونکے کی و میں پہنے لگی تھی۔ آخراً عالم شامی کے عہد میں اس ٹکڑے کا پہلا ٹکڑا ساکن ہو گیا۔ تاہم مشین اپنی جگہ پر نصب تھی جس سلطنت کے مدد و کسی زمانے میں کابل و قندھار سے لے کر ایک طرف ہر ایک اور دوسری طرف اس کماری تک پھیلے ہوئے تھے۔ وہ سلطنت سمیٹتی سمیٹتی دہلی کے لالہ کی چار دیواری میں محصور ہو گئی تھی لیکن اس کا نام باقی تھا۔ اور اس بے بسی کے عالم میں بھی یہ حالت تھی کہ ہندوستان کے بڑے بڑے اقطاع کے مالک اپنی فرمانروائی کے پرواؤں پر بھی لاچار و مجبور و سلاطین کی ٹہریں لگو سنے کے آرزو مند رہتے تھے اس لئے گان مروت کے بیڑ کسی کی فرمانروائی کے موثق سمجھے جانے کی کوئی شکل نہ تھی تخت طاؤس افسانہ بن چکا تھا لیکن جس دیوان خاص کی دیواروں نے تخت طاؤس کے جلال و جہوت کی بے باکیوں کو بھی تھیں وہ باقی تھا اور تخت طاؤس پر بیٹھنے والوں کے وہ اخلاف بھی زندہ تھے جن کی بے چارگی اگرچہ انتہا کو پہنچ چکی تھی لیکن لال قلعہ کی خاموشی اور ساکت دیواروں کے سیدوں میں جو داستانیں محفوظ تھیں انہیں سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے وہ بے بہرہ نہ تھے۔ جس انجمن کے ساقیوں نے طول و عرض جبکہ ہر جن میں ڈھائی تین سو برس تک زمزمی گیلو و ملی ساغروں کے قدیم سے زلال حیات ٹپکا یا تھا وہ پریشان ہو چکی تھی ساقی ہونیس کے لئے نقاب خاک اوڑھ کر سو چکے تھے غم و سوڈاٹ چکے تھے لیکن غیم شکستہ جام ہفتاں اب تک باقی تھا جو انجمن کی یاد تازہ کر رہا تھا جس دل دانا ساز کے روح پرور نغموں نے فرغانہ کی ہمدان قریب فضاؤں سے اٹھ کر اس کماری تک ہر وجود کو تھیں و وہد کی نئی لذت اور نیا ذوق بخشا تھا اس سانکے پروے پھٹ چکے تھے لیکن ابھی تک تمام کان ہی کی نظر لگے ہوئے تھے جس چوہاں نما کی نظر افروز نگاہاٹ نے روتے زمین ہند کو دیا تو دنیا کو کھا



تھا۔ جسے کہتے ہیں زمین پر اترتے تو اس دریا سے زمیں میں بننا اپنے لئے ہٹ  
 نکل جاتے۔ اسے افسروں کی ہوا سے خائف بھانپتی تھی لیکن ایک نشانہ اسادیا باقی تھا جس کی  
 جھلک عہد گزشتہ کی خدائیں اور نور باریاں یاد دلا رہی تھی۔ غالب کے سر پر شاہ کی توڑنے  
 سرخوشی تو اتنی تھی بلکہ اسی بہادری کا ڈھونڈ اور اسی تباہی کا موشیہ تھی۔

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشہ بے باط - دامن باغبان و کف گل فروش ہے  
 نعلت خرام ساقی و ذوق مسکد چنگ - یہ جنت کجاء وہ فروش گوش ہے،  
 یا صبح دم جو دیکھتے آگے تو بزم میں - نے وہ سرور و سور و جوش و غروش کر  
 اور آخر یہی گستاخا کرے

دع افسراق صحبت شب کی جلی ہوئی

اک شمع رہ گئی تھی تو سودہ بھی خاموش ہے،

یہ نظا ہر اس کچھری ہوئی انجمن کے دوبارہ جمنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ اور شام دس کے  
 بعد صبح امید آندہ پھوٹتی دکھائی نہیں دیتی تھی لیکن لال قلعہ کی سلطنت کے لئے ہونے  
 فقرش بھی بہت سے دلوں کی انگلیں کا سامان تھے۔ آہ! کہ قدرت کو انگلیں قلوب کا یہ ہے  
 سامان بھی پسند نہ آیا اور قلعہ کی بادستہ نے اس چرخ کو بھی بھیا دیا جس کا سارا فائدہ قریب  
 قریب جل چکا تھا۔ اور جس کے رخن کا آخری قطرہ جہنم کی جھللا ہٹ کو سمجھانے میں صرف  
 ہو رہا تھا۔

بادشاہ اور صدر | سیرت کی سپاہ جب اپنے انگریز افسروں کو قتل کر کے دلی پہنچی۔ اور بہادر شاہ  
 کی مستقل بادشاہی کا اعلان کیا گیا تو ممکن ہے بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو  
 کہ سلطنت غلیہ دوبارہ زندہ ہو گئی ہے اور بادشاہ اکبر و عالمگیر کی سلطنت نے پھر خوب سے  
 ہٹھکیں کھولی ہیں لیکن خود بہادر شاہ کی نظروں کے سامنے حقیقت حال زیادہ اچھی طرح  
 بے نقاب تھی۔ مرحوم غلیہ و ملوڑی اپنی دوستانہ غلطی میں فرماتے ہیں کہ بادشاہ ایک روز شیخ خا



کی ملک جو امر کا بخری دشمن ہے۔ یہ رسالہ حقیقتہً غائب کا ہر ایویٹ روزنامہ چھتا جس میں کچھ نہیں  
 بیٹھے جو کچھ سننے والے طلبہ بند کرتے جاتے تھے۔ اس رسالے کی تسوید کا کام شروع ہوا تھا تو غائب  
 کو یا کسی دوسرے شخص کو یہ یقین نہ تھا کہ انگریز ضرور کامیاب ہو جائیں گے اور مخالفین کا قلع  
 قمع ہو جائے گا۔ لہذا یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ اس رسالے کی ترتیب انگریزوں کی خوشنودی  
 حاصل کرنے کے لئے شروع ہوئی تھی۔ کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس رسالے کے حالات و واقعات  
 کو غدر کے متعلق غائب کی بے لوث رائے کا متفق نہ سمجھیں جو ہر قسم کی مصلحت اندیشی یا ترسیدگی  
 سے پاک تھی۔ غدر پر کم و بیش ہنسی برس گزر چکے ہیں۔ اس مدت میں ملک کی سیاسی فضا کا رنگ  
 بالکل بدل گیا ہے۔ آزاد و بے نظری اور نقطہ نگاہ میں تغیر پیدا ہو گیا ہے۔ پرانے نظریات کی محض درہم  
 برہم ہو چکی ہیں اور ان کی جگہ نئے نظریات کے عیاں کر رکھے ہوئے ہیں لیکن سب سے آج غائب  
 کی رائے بے لوث نہ سمجھی جائے۔ یا اس کی تصویب جس بابا راتل ہو لیکن جن حالات میں  
 یہ رائے ظاہر کی گئی تھی انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے رائے کو بے لوث سمجھنے میں تامل کی کوئی وجہ  
 سمجھ میں نہیں آتی۔ غائب کے غدر کے متعلق ابھی رائے ظاہر نہیں کی بلکہ اس کی تاہین بھی رخیجہا  
 نکالی تھی۔ اس کے متعدد وجوہ ذہن میں آتے ہیں:-

(۱) غائب طبعا سکون پسند اور امن دوست تھے اور انہیں جنگ مہم آرائی یا مخصوص خوریز  
 جنگ مہم آرائی بالکل پسند نہ تھی۔

(۲) وہ ملی میں یا دوسرے شہروں میں انگریز بزدلوں، عورتوں اور بچوں پر کسی کے عالم میں جو  
 ظلم و ستم ہوئے تھے۔ ان سے غائب کے انسانیت دوست دل چخت چوٹ لگی تھی۔

(۳) جو انگریز مارے گئے تھے ان میں غائب کے دوست، محبوب اور شاگرد بھی تھے۔

(۴) مغلیہ سلطنت کے اجا کے لئے جو کوشش کی گئی تھی وہ بالکل غیر منظم تھی اور اس کا نتیجہ  
 مسلمانوں کی تاہی اور سلطنت مغلیہ کے آخری نقش کے عیاں کے سوا کچھ نہ نکلا۔

(۵) متعدد اکا ہمارے گئے۔ ان کے گھر بار بے۔ جاتا دیں تباہ ہوئیں، ادبے اوپنے

خاندانوں کی بساطیں اٹھیں۔ اور وہ نان شبیہ تک کے لئے محتاج ہو گئے۔

دہلی کی تباہی کا مریض [لیکن انگریزوں کی فیروزی فتح مندی کے بعد دہلی اہل دہلی، شاہی سلاطین اور دوسرے لوگوں پر بظلم و ستم ہوئے ان کے اٹھائیں بھی غائبے تامل نہیں کیا۔ دستنبہ میں بھی ان سختیوں اور شدتوں کا ذکر ہے لیکن ان کے اردو مکار تریکے دامن کا تو ہر گوشہ احمق کے آئسود سے تر نظر آتا ہے۔ ذاتی حالات اور مالی پریشانیوں کے علاوہ غائب کے درد مند دل نے جس موضوع کو الفاظ و حروف کا ماتی لباس پہنانے پر زیادہ سے زیادہ توجہ کی۔ وہ دہلی کی تباہی تھی۔ دہلی کی تباہی کا پیشور و فوج جو اپنی المہا کی اور ورد انگیزی میں کسی مظلوم قوم سے کم نہیں۔ چہ نکہ منتشر و متفرق تھا اس لئے اس کی اہمیت پوری طرح واضح نہ ہو سکی جس کو شش کی ہے کہ یہ داستان غم مرتب ہو جائے۔ غائب کی حالت یعنی کہ جہاں انہیں موقع ملتا تھا اس درد میں چند ناکے کھینچ لیتے تھے۔ اور خون کے آسودوں سے اپنے دل کو سحر کر کوڑکیں بنا لیتے تھے جس نے ان تمام آسودوں کو کجا کر دیا ہے تاکہ غائب غلب کریں کی اس آہ و زاری کے آئینہ میں دہلی مرحوم کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے آ جائے یہ تصویر غائب کسی اور موقع میں غور سے آسکے گی نہ

دستنبہ کا خلاصہ | مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے غائب کے رسالہ دستنبہ کے اہم خطاب پیش کر دیئے جائیں۔ اس لئے کہ دستنبہ کا متعلق ہر ضعیف و مستضعف ہی غور تھا۔ ابتدا میں امتناع کو دینا ضروری ہے کہ غور کا سارا زمانہ غائب غائب نہیں رہے۔ اور وہ تمام حوادث کے شاہد و ناظر نہ تھے بلکہ جو کچھ سن لیتے تھے کھ لیتے تھے بے شک حال سنانے والے سب جوں گے یا

لے جس نے ہر حد کو سہی میں مرتب کیا تھا بلکہ میرے پاس قصاصت غائب کے سوا اور کوئی کتاب نہ تھی تاہم ہر مصلح کو معلوم ہوا کہ راجہ من نکلی صاحب نے روزنامہ غائب کے نام سے حالات غور کو غور غائب کی تحریکات سے مدد دی کہ ہے۔ جس نے وہ رسالہ دیکھا کہ معلوم ہو گا کہ اس میں سارے حالات جمع نہیں ہوئے۔ تاہنا اس کی ترتیب کا انداز سلوب اور ہے۔



کے قلعہ میں مارے جانے کی اطلاع ملی۔ بہر طرف سواروں کے دوڑنے اور سپاہیوں کے پہنچنے کا شور مچ گیا۔ پھر تو

بچہ مست خاکے فاندک از خون گل دہنایں از طون قرار شد ..... ہستہاں جہاں ان  
 داد و نمود و نشان، کہ روز گزرتے گونا نام و آوازاں غارتخان ہی چہ روزاک اندام باطنوں گا  
 ستے ہوں ہم خام و درختیں کو دکان جہاں ناصحہ کہ در گفتہ روئی بر داد و گل سے خندیدند۔ و  
 دوش خاوی بہ یکب و قد و آہ ہے گرفتہ کہ بہ یک بار یہ گلاب خون فرو رفتند۔

خود کی غرض و غایت کے متعلق اختلاف راستے ہو سکتا ہے لیکن ہر جگہ قتل کو کون جائز  
 قرار دے سکتا ہے ؟

ہٹل ندر کہ ہشتال | قاتل کھینچے جس کہ انگریزوں کے قتل کے بعد باغیوں نے ظہر میں جا بجا ڈیر  
 ڈال دیے قلعہ میں باغ شاہی کو اپنے گھوڑوں سے بھر کر بھاگ گیا اور شاہی زمین کو خوب خاک  
 کے طور پر ہتھال کر رہ گئے۔ رفتہ رفتہ مختلف مقامات سے خبریں آئے تھیں کہ سپاہیوں نے  
 اپنے سپہ سالاروں کو قتل کر ڈالا ہے۔ یہ ہر حال سپاہیوں اور کسانوں کے جتنے کٹل ہوئے  
 اگرچہ ان کے درمیان کوئی ساز باز اور کوئی سمجھوتہ نہیں ہوا تھا لیکن سب سے ایک مقصد پر  
 کمر باندھ لی۔ گویا جہازوں کی تیلیوں کی طرح سب ایک کر بند میں بند تھے۔ بے شک ہندو  
 کو آرائش و آسائش سے بالکل پاک کرنے کے لئے ایسے ہی جہازوں کی ضرورت تھی۔

اگرے رفت و دو ب ہندو ہم جہازاں کا تلاش و آسائش اگر جو بندہ باندلا و پرہ کلاں نیا  
 بہنیں جاہو سب جہتی آشوب ہے خواہست۔

بے غمی و بے توجہی | مسلم ہوتا ہے کہ قند کے بعد ہلی میں عام بے غمی شروع ہو گئی تھی۔ وہستان قند  
 میں جو چشم دید حالات پہنچے ہیں۔ اس بے غمی کے حالات۔ قند سے ملتے ہیں۔ غائب  
 اس بے غمی اور انقلاب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شکر مروجہ تھے لیکن شکر  
 نہ تھے مہاجرتی لیکن سپہ سالار نہ پید تھے۔ فرمانرواؤں کی مصیبت اور ہندوستان کی ویرانی پر

کیوں رونا دہائے۔

شہزادے نے شہر پر چڑھ کر بندہ ہائے بے خداوند چلائے با قہار نے بے با قہار ملے  
 نابود صنف بہرین اور گھر و دارا کا دھواں پھیل گیا در قتل خانہ اور ہا نہ لہر دھبہ اعلان ہوا گناہ  
 خانہ کا تختیں تا پیش ماہار پند و شرف جہی تو میں بہ مردم نما بندہ بہرین و جہی شرف و خیر  
 آختہ و یک مردان آسودگی گزیر ایک بہرینہ اولا کا ہا بازار پند بہرینہ ہا ہا۔

روشن گروں پہنچیں اور پھر فرماتے ہیں کہ چہ مال و دولت لوٹ کر لایا ہے؟ انھوں نے  
 ہا کسوں کی شادمانی کے بستروں پر بہتر است کر سنا لگے روشن گروں کے گھر میں تل بھی  
 نہ رہا جس سے چراغ جلا سکیں۔ رات کی تاریکی میں انہیں پیاس لگتی تھی تو اس کی روشنی  
 میں کوڑہ و ہبیاد کو دیکھ کر بانی چہتے تھے معلوم ہوتا ہے یہ واقعہ خود غالب پند ہا تھا جو  
 لوگ مٹی فروخت کرنے کے لئے زمین کھودتے تھے وہ زوردار بن گئے جو لوگ بزم سے  
 میں آتش گل سے چراغ روشن کرتے تھے وہ تاریک گھروں میں ناکامی کے دلف سے  
 جلنے لگے۔ قاصدوں نے خط لے جانے ترک کر دیئے۔ ڈاک کا سلسلہ درہم بہرینہ گیا  
 سارے قاصدے آٹ گئے۔ ویرانے سایہ سے ڈرنے لگے سپاہی شاہ و درویش پر  
 حکم چلائے گئے کہ یہ صورت حال سنو اور ماتم نہیں تھی اور اس گریہ پر خندہ روا ہے؟  
 عجیب بات یہ ہے کہ ان صعبیت ناک واقعات سے بیزار سی کا انکار کیا جاتا تھا تو لوگ  
 ضعف ایمان اور خرابی مذہب کے طعنے دینے لگتے تھے۔

چند مہینے | بانی شریعت میں جو رہے اپنے ہمراہ لائے تھے انھوں نے شاہی خزانہ میں  
 کر دیا۔ آہستہ آہستہ ہر طرف سے سپاہی جمع ہونے لگے۔ تا آنکہ شہر بلی کے اندر اور باہر سوار  
 پیادہ کی تعداد پچاس ہزار تک پہنچ گئی۔ بادشاہ نے اسے بڑے لشکر کو قابو میں کر سکتا  
 تھا اس کا انتظام کر سکتا تھا لہذا خود لشکر کے قابو میں آ گیا۔  
 شاہ را در میان گرفت سپاہ دیں گرفتین بود گرفتین ماہ

ماہر ہیکل نے گیسرو بسنہ چار وہ خٹکے گیسرو  
شاہ ماہ گرفتہ را ماند مذکر ماہ دو ہفتہ را ماند

گویا پادشاہ کی حیثیت اس چاند کی تھی جس کے گرد ٹال چڑا ہوا ہوا باغی جہاں سے  
گرتے تھے میل خاں کے دروازے توڑ کر قیدیوں کو آزاد کر دیتے تھے۔ رانی یا زینہ قیدی  
پادشاہ کے حضور میں آکر مسواہی کی درخواستیں کرتے تھے اور صوبیداری کے آئندہ مسند  
ہوتے تھے۔ کوئی نہیں بتاتا کہ ہر خواہشمند کو بارگاہ ہرنیاد طلب کو پناہ کیوں دینے جاتے ہیں۔  
بانیوں اور انگریزوں میں لڑائی انگریزوں کے قبضے میں صرف وہ پہاڑی رہ گئی تھی جو شہر سے جانب  
مغرب واقع ہے اور زیادہ دور نہیں۔ انوکھی اسی پہاڑی پر وندے اور سورجے بنا کر ٹوٹی  
چڑھائیں۔ اور حریفوں کے قبضے میں جو قریب آئیں انہوں نے شہر کی فضیل پر جا بجا نصب  
کر دیں لڑائی شروع ہو گئی۔ سات دن پتھروں کی طرح گولے برسے گئے۔

عکرم حسن اشفاق صاحب حکیم حسن اشفاق کے ایک پروردہ نے ناجائز طریقوں سے روپیہ  
جمع کر لیا تھا۔ عکرم صاحب اس راز سے آگاہ تھے۔ پروردہ نے اپنی بددیانتی کو بدلتھا میں  
رکھنے کی غرض سے یہ افواہ اڑا دی کہ حکیم صاحب انگریزوں کے ہی خواہش اور ان کے  
لئے جاسوسی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ باقی بگڑ گئے اور حکیم صاحب کے قتل کی حدت سے  
ان کے مکان پر چڑھ دوڑے جن اتفاق سے حکیم صاحب اس وقت قلعہ میں پادشاہ کے  
پاس موجود تھے۔ باقی قلعہ میں پہنچے اور حکیم صاحب کو گھیر لیا۔ خادم دروازہ پادشاہ نے اپنے آپ  
حکیم صاحب پر ڈال دیا اور اس طرح مظلوم کی جان بچائی۔ باغیوں نے حکیم صاحب کے مکان  
دہشت کیا۔ مکان کو آگ لگا دی سارا مکان جل کر خاک ہو گیا۔ دیواریں دو ڈالو ہو گئیں ایسا  
مظلوم ہوتا تھا کہ دیواریں مکان کے ماتم میں سیاہ پڑ گئیں۔

حکومت ہند پر اور فرقہ باغی حالات دہلی سے باہر کے حالات نکلتے ہوئے فرماتے ہیں کہ متفضل حسین خاں  
دیس فتح آباد نے پادشاہ کی خدمت میں عرضہ ہشت بھیجی۔ خاں بہادر خاں نے بریلی میں



لشکر جمع کیا۔ ایک سو ایک اشرافی اور تقریباً ساڑھو سو سالان سے آراستہ گھوڑا اور ماضی پادشاہی میں ہر طور پر بھیجے۔ قزاق یوسف علی خاں دلی رام پورول سے انگریزوں کے سامنے لیکن ہمسایوں کے طعنوں اور شرر انگیزیوں سے بچنے کے لئے انہوں نے بھی مصلحتاً پادشاہ کی خدمت میں زبانی پیام ارسال کیا۔ لکھنؤ کے کچھ انگریز جہاگ کر محفوظ گھوڑوں پر پہنچ گئے جڑتی بچے و پٹیلی گارویں حصار بند ہو گئے شرف الدولہ نے ان انگریزوں کے وجود سے بے پروا ہو کر داجہ علی شاہ کے ایک دو سالہ فرزند کو تخت پر بٹھایا اور نیکر ابتدا میں شاہان و دودھ پادشاہ دہلی کے وزیر تھے اور اس وجہ سے انہیں غازی الدین حیدر کے ابتدائی زمانے تک قزاق وزیر اور دودھ کا لقب حاصل تھا اس لئے اشراف الدولہ نے اس لشکر کے کوہی پادشاہ ہند کا وزیر قرار دیا اور اپنے لئے وزیر کے پیشکار و دستیار کا لقب تجویز کیا پادشاہ کے لئے ایک گراہنہ اندر بھیجی جس میں دو گھوڑے ملاوڑ تھے ایک لڑیں کلاہ تھی جو رنگ رنگ کے نمایاں گوہروں سے مزین تھی۔ نیز لباس کے بازو بندوں کی جوڑی اور بعض سری چیزیں کیا کشمیری دودھ سے ہانگڑیاں ملا۔ یہ حالات لکھنے کے بعد غالب و دھڑا، اترتہر کے واقعات پر پہنچ گئے۔ جبکہ انگریزی سپاہ نے کشمیری دروازہ پر حملہ کیا اور باقی شہر چھوڑ کر بھاگے۔ چار مہینے میں شہر کی جو حالت رہی اسے سرسری طور پر بیان کر چکے تھے قلعہ کے حالات سے تفصیلاً وہ آگاہ ہو سکے اس لئے کہ اندر کے زمانے میں باہری نہیں نکلے تھے سرسری حالات جو ان تک پہنچے ان کا ملخص اوپر درج ہو چکا ہے۔ انگریزی حملے کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

مئی گز دہلی کل بدو واو	تہمیر ستم بدو آورو واو
پس از چار ماہ کوپن تہا روڈ	فرزندہ شد مہر گیتی فروز
حتی گشت دہلی زدو و تھکاں	بہ مردی گز فرزند تھکاں

ہر چہ دلیا زو ہم سنی تا چار ماہ ہم خبر چار ماہ و چار روزہ و ملک است پس ان خاکاوندہ

بست و کشادہ کا درجہ رنگ است کہ شہریدہ وادو و شنبہ از دست رفت و ہم ہر روز دوشنبہ  
 فریاد جنگ آہے تو اس گفت کہ نزد دست رفتن و دست آمدن شہرناں و در یک روز ہوا۔

یعنی "امینی" کہ ہر کے دن شہر بہا فیوں کا قبضہ ہوا اور ہر جمعہ کو پیر کے دن انگریز  
 دو بارہ اس پر قابض ہوتے۔ لہذا اگرچہ چار ماہ اور چار دن کی مدت گزر چکی تھی لیکن دن کو  
 پیش نظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہے کہ شہر جس دن قبضے سے نکلا اسی دن بارہ قبضے میں آ گیا۔  
 انگریزوں کی نیا تہاں | یہاں تک باغیوں کی چیرہ دستیوں اور تم لکیزوں کا بیان تھا اب  
 انگریزوں کی زیادتیوں کی کیفیت سنئے۔ غائب لکھتے ہیں کہ فتح منہ شکر شہر میں داخل ہوا  
 تو لوگ بلا امتیاز قتل ہونے لگے۔ میوزن سماجے گھروں کے دروازے بند کر لئے۔

ان کے نزدیک آہر و بچانے کا اور کوئی طریقہ نہ تھا۔ شہر میں جو باغی رہ گئے تھے انہوں نے  
 مقابلہ کیا۔ دو تین روز کشمیری دروازہ سے لے کر چاندنی چوک تک ہر کوچہ رزٹکا ہزار بارہ  
 جمہری دروازہ، حکمان دروازہ اور دہلی دروازہ پر یہ قتلوں دروازے باغیوں کے  
 قبضے میں تھے۔ جب انگریزوں نے غصے اور غیظ کے عالم میں شہر کے اندر داخل ہو کر چند  
 بے فواہوں کو مارنا اور چند لنگروں کو جلانا دیکھا۔ تو اس اٹھا دشتم و کین سے سب پر خوف  
 طاری ہو گیا۔ بے شمار چھوٹے بڑے نامدار و خاکسار مذکورہ بالا تینوں دروازوں کے  
 راستے شہر سے باہر جانے لگے۔ اور باہر کی چھوٹی چھوٹی بستیوں یا مقبروں میں پناہ گزین  
 ہو گئے۔ بعض نے وہاں بھی دم نہ لیا بلکہ جیسٹس اٹھائے اور سختیاں سستے دوسرے  
 مقامات کی طرف نقل کئے۔

ذاتی حالت | اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میر حکان شہر کے اندر کشمیری  
 دروازہ اور دہلی دروازہ کے درمیان حلقہ ہے اور دونوں دروازوں سے شہر نکلیں  
 حاصل ہے۔ لوگ جوق جوق شہر سے نکلنے لگے لیکن میرے دل میں نہ گھبراہٹ پیدا ہوئی  
 اور میں اپنی جگہ سے ہلا۔



گزرشکی میں گزرا ہے۔

پانی کی تلاش | جب مارا جہ کے پہرہ مار گئے تو انہوں نے بتایا کہ کچھ ہیں چاندنی چوک تک تو پھر سکتے ہو اس سے آگے جانا خطرناک ہے۔ دروازہ کھولا اور مختلف گھروں سے آدمی ڈول، ہمشک، پاکھال وغیرہ لے کر پانی لانے کے لئے نکلے۔ قاتل کے دو ملازم بھی ساتھ تھے جیٹھا پانی دور تھا اور وہاں تک پہنچنا دشوار تھا تا پانچم شور پانی لے کر واپس آئے۔ جو لوگ پانی لانے کے لئے گئے تھے انہوں نے واپس آکر بیان کیا کہ لشکر یوں نے چند سکائوں کے دروازے توڑے لیکن وہ آٹا ملا نہ بھی میسر آیا۔

پہلے ہی کہ زندا تھا زندگی بیکراں نیم بیکس سے آید کہ گفتارش گوش خورد و شہرہ پڑ سے رویہ کہ نا دیدہ ویدینا نگہ ہر آئینہ سے تو ان گفت کہ گزشتہ ماہ راست و چہرہ ماکور و پیرہن اداں گو گھوٹے کو کشش زبان ناشین بہت و آب ماسرہ و زے ناگلا ابر و تعد و اداں بارید چادر کے بستیم گفتہ کہیں خدا ویم و آب گزشتہ ٹوینا یاد ہے ویا ہر واد و ہر وے زمین فرد بار و دیں ہمارا ہر گونا ویا... آب اور چہرہ زندگی اور واد ہر

ہر گزشتہ واد واد ہی جیت ونا فٹ این تیج کام شور یا شام و تباہی یافت۔

یہ قاتل کی حالت تھی جس کے کوسے کی حفاظت کے لئے مارا جہ پٹیل کے سپا ستعین تھے کہ پہنچے کہ پانی میں نہیں آتا تھا۔ مینہ برسا تو چادر باندھ کر اس میں مینہ کا پانی جمع کیا اور ششکا بھر اس سے اندازہ کیجئے کہ ان غریبوں اور سکینوں کی کیا کیفیت ہوگی جن کا کوئی محافظہ نگار اور پاسبان ویا واد تھا جن یہ ہے کہ وہ ملی والوں نے جس طرح انسانی زندگی کے بستر سے بستر دور دیکھے وہی طرح ہر سے ہر وادوں میں سے بھی نہیں گزرتا پٹا سان کی بچا ہوں نے جہاں عظمت و جلال کے درخشاں مناظر میں صدیوں طع ہی کی وہاں ان کے سروں پر سے نا واد ہی ٹکرتا واد غدد کی ہنکا مہ آرائی کے خونی سیلاب بھی گزرتے۔

مجھ کو ان اندازہ کر سکتا ہے کہ ان سکینوں نے کیسے کیسے دکھ سے ہوں گے اور کبھی کسی نے کیا

آٹھانی ہوں گی۔

غائب نے ضمناً اپنے خاندانی سوراخ، اپنے بھائی کی دیوانگی، ان کے گھر باری خاں کی اور ان کی موت کے حالات بھی لکھے ہیں۔ انگریزی فوج کے غلام یاد تیاں بیان کرتے ہیں غائب نے تامل نہیں کیا لیکن لکھتے ہیں کہ خود انگریزوں پر جو سختیاں ہو چکی تھیں ان کے انتقام میں اگر وہ دہلی میں کتوں اور میوں کو بھی زندہ نہ چھوڑتے تو بھگتا ہوتا تاہم انہوں نے اپنے غصے کو ضبط کیا۔ اور جو یاد تیاں کہیں ان کی نسبت یوں سمجھ لو کہ جب کسی جگہ کو جنگ کے بعد فتح کرتے ہیں تو اس جگہ کے آدمیوں پر لڑنا اس فوج کی سختیاں ہوتی ہیں۔

اہل شہر کی پریشانیاں پھر فرماتے ہیں :-

از خود ما نہ گمان شہر بسیار سے را بہر دل را نہ اند و اند کے ہم نہیں در بندیم و از یہ فرد ما نہ اند، و بارہ بیابان گرد، ان پینہ دشمنین بیچ فرمان نیست گمہ دہیروں دھنگان و دروں آفتکوں را در ماں نیست، کاش در دنیاں و بہر دنیاں را از مرگ و زیست یہ نہ گزرتا گئی ہو دے تا ہے تالی و پر گندگی روئے نہ ہوے۔

غائب انگریز کرئیل کے پاس گئے۔ اکتوبر کو چند گورے گوپے کے دروازے کے پاس کی دیوار کو دکر اندر آ گئے۔ دادا جو پٹیل کے سپاہیوں کی، دوک تمام موثر نہ ہو سکی وہ دوسرے گھڑوں کو چھوڑ کر غائب کے مکان میں آ گئے لیکن انہوں نے سامان کو ہاتھ نہ لگایا۔ بلکہ غائب باقر علی خاں، حسین علی خاں، چند ملازمین اور دوسرے ہمسایوں سمیت کرئیل باتون کے پاس گئے جو غائب کے مکان سے دو تیر پرتاب کے فاصلے پر قطب الدین سوداگر کے مکان میں مقیم تھے کرئیل نے نام پتہ اور حالات پرچہ کو کسی روز انہیں واپس کر دیا۔

خاندان دہلوی کی صحبتیں امرائے شہر کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب شہر فتح ہوا تو امین الدین احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں بھی اپنے اہل و عیال سمیت تین ہفتیوں اور پچاس گھنٹوں کے ساتھ لاہور کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ دو تین روز آرام

کی غرض سے مہرولی میں ٹھہرے لیکن اس اٹنا میں شکریوں نے ان کا سارا سامان لوٹ لیا۔ اور صرف تین ہاتھی باقی رہ گئے وہ بے سرو سامانی کے عالم میں دو جاؤ پہنچے جہاں حسن علی خاں رئیس دو جہانہ نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو بادشاہ ایران نے ہاپیوں کے ساتھ کیا تھا۔ کشتروبی کو ان کے حالات کی اطلاع ملی تو دین الدین اور ضیاء الدین کو اپنے پاس بلا لیا۔ اور درشت گنگو کی لیکن خرم جواب سن کر کچھ نہ کہا اور یوان خاصا مانی کے پہلو میں قلعہ میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جو سامان ساتھ لے کر چلے گئے وہ مہرولی میں غارتگریوں کی خدمت ہوا۔ وہی میں ان کے مکان میں پتھروں اور اینٹوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی بلکہ وہیم اور گسترولی و پوشیدنی کے نقصان کا کوئی اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے دن سا کی گرفتاری | دو تین روز بعد عبدالرحمن خاں والی جھجھر کو پکڑ لائے اور یوان عام میں ٹھہرا دیا۔ ۳۰ اکتوبر کو احمد علی خاں الی فرخ گڑھ لے آئے۔ ۴ نومبر کو بجاہ جنگ خاں والی بکڑے آئے۔ ۵ نومبر کو راجہ بلب گڑھ گرفتار ہو کر آئے۔ وہی کے ماتحت سات جاگیرداران تھیں۔ لوہارو۔ جھجھر۔ بہاؤ گڑھ۔ بلب گڑھ، فرخ آباد، دو جہانہ اور پانودی پانچ جاگیردار پکڑے آئے بقیہ دوسرے میں تھے۔

حسام الدین حیدر خاں | مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں اور ذوالفقار الدین حیدر خاں حسین مرزا بک کے خاندان کی تباہی کے منفرد آدمیوں میں سے تھے اپنے بھروسے گھر کو چھوڑ کر گزنہ و فرزند سیت باہر چلے گئے تھے۔ ان کا گھر لوٹ گیا۔ نہایت بیش بہا ساز و سامان غارت گراٹھا لے گئے بعد ازاں مکان کو آگ لگا دی گئی جو کچھ باقی بچا تھا وہ نذر آتش ہو گیا۔

پادشاہ اور شہزادے | شہزادوں اور بادشاہ کے متعلق لکھتے ہیں :-

از ظہور و ظہان بیرون ازین خزاں سرود کو تو سے را اژدہ لے مرگ بہ دوان زخم خورد

فرورد چہندے را و جسم بندہ چاہی۔ کش کش رمن رواں دوتن حسرت و حسرت چنڈاں میا

نندانی شین اند و شمر و چنڈاں دودمان آوارہ روستے نرین بہا و شاہ ارک کما نگاہ

کہ ما تم زود کتاب و قرآن است فرمان نگیرد و در ہر خانہ ہا نامہ میں سوال کیا ہے ۔

یعنی شہزادے یا گولی سے اسے گتے یا بھانسی دیئے گئے۔ جراثیمی بچے وہ یا تو قید ہو گئے یا چھپ چھپا کر بھاگ نکلے اور تاردارہ و سرگردان پھر رہے ہیں۔ بادشاہ ضعیف و ناتوان پر قید جمہوریت رہا ہے۔ جمہوریت بگڑا اور فحش فکر کے رؤسا کو ایک ایک کر کے بھانسی پر ٹکادیا گیا۔ غالب کس ذہن سے کہتے ہیں:-

عمر کی جانناں گشت تندرگس نیا رو محنت طوں پہنچند۔

مسلمانوں پر سختیں | اب مسلمانوں کی کیفیت سنئے۔ جنوری ۱۸۵۵ء میں ہندوؤں کو شہر کے اندر  
آباد ہونے کی اجازت مل گئی لیکن غائب فرماتے ہیں کہ

مسلمانین از خانہاں آوارہ رہا اور جسکا از دستن میزور و دو دیوار خا خا گئے آغاں میزور است

ہر دم اند جان بہرہ مسرور بان ایں نوا بہ گوش سے خور و کجائے مسلماناں بہنرست ۔

مسلمانوں پر سختی کی کیفیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جب کسی شخص شکار شہر کے پاس شکاریت کی کوشش میں خانی خاندان کا مکان ہمارا چڑھیا لڑکی مخالفت میں ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کی ہائے پناہ بن گیا ہے۔ لیکن ہے اس میں باطنی بھی چھپے بیٹھے ہوں۔ تو ۲۰ فروری ۱۹۵۷ء کو سپاہیوں کا ایک دستہ اس مکان پر پہنچا اور حکیموں کو ساتھ آدمیوں کیساتھ لے گیا۔ ۵ فروری کو حکیم محمود خاں حکیم مرتضیٰ خاں اور ان کے عم زاد بھائی عبدالغفور خاں عرف کالے حکیم صاحب راہ ہو کر آئے۔ چند روز کے بعد چند اور آدمی چھوٹ آئے۔ تبدیل پر بل میں راہ ہوئے۔

۲۷ فروری ۱۹۸۵ء کے حالات | ۲۷ فروری کے واقعات میں لکھتے ہیں :-

[illegible]

اندھوں میں ہر روز چائے پیا کروا دیا اور ہر روز ایک دو روپے کے خزانہ لکھوا دیا  
 کہ انہیں ہر روز ہندی خاں دوسرا سے جوتا دیکھیں یہاں جان باختہ اندھ فرشتے جانتے لکھوا دیا  
 قدر ۱۱ مئی ۱۸۵۵ء کو چھوٹا ۱۰۰ رستم کو انگریزوں کو بارہ دہلی پر قابض ہو چکے تھے لیکن ۲۷  
 فروری ۱۸۵۵ء کے حالات میں لکھتے ہیں:-

مسلمان دشمنوں نے کس افزوں نیابی نامہ لکھا کہ غائب اندھوں میں ہر روز کے است  
 گویا پانچ ماہ دس روز گزر چکے کے بعد بھی مسلمانوں پر سختی کا یہ عالم تھا کہ شہر میں ان کی  
 تعداد ایک ہزار سے افزوں نہ تھی۔ غائب لکھتے ہیں کہ کچھ مسلمان اس قدر دور کل گئے تھے  
 کہ گویا وہ دہلی کے باشندے ہی نہ تھے بہت سے شہر کے ارد گرد دو دو چار چار کوس پر  
 گڑھوں، چھپرہوں اور کچے مکانوں میں اپنے بخت کی طبع سوئے پڑے تھے۔  
 قیمتی شہادت نہیں | غائب امیر آدمی نہ تھے۔ ان کا گزراہ نہیں اور تنخواہ پر تھا۔ آمدنی کے یہ  
 دونوں ذریعے غدر کے ساتھ ہی مسدود ہو گئے تھے۔ اٹا ٹھیسیت میں سے قیمتی چیزیں  
 پاس نہیں۔ ان کی کیفیت سن لیجئے۔

کہ ہر روز چائے پیا کروا دیا اور ہر روز ایک دو روپے کے خزانہ لکھوا دیا  
 کہ انہیں ہر روز ہندی خاں دوسرا سے جوتا دیکھیں یہاں جان باختہ اندھ فرشتے جانتے لکھوا دیا  
 قدر ۱۱ مئی ۱۸۵۵ء کو چھوٹا ۱۰۰ رستم کو انگریزوں کو بارہ دہلی پر قابض ہو چکے تھے لیکن ۲۷  
 فروری ۱۸۵۵ء کے حالات میں لکھتے ہیں:-

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ دشمن کا سر رشتہ گم ہے۔ ماٹھنے بھونکنے کی چیزیں بیچ  
 بیچ کر تین پروری کر رہے ہیں دوسرے مرنے لگے ہیں اور میں کپڑا کھاتا ہوں خود تارہوں کہ  
 جب کپڑے ختم ہو جائیں گے تو ہانگی اور گر لگی دونوں کا شکار ہو جائوں گا۔  
 ہمارے جتنے لوگ وہاں تھے | ہمارے جگ نماں میں بہا مد گڑھ کا فیصلہ، چون کہ ہوا ان کی



ریاست چھن گئی۔ ایک ہزار روپیہ مالانہ پنشن مقرر ہوئی اور انیس لاکھ روپے خریدا گیا اور احمد خاں اور ضیا الدین احمد خاں کے گناہ ثابت ہوئے اور ان کی ریاست واپس لے لی گئی لیکن یہ واقعہ غالب کی دستبرد میں مذکور نہیں اس لئے کہ دستبرد میں جولائی تک کے واقعات ہیں اور امین الدین و ضیا الدین کی جاگیر جولائی کے بعد واکزار ہوئی۔

تا قبل بیان میں اب اردو محاکمات میں غدر کے واقعہ کا ذکر کی مرثیہ خوانی ملاحظہ فرمائیے ابتدائی تحریروں اگرچہ بہت عمل میں لیکن بے حدود و انگیزشیں مثلاً حکیم غلام نجف خاں کو لکھتے ہیں اور غدر کے متعلق اردو میں غالب کی غالباً یہ پہلی تحریر ہے۔

میں حقیقت حال اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اب تک جیتا ہوں بھاگ نہیں گیا۔

غلام نہیں تھا کس نہیں کسی ملک میں اب تک بلا نہیں گیا بھروسہ باز ہیں میں جس آیا پانچ دیکھنے کیا ہوتا ہے۔

پھر ۲۶ دسمبر ۱۸۵۷ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

انصاف کرو لکھوں تو کیا لکھوں۔ کچھ لکھ سکتا ہوں یا لکھنے کے قابل ہے؟ نہ ہے جو کچھ لکھا تو کیا لکھا۔ اور اب میں جو لکھتا ہوں تو کیا لکھتا ہوں میں اتنا ہی ہے کہ اب تک ہم جیتے ہیں زیادہ اس سے ذمہ لکھو گے نہیں لکھوں گا۔

۹ دسمبر ۱۸۵۷ء کے ایک مکتوب میں دہلی کے حالات کی بے یقینی اور بے طمینی

کی طرف یوں اشارے فرماتے ہیں:-

جو دم ہے غمیر ہے۔ اس وقت تک میں یہاں اطفال جیتا ہوں بد نظری بھر کے کیا ہو کچھ ہو نہیں سکتا۔ تمہاری میں نے پہلی بہت کچھ لکھنے کو چاہتا ہے مگر کچھ نہیں سکتا مگر مل جیتا نہیں میں ہے تو کہ میں نے وہ نہ لکھتا تھا اور نہ لکھتا تھا۔

جو تک انقلاب | غدر ایک زلزلہ تھا جس نے سب کچھ زیر و زبر کر ڈالا تھا۔ غالب کے دل پر اس انقلاب کا اتنا اثر ہوا تھا کہ وہ ہنر کے عینے کے مطابق

سمجھنے لگے تھے کہ جان بدل گئی ہے جنم تبدیل ہو گیا ہے۔ ہر گروہاں آفت کو لکھتے ہیں :-

صاحبِ قلم جانتے ہو کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور کیا واقعہ ہوا؟ وہ ایک مذہم تھا جس میں ہم نے کچھ دوست تھے۔ اور طبعِ صالح کے ہم میں نہیں معاملاتِ مہو و مہریت اور مہریت کے بارے میں جمع کئے۔ اس زمانے میں ایک چڑک تھے اور چارے چارے والی دوست تھے نئی نئی ان کا نام اور تھیں ان کا تخلص۔ نہ وہ زمانہ نہ وہ اشخاص نہ وہ معاملات نہ وہ واقعات نہ وہ اضلاع نہ وہ مدت کے ہر دوسرا جنم ہم کو ملا۔ اگرچہ صورت اس جنم کی عین مثل پہلے جنم کے ہے یعنی ایک خط میں سے نئی صاحب کو لیا ہوا ہے کہ وہ ایک خط تھا کہ تم بھی ہوسم پیشی ہر گروہاں تھیں ہر وقت ہر دوسری چیز میں رہتا ہوں کہ تم آئی اور اس لئے کہ نامی میں اس کا حال نہیں ایک دوست اس جنم کے دونوں سے نہیں پایا جاتا

پھر اپنی حالت لکھتے ہیں کہ میں حکیم محمد حسن خاں کے حکام میں رہتا ہوں وہ وہ وہ وہ وہ وہ گھر میں گھڑیں جو راجہ زنگرنے والی نیال کے ملازم ہیں۔

راجہ نے صاحبان عالی شان سے عہد کیا تھا کہ بوقتِ غارت دہلی یہ لوگ محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ بدلتے نام صاحب کے سپاہی ہواں تھے۔ اور یہ کہ محفوظ رہا۔ حد میں کہاں اور یہ شکر کہاں۔ ہم گروہاں کی شہر کی ہے، ہادی اور ویرانی کی کیفیت بیان فرماتے ہیں :-

مہاراجہ جانتا، امیر و سب سب لگے۔ جو رہ گئے وہ گئے۔ جاگیر دار نہیں رہے۔ بل کہ کوئی بھی نہیں بچا لکھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ خدا کا فضل و کرم ہے۔ ہمارے ہاں وہ گھر میں جلا ہیں۔ گھر وہ ذکر جو اس ملک میں تو گھر ہے ہیں اور چھک میں شریک رہے ہیں۔

نہ سے بے تعلقی | قلم کے ساتھ غائب کا بھی ویسا ہی تعلق تھا جیسا کہ دوسرے ملازمین کا لیکن صاحب نے قلم میں قلم کوئی حصہ نہیں لیا تھا بلکہ سرے سے قلم ہی نہیں لگے۔ مگر کبھی ملاحظہ ہو کہ اپنی بے گناہی اور اسبابِ جرم و مہریت کے ساتھ بے تعلقی کے ضمن میں بے تعلقی و راجہ و راجہ ہی کو بھی بے حقیقت نظر ہو رہا ہے اس فرماتے ہیں :-

میں قریب شام، وہیں برس سے تیار رہ گئے اور شرعی اسلحہ پہنچے پتھریں ہوا ہوں تو یہی  
اس کو دکھائی بکھر تو ابھی مزدوری اس فنسوار شہر میں کسی صحت میں میں سے دل نہیں دیا۔ وہ  
تکڑا جی بے گناہی پر پھر سے مل نہیں گیا۔ میز شہر میں ہونا حکام کو معلوم ہے۔ مگر چونکہ میری طرف  
پادشاہی دفتر میں سے یا خبروں کے اس سے کوئی بات نہیں پائی گئی۔ لہذا طبیعت میں ہوئی۔  
وہ جہاں جیسے جیسے ہائیگر دہلائے گئے دشتہ راہوں سے یا کچھ ہوتے (مثلاً بھڑ،  
بب گڑھ ہاں گڑھ فتح گڑھ) آئے ہیں، میری کیا حقیقت ہے۔

میرٹل کا | شرعی ویرانی کا تو نہ ایک اور گجراتان الفاظ میں لکھتے ہیں :-

اپنے مکان میں بیٹھا ہوں دردناک سے باہر نہیں نکل سکتا سوار ہونا اور کہیں جانا تو یہی  
بات ہے۔ ریل کو کوئی میرے پاس آوے شہر میں ہے کون جراتوے گھر کے گھر پہنچاؤں  
میں مجرم سیاست پاتے جاتے ہیں جرنیلی بندوبست (مارشل لا) یا نہ ہم سنی سے آج  
یعنی شہر خیمہ و پیر ۱۸۰ تک یہ صورت ہے کچھ نیک و بد کا حال بد کو نہیں معلوم بلکہ ہنڈلیے  
ہوئی طرف حکام کی توجہ ہی نہیں دیکھئے انجام کیا ہوتا ہے۔

تلازم خون میں شام ہی | چودھری عبدالغفور خاں سرور مارہروی کو لکھتے ہیں :-

میں مع ذوق و فزنیہ ہر وقت اسی شہر میں تلازم خون کا شکار رہا ہوں دردناک سے کچھ  
ختم نہیں رہ سکا۔ نہ پکڑا گیا۔ نہ قید ہوا۔ نہ مانا گیا کیا وطن کروں میرے خاندان پر کسی دنیا  
کی نافرمانی نہیں سہنے چاہتا۔ ال واکر وہیں کوئی فرق نہیں آیا۔

انگریزوں سے دے | خاتونہ ندر کے بعد خود بھی کسی انگریز دفتر سے ملنے کی کوشش نہیں کی  
حالانکہ وہ لوگوں کے زمانہ میں اکثر اشخاص اپنے بچاؤ کے لئے جھوٹے افسانے بنا کر حکام  
ہاں اعتبار حاصل کرنے کی کوششیں کرتے لگے تھے۔ جھوٹے خبروں کا بہت اور جو گیا تھا۔  
اور بہت سے آدمی ان خبروں ہی کی غلط بیانیوں کے باعث پرانی یا آگئے غلام لکھتے ہیں  
فراموش نہیں ہوں۔ وہ پوش نہیں ہوں بلکہ باقی نہیں گیا۔ دردناک ہے صحت ناموں کی طرح کی بات

ہر قوم و اہل حق گمراہ جیسا بلا پائیں گے۔ خود بھی بد گئے کا نہیں آیا کسی حاکم نے کیا  
 بلا خدا کسی کو نہیں کیا کسی سے مدد است ملاقات نہیں کی۔ سنی سے ٹپٹن بند ہے، اگر  
 یہ دس مہینے کیوں گزر گئے ہوں گے انجام کہ نظر نہیں آتا کہ کیا ہو گا۔

مسلمان جنت سم تھے جیسا کہ عقیدہ میں بیان ہو چکا ہے۔ مسلمانوں پر سب سے بڑھ کر سختی تھی۔ غالب  
 فرماتے ہیں :-

واللہ اللہ اللہ اللہ اللہ اس شہر میں نہیں تھا کیا امیر کیا فریب کیا اہل مدد اگر کہیں  
 تو باہر کے ہیں چند دولت کہ کچھ آباد ہو گئے ہیں۔

یعنی شہر سے باہر نکلنے میں ہندو اور مسلمان برابر تھے۔ لیکن آبادی میں ہندوؤں کے ساتھ  
 رعایت تھی جتنی۔ اور مسلمانوں پر بد دستور سختی اور شدت جاری رہی۔ غالب ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-  
 ابھی دیکھا جاہئے مسلمانوں کی آبادی کا حکم ہوتا ہے یا نہیں۔

بلا اجازت قبائلی طاقت | ندر کے بعد کچھ مدت تک یہ حالت تھی کہ نہ باہر سے کوئی شخص بلا اجازت  
 شہر میں آ سکتا تھا اور نہ بلا اجازت خاص قیام کر سکتا تھا۔ اسی زمانے میں چودھری عبد الغفور صاحب  
 سرور مارہروی نے غالب کے ملنے کے لئے دلی گئے کا قصد کیا۔ لیکن چودھری صاحب کے چچا  
 انہیں روک دیا۔ چودھری صاحب نے غالب کو یہ کیفیت بھی اس کے برہم میں فرماتے ہیں :-

آپ کے چچا صاحب کے کوہست کی برآپ کو منع کیا۔ ڈاک کی ساری ہنگام آپ اس شہر میں  
 مکان تک آ جاتے تو ممکن تھا کہ وہاں شہر میں ہے حصول اجازت حاکم احوال ضرور تھا  
 اگر خبر نہ ہو تو نہ ہو اگر خبر ہو جائے تو اجازت قیامت ہے۔ نہ خدا کبھی جمان نیکیجے خدا کو دلی کی طرف  
 میرٹھ، آگرہ، دہلی و شہر قیام کی مثل ہے۔ یہ پنجاب احوال میں شامل ہے۔ قانون ذائقہ میں حکم  
 کی جمرائے ہمدہ ویسا ہی مل کرے۔

دہلی والوں پر سب سے سختیاں ہو رہی تھیں ان کی کیفیت ایک کتاب میں فرماتے ہیں :-  
 پنج فتنہ و فساد و دہلی میں حکم جہاں کوئی طرح آسائش کی نہیں ہے۔ اہل دہلی مر رہے



کراچی دارا باؤد ہوں۔ بعد ازاں کراچی داروں کو بھی آبادی کی اجازت ملی غالب و راجہ  
۱۸۵۹ء کے کتبہ میں لکھتے ہیں :-

آجئے حکم تھا کہ انکان مکان میں کراچی دار رہیں چھوٹی سے حکم ہو گیا ہے کہ کراچی دار  
میں ہیں کہیں یہ دیکھنا کہ تم دس یا کوئی اور اپنے مکان میں کراچی دار کو تباہ کرے۔ وہ تو  
جو گھر کا نشان نہیں رکھتے اور نہ کراچی کے مکان میں رہتے تھے وہ بھی ان میں گھر کا کوئی

شہر کے دروازوں پر چلے | اگرچہ ۱۸۵۹ء کو دہلی پر دوبارہ قابض ہو گئے تھے لیکن جنوری  
۱۸۵۹ء تک شہر کے دروازوں پر پہرے بیٹھے ہوئے تھے۔ غالب و آخر جنوری ۱۸۵۹ء میں نواب  
مصطفیٰ خان شہر سے ملنے کے لئے میرٹھ گئے تھے۔ تین چار روز کے بعد وہاں آئے تو  
ایک خط میں جبرج کو لکھتے ہیں :-

مذاں شہر میں اک حکم کیا ہوا ہے

کہہ بھڑ میں نہیں آتا ہے لکھا ہوتا ہے

میرٹھ سے آکر دیکھا کہ اس بڑی شدت ہے۔ اور یہ حالت ہے کہ گروں کی پاسبانی پر  
تعمات نہیں۔ لاہوری و سوانہ کا قلعہ دار و نوڈھا بچا کر شرک پریشا ہے جو باہر کے گروہ  
کی آنکھ بھا کر آتا ہے اس کو پکڑ کر حالات میں بھیج دیتا ہے۔ حاکم کے ان پانچ پانچ بیٹے ہیں  
یا دور و پیروں یا لیا جاتا ہے آخر وہ قید ہوتا ہے۔

ان حالات کا اندازہ کیجئے اور سوچئے کہ اہل شہر کی کیا کیفیت ہوگی۔

ایک اور خط میں جو ۱۸۵۹ء کا ہے لکھتے ہیں :-

اداکر ۱۸۵۹ء میں روک روک کی شدت ہوئی تھی انہیں دسویں سے وہ شدت کم ہو  
جاتی تھی۔ اس بیٹے میں برابر یہ صورت ہے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

شہر کی آبادی کا چرچا ہوا کہ یہ مکان ملنے لگے۔ چار پانچ گھر آباد ہو گئے تھے کہ چار

قاصد مست گیا اب خدا جانے کیا دستور جاری ہو ہے۔

مسلمانوں کے اہلک [دسمبر ۱۸۵۵ء] کے آخر میں مسلمانوں کی اہلک واگنرہشت ہوتیں غائب تھیں۔

مسلمانوں کی اہلک کی واگنرہشت کا حکم عام ہو گیا ہے جن کو کراہی پہلی میں ان کو کراہی مٹا  
ہو گیا ہے۔ تیج یک شنبہ تکم چوری ہے۔ پہرہ دن چڑھتا ہے کہ قہر کو دیر مدی بوجھ کر، یہ خط

عکس راہوں اگر مناسب جائز آئے۔ اپنی اہلک پڑھتا ہے کہ چاہر نہیں، جو چاہر ہو چلے جاتا۔

شراب ناپید تھی غائب کے لئے قدر کے بعد ایک غریبی صیغیت یہ تھی کہ شراب نہیں ملتی تھی بہت  
گراں ملتی تھی ایک خط میں لکھتے ہیں :-

ذکیں جانے کا شک کا ہے ذکوئی میرے پاس آئے ولا وہ حرف جو بہ قدر ضرورت طا  
بنائے رکت خاص میر نہیں۔

۱۸۵۵ء کے خط میں بابو گو بندو سائے کو لکھتے ہیں :-

دو قسم کی انگریزی شراب ایک تو کاس ٹین اور ایک اولڈ نام میں ہمیشہ پاب کرنا تھا اور  
یہ دونوں قسم ہیں، روپے صد میں روپے درجن آتی تھی اب یہاں پہلے تو نگرانی نہیں آتی  
تھی اب یہاں روپے اور ساڑھے روپے درجن آتی ہے۔ یہاں سے تم دریا نت کر دینا  
خفیہ کیا ہے اور یہ بھی معلوم کہ کہہ طریق ذاک پہنچ سکتی ہے یا نہیں .... جاٹوں میں بھڑک  
بہت تعریف ہے۔ یہ گڑبھال کی شراب نہیں جیتا۔ یہ بھڑک حضرت کرتی ہے اور بھڑکے  
اس سے نفرت ہے۔

عکس راہندہ کچھ مدت گزر جانے کے بعد ایک عکس راہندہ قاصد ہوا تھا۔ غائب اس کے متعلق  
فرماتے ہیں :-

ایک عکس راہندہ میں ساوڑہ نقصان رعایا کے واسطے قائم ہو رہا ہے اور حکم یہ ہے کہ گریٹ  
کا مال کا لوں سے لے کر اسے بہت اس کا ساوڑہ حساب وہ ایک زمین میں لپٹیں سے لپٹیں  
سڑکا سے ہر گنا یعنی ہزاروں سے ایک سو روپے میں گے اور جو گروں کے وقت کی غارت





ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

ہزارہا دوست مر گئے۔ کس کس کو یاد کروں۔ لکھ کس سے یاد کروں۔ یہیں تو کوئی غمناک

ضمیں اور مردوں تو کوئی فراد نہیں۔

ایک جگہ اور شاہ ہوتا ہے :-

سینکڑوں نگاہ ہزاروں دوست اس ہاتھ پر ہیں مر گئے غمناک اس قدر وہاں نہیں  
اندھیں، تو شاہ میر کوئی جاننے والا نہ بھلا ہو گا۔

روہی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ غالب بہت مغز تھے۔ تمام حکم ان سے دوستانہ ملتے تھے۔

لیکن غدی میں ہر شے متقلب ہو گئی۔ غالب فرماتے ہیں :-

ذوہ حکم جن کو میں جانتا تھا۔ ذوہ ملک جن سے میری ملاقات تھی۔ ذوہ حالات کے

تواحد میں جن کو کچاس برس میں نے دیکھا ہے۔ اب کوئی میں بھیا ہوا پیرنگ روزگار کا

تماشا دیکھ رہا ہوں یا حلقہ و یا حلقہ ہر روز ناں ہے۔

غیر صاحب سلطنت پابندی | جب خاص پابند باں آگے گئیں اور شہر میں آمد و رفت کی اجازت ہو گئی

ترغیب اور صاحب سلطنت اس آزادی سے مستثنیٰ تھے۔ غالب لکھتے ہیں :-

غیر اور بھیا میں پاس ہر وہ نہ آئے۔ باقی ہندو مسلمان حریت مرد سوار پیادہ جو پاس ہے

چلا جاتے۔ چلا آتے۔ مگر غیر اجازت کے بات کو شہر میں پہنچنے نہ پاتے۔

شہر میں کون تھا اسی زمانے میں فشی شیخ فرائن آرام مالک مصلح مفید خلافت آگروٹے اخبار نکالا تھا

اور غالب کے خریدار دیا کہنے کی استدعا کی تھی۔ جواب میں اشداد ہوتا ہے :-

یہاں آدمی کہاں ہیں کہ انہی کے فرمایا ہوں تاہم رنگ ہو یاں جتے ہیں وہ یہ ڈسٹنٹ نہ ہوتے

ہیں کہ گھبراہٹ کہاں کہتے ہیں بہت تکی ہو گئے تو جن پر ہی وہیں گئے۔ کاغذ اخبار روپے بیچنے کا

کیوں بدل میں گئے۔

غالب کے کمالات انکا دل کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ جنہاں بعض نہایت اہم باتیں

فرما جاتے ہیں۔ مثلاً خریداری اجارہ کے ضمن میں ماہجنوں کے کیرکٹر کا ہر نقشہ چند الفاظ میں کھینچ کر ایک اور خط میں اسی قسم کی خواہش کا جواب یوں دیتے ہیں :-

مسلمان امیروں میں تین آدمی جن کی خاں، نواب عادل علی خاں، نجیم حسن شاہ خاں،  
سوان کا یہ حال کردہنی ہے ڈاکٹر انیس۔ حنا بیباں کی اقامت میں تذبذب۔ خدا ہمارے کرنا  
جاتیں کس ہیں نجیم حسن شاہ خاں نے آفتاب عاتق کی خواہش کر لی ہے۔ اب وہ  
مکرر حالات دہا شاہی کہیں اس کے برائے ساہوکاروں کے یہاں کوئی امیر نہیں۔ وہ تو  
اس طرف کہیں تو جکر ہیں۔

ٹکٹ اہلی کی فتح کے بعد اولیٰ کو شہر میں آباد ہونے کی اجازت نہ تھی پہلے ہندوؤں کو  
اجازت ملی بہت دیر بعد مسلمان حکامان وادوں کو اجازت ملی۔ پھر کرایہ وادوں کو بھی اجازت  
ملی کہ شہر میں رہیں لیکن کرایہ سہرا رکھ دیں۔ اس دوران میں ٹکٹ بھی جاری ہو گئے تھے جن کے  
بنیہر شہر میں جانے یا باہر نکلنے یا پھرنے کی اجازت نہ تھی۔ ٹکٹ قیض ملتے تھے اور شہر کی  
حیثیت کا اندازہ کر کے ٹکٹ کی قیمت کا قیض حاکم کی راسے پر موقوف تھا۔

۱۷۔ خواہش ملی خاں والی سمجھ کے چھڑے بیٹے تھے۔ اپنے ہنسے بھائی فیض علی کی ریا سنگھ کے نام سے پہلی  
رہے فیض علی کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کے بیٹے فیض علی خاں سندھ میں ہونے تو ان میں جن کی خاں ہیں اختلاف ہو گیا۔  
مقررہ ہا: ہی ٹکٹ قیمت نہیں۔ اگر فیض علی حکومت سے صلہ کرانی میں ملی خاں کا تین ہزار روپیہ مانا نہ مقدر ہوا جو فیض علی  
کی معرفت انہیں ملتا تھا۔ اور وہ وہی میں ختم ہو گئے۔ خدا کے دوز میں کسی کسی بادشاہ کے پاس ہاتھ تھے جب گریز  
ملی پر تاج بن ہوئے تو سب کچھ چھڑک دیا گئے کچھ مدت۔ واپس ہے اور کچھ چھڑی ہوئے کو وہیں ہے۔

۱۸۔ نواب عادل علی خاں، احمد وادہ ویشل ملی خاں ویشا، وادہ کے دادا تھے ان کی بیوی کو باپ کے رنگ سے رنگ  
روپیہ ملتا تھا۔ عادل علی خاں وہی چلے آئے۔ وہ پھر شاہی تہ میں چلے کراہ پا جس کا سو دس اشے چاہیہ وہ پیا  
ملتا تھا۔ وہ پھر بادشاہ کے وزیر بھی بن گئے تھے۔ خدا کے بعد چھ بیٹے حالات میں رہے۔ فروری ۱۹۱۷ء میں راجہ  
۱۹۔ ملی کے منکر، امر میں سے تھے۔

یہ بھی شمر ہے کہ پانچ جزائرت چھاپے گئے ہیں جو مسلمان شہر میں اقامت چاہتے ہیں۔  
مقدور بغداد سے اس کا اندازہ ڈراؤنیا حاکم کی رائے پر ہے جو پیر سے اور ٹکٹ لے۔  
ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

اب یہاں ٹکٹ چھاپے گئے ہیں میں نے بھی دیکھے تھارے ہی عبارت یہ ہے ٹکٹ باوی  
درون شہر پر شرط اٹھانے پر اس کی حاکم کی رائے پر پانچ جزائرت چھاپے  
ہے کہ انہیں سب پر سونے دینا ہے دیکھئے یہ کاغذ کیوں کر ختم ہوں  
فشی نقضہ کو لکھتے ہیں :-

یہاں باہر سے اندر کوئی جزائرت کے آئے جانے نہیں جاتا سہ ماہیہ یاں کا ارادہ  
تھاؤں پر حکم پہنچ گیا تھا کہ دیافت کرو کون کون ہے ٹکٹ مقیم ہے :-  
سب تھاؤں پر حکم ہے کہ دیافت کرو کون ہے ٹکٹ مقیم ہے ۔ اور کون ٹکٹ لکھتا  
ہے تھاؤں میں نقشے مرتب ہوئے گئے یہاں کا جسداریہ اس بھی آیا میں نے کشتائی  
تو دیکھ نقشے میں درجہ بری کیفیت کی عبارت آگے لکھ عبارت یہ کہ سدا شدہ فیئین و درجہ  
سے حکم فرما دے کے بھائی کی عربی میں رہتا ہے دکاؤں کے وقت میں میں گیا ڈگریا  
کے وقت میں خلا و تھاؤں گیا۔ کوئل پڑاؤں سدا بکے زمانی حکم پر اس کی اقامت کا مار ہے ۔  
ایک حکم کسی حاکم نے دو حکم میں بدلا اب حاکم وقت کو اختیار ہے ۔ پر میں یہ عبارت بعد سے  
پہلے کے نقشے کے ساتھ کوئی بھیج دی ہے ۔

حکیم غلام محیف خاں ان دنوں دو جاؤں میں تھے ۔ انہوں نے لکھا کہ دو جاؤں آجائے ۔  
لیکن فی السبب جواب دیا کہ ٹکٹ کے بغیر باہر غلٹا غیر ممکن ہے پھر میں کیوں کر آؤں ۔ یوسف میرزا  
کے نام ایک خط میں فرماتے ہیں کہ ٹکٹ موقوف ہو گیا ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط  
شمارہ ۱۸۶ سے پہلے کا نہیں لیکن اس کی صحیح تاریخ نہ تعین مشکل ہے ۔

سکوں کا الزام باطیروں کی حمایت کے تعلق غائب کے خلاف کوئی شہادت موجود نہ تھی لیکن کسی شخص نے کہہ دیا کہ غائب نے ہمارے شاہ کے لئے کئے تھے۔ حالانکہ یہ سکتے مذوق نے شاہ مرحوم کی تخت نشینی کے موقع پر ۱۸۳۳ء میں کئے تھے اور یہ اسی زمانے میں مولانا محمد حسین بکناؤ کے والد مولوی باقر علی نے اپنے اخبار میں جس کا نام اردو اخبار تھا چھاپ دئے تھے۔ کتاب کو مذکور کے بعد اردو اخبار کے خاں کی ضرورت پیش آئی تاکہ اس قاطع شہادت کی بنا پر اپنی بے گناہی ثابت کر سکیں۔ زمانہ اتنا نازک تھا کہ صحاح میں جس کے خلاف شرکت خدا کا الزام لگنا بیٹھتے تھے۔ اسے جلد سے جلد منراوینے کی کوشش کرتے تھے۔ غالب پر دھری عبدالغفور خاں مستور مارہروی کو لکھتے ہیں :-

مولوی باقر علی دہلوی کے تعلق سے ایک اخبار مینے میں ہمارا دھنا ہے۔ بیٹے بہ نئی اردو اخبار میں بعض شخصائے سنہین اعلیٰ کے اخبار میں کرکے ہیں مگر ایسا ناچکے یا آچکے کسی دوسرے پاس ہی ہونے چاہئے کہ ہیں تو اکثر چھٹے سے وہ چار مینے کے نام کے مطابق ہیں ہمارے شاہ کی تخت نشینی کا ذکر ہوا وہاں مذوق کے دو کئے ان کے نام کے کہ مذکور کے کا ذکر منہج ہو ہے تحفہ وہ اخبار چھاپے کا بہت سے میرے پاس بھیج دیجیے معلوم ہے کہ کتبہ کی انویلیا ۲۵ مئی تاریخ ۱۸۳۳ء میں چھپتے پڑے ہیں۔ اور مذوق نے اسی مینے میں ہمارا ایک مینے جدید کے کہ گزارے ہیں۔ احتیاطاً ہمارے پانچ مینے کے اخبار رکھئے ہیں۔ یہاں تک ہر ایک طرف سے اہام ہے کہ اگر ٹیٹل کسی اور شخص کوئی صاحب آپ کا دوست جامع ہو اور آپ کو اس کا علم ہو تو وہاں سے ملو دیجیے۔

چو دھری صاحب نے بہت کوشش کی لیکن اخبار نہ مل سکے۔ غائب نے صاحب جہاں غائب والوں کو شکست بھی لکھا۔ لیکن وہی اردو اخبار کا مطلوبہ خاں وہاں سے بھی نہ ملا اور اضطراب بہ دستور باقی رہا چو دھری صاحب بھی کو لکھتے ہیں :-

سکہ کا وارنر ہر چاہا چلا بیسے کوئی چھرا یا گربا کس سے کہوں اس کو گواہ لائق نہ ہو

کے ایک وقت میں بکھے گئے ہیں..... وقت نے یہ دو کتے کو گڑبڑانے باؤٹا دے  
پہنڈ کئے۔ مریضی صاحبہ قریب قریب کے منتظر ہیں اس سے کتنے اہل قلی اردو اخبار میں یہ  
دوروں کے چھاپے۔ اس سے علاوہ وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اس زمانے میں مرشد  
اور نکلنے میں یہ کھنڈے ہیں اور ان کو پاویں۔ اب یہ دوروں سرکار کے نزدیک میرے  
کے جوئے اور گزرنے ہونے ثابت ہوتے۔ میں نے ہر چند فکر و بند میں قلی اردو اخبار  
کا کچھ ڈھنڈا نہیں اٹھو آ یا۔ یہ وجہ یہ ہے کہ میں بھی گیا۔ اور وہ ریاست کا نام و نشان  
نکلت اور باہمی مشاعرہ کچھ ہوا کہ کوئی رضائے تھی ہے اس کا ٹکڑا ہے۔

چوں جنبش پھر فرمان را در ہست

بیجا و بنو آنچہ بہار آسمان رسد

یوسف میرزا کو بھی اردو اخبار کی تلاش کے لئے لکھتے ہیں:-

لے دل کو قس نے کاہل ہر حال یہ معلوم ہے کہ غائبانے کئے نہیں کئے لیکن بہت  
عدم دستیابی ثبوت و شہادت غائبانے اپنے دل کی قسلی کے لئے بعض عذرات تلاش کر  
یوسف میرزا کو لکھتے ہیں:-

میں نے سنا نہیں کہ اگر کیا تو اپنی جان اور عزت بھائے کرنا۔ یہ کنا و نہیں ہے۔ اور  
اگر کنا و بھی ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ کنا و سزا کا اشتہار و عفو عام بھی دے گا نہ سکے۔  
بحان اللہ گورنار کا بارود بنانا۔ اور قسلی لگانا اور بیک گھر اور دیگرین کا نوٹنامات  
ہو جائے اور شاعر کے دو سرے صاف ذہنوں اس صاحب گورنار کا جہنمی مددگار  
ہے اور شاعر کا سالہ بھی جانب دار نہیں۔

آخری فقرے میں کیسا طبع نکلتا ارشاد فرمایا ہے۔ یہ جہنمی کو اپنی بیوی کے بھائی کی موت  
کا مصیبت پر کتنا ہی رنج کیوں نہ ہو لیکن وہ اس رنج کا مقابلہ نہیں کر سکتا جو سارے کو بس کے کاؤنڈر

مصیبت و آفت نازل ہونے کی حالت میں ہو سکتا ہے۔ غائب اپنے غلوں میں اس قسم کے بیخ بننے سے عموماً بلا خوف کھ جاتے ہیں۔

پہلی کو انتظام آفخ دہلی کے بعد پہلی مرتبہ شہر میں پہلی خانے مقرر ہوئے تھے۔ غائب فرماتے ہیں:

شہر کا حال جان کر کیا ہے۔ ہون لونی کوئی چیز ہے اور ہمارے ہو گئی۔ بے سوائے آفخ اور ہے کے کوئی چیز پہنچا نہیں جس پر حصول نہ لگا ہو۔

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

ہون لونی کے باس میں کوئل ہوئی۔ پسوں و رزمیر سے جاری ہو گئی۔ سنگ سنگ مام خزا پکھی، چھناں، بھیڑ، داس، ان جیسے شخصوں کو یہ کام بطریق انسانی سپرد ہوا ہے۔ غلے اور نہجے کے سوا کوئی چیز نہیں جس پر حصول نہ ہو۔

غلہ کی گرائی اس زمانے میں غلامیبت گراں ہو گیا تھا۔ غائب اس گرائی کی کیفیت ان غلوں میں بیان فرماتے ہیں:۔

غلہ گراں ہے موت انداز ہے۔ بیدہ کے مول آج بکتا ہے۔ اش کی دال آٹھ سیر باجو بارہ سیر گیسوں پیرہ سیر۔ چنے سولہ سیر گھی ڈیڑھ سیر ذرا ہی مٹلی۔

ذرا اپنے زمانے کی حالت کو سامنے رکھ کر اس گرائی کا اندازہ فرمائیے۔ غائب ان غلوں کی بنا پر جہاں سے نزدیک اپنے وطن سے کی ادائیگی کے فرخ ہیں فرماتے ہیں کہ سیوہ کے مول آٹھ بکتا ہے۔ نہیں کیا معلوم تھا کہ ان کے ہمارے سوا اور کسے والا ہے جس میں گرائی کے یہ فرخ انسانی کشائش کے غلوں کے مقابلے میں بھی انداز ہوں گے۔

چراغوں ایکم فوجہ شہر کو دہلی میں چراغاں کا حکم ہوا غائب فرماتے ہیں:۔

غیر ہاں میں غلامیبت میں کہ شمارہ بیٹھے سے جن مقدری لائیں دیا اپنے مکان پر مدد بھی کرے گا۔

غلامیبت ہاں میں کہ اندام انگریزوں کے دہلی پر قابض ہونے کے بعد جو جگہ سے شہر ختم ہونا شروع ہو گیا تھا۔ نئی نئی مشروکوں کی خریدیں نہیں۔ ریل کی مشروک بننے کی افواہ تھی۔ غائب بربادی کا جو خطر

پہلے دیکھ چکے تھے۔ اس کے بعد اندام شمران کے قلب خیز کے لئے کیوں سخت قلعہ جیز  
 نہ ہوتا، چنانچہ ان کے عسکارتیب اندام شمران پر بیج کے متذکرہوں سے پھر نہیں لیکن اس بیج کا  
 تفصیلی انداز صرف انہی لوگوں کے نام کے خصلوں میں ہے جو یا تو خود مہلی کے رہنے والے  
 تھے یا اس کے مختلف حصوں سے پوری واقفیت رکھتے تھے بہتر خصلوں میں تفصیلی ذکر جو نہیں  
 جان سجد کے گرد بیان | میرمدی تجربی کو لکھتے ہیں :-

جان سجد کے گرد پچیس پچیس فٹ گول میدان فیلڈ گا۔ دکائیں حویلیاں دھاتی جائیں گی  
 دلا لقا قنابرو جانے گی۔ رہے نام لڈکا۔ خان چند کا کو چشاہ بولا کے بڑبک ڈبے گا  
 دھڑلٹ چاندہ کل را ہے۔

کشمیری کٹو گڑیا | پھر فرماتے ہیں :-  
 کشمیری کٹو گڑیا ہے وہ اونچے اونچے دراندہہ جڑی بڑی کو فٹریاں دور وہ نظر نہیں  
 لکیرا ہوں۔ انہی شریک کا انا، اور اس کی رہ گز کا صاف ہونا منور فٹری ہے۔  
 دھانوا اندام شمران کی ہڈی | ایک خط میں لکھتے ہیں :-

دھانوا قناب، ہی دلی کی باتیں ہیں چکر میں مٹیہ کے بلے کے دروازے کے سامنے حوض  
 کے پاس چکر میں خاص ہیں سنگٹے غاشاک ڈال کر بند کر دیا جلی، دھوں کے دروازے کے پاس  
 کئی دھانواں ڈھاکر، استہ چوڑا کر دیا۔  
 مہلی کے ہنگے سے | ایک جگہ فرماتے ہیں :-

بھائی کیا ہو جیتے ہو کیا کھسوں، دلی کی ہٹی ٹھہر کئی ہنگے میں پاس ہے بھد، جانلی چکر ہر ہڈ  
 بھی ہزار جان سجد، ہر ہڈی سے نہ کھل کی ہر سال میلہ بھول دھوں کا پانچوں باتیں  
 اب نہیں ہر کھولی کہاں، اس کوئی شریک ہر ہڈی میں نام ہذا۔  
 میرمدی نے اپنے آئے کا ذکر کیا تھا انہیں لکھتے ہیں :-

خلف جان سجد کے پاس غلی صلیب، آندہہ کی نام کی مہلی دھانوا جلی۔

قرآن پر قرآن آؤ جان شادیاں کے چھنے کی اور خان چاند کے کوپے کی مشرق دیکھتے  
جاؤ۔ بدلتی ٹیم کے کوسٹ کا ڈھنسا دو جان مسجد کے گرو مشرق کا میدان غنٹا میں جاؤ۔

جہازیم کی علت | سیرمدی کی انگلیوں دیکھنی آگئی تھیں۔ غائب اس آواز کو بھی دہلی کے اندام  
کا قیچہ قرار دیتے ہیں :-

شہزادی آنکھوں کے قبائلی دودھ سے کہہ کر ملکات دلی میں ڈھلے گئے، اور جہاں جہاں  
شکریہ نہیں جتنی گواہی اس کو کہنے اندام محبت اپنی آنکھوں میں بکھری۔

دہلی کی زبان | سیرمدی جبروت نے ایک نزل صلاحت کے لئے بھیجی تھی جس کے مطلع کا مصرع یہ تھا  
میاں یاہل دہلی کی زبان ہے

اس مضروب غائب کا سا زور کا ہزار چھیر دیا فرماتے ہیں :-

میرمدی تجھے شرم نہیں آتی۔ میاں یاہل دہلی کی زبان ہے۔ اسے اب اہل دہلی  
میں یاہل حرف میں یاہل کی ہیں یا پھلائی ہیں یا گوسے ہیں۔ ان میں سے تمہاری تشریف سزا  
کھڑکی آبادی میں کچھ فرق نہیں آیا۔ راست تو جانی ہی یاہل ہرن کے کان ٹوک بدو ج  
اس خط میں آگے چل کر لکھتے ہیں :-

تمہاری کانٹوں بند ہو گیا دل ڈھکی کے گوش کی فکر ہماری ہو گئی۔ غیر ہماری ہی یاہل پیچے  
گرم دہلی غنٹا ہے پس میں سوار ہو کر کوؤں کا حال دریافت کرنے گیا تھا مسجد جامع سے منج  
گھاٹ دروازے تک بے سہارا ایک چھتاقی دھوک ہے۔ بیٹوں کے دھیر چوڑے میں گر  
آٹھ جاتی تو ہر مکان ہو جائے یا کرہ مزداگو ہر کے باغیچے کے اس طرف کوئی نہیں شہ

۱۵ غائب کا ہر دروازہ چھوٹا چھوٹا صاف صاف ترتیب دیا ہے۔ اس میں اس غنٹا اس کو غائب کی سبب  
کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے اور میرمدی جبروت کے نام کے خط کو غائب کی منتقلی قرار دیا ہو کہ اس کے لئے آخری غنٹا میں  
کے غائب کو حذف کر دیا گیا ہو۔ چہ شہ غائب کی دہلی سے مناسبت محبت تھی لیکن اس ثبوت میں جہازیم صاحب نے غنٹا  
چہ انگلیں سیرمدی کی دیکھیں کہ غائب کی تشریف کشمیر کی شاد عوام قریب کے پہاڑ پر بیٹھا تھا غنٹے میں اس کے گرد آویں تھے



[illegible]

غرضیں کی بجائے، یہ تمام حالات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ عربی واسے اب بھی اس شہر کی زبان کو اچھا سمجھ جاتے ہیں۔

اسے ہندو خدا اور دھرم اور سندرہ نامہ کہتے ہیں کہ اس کی ماں، وادی کی ماں ہے کہ اسے کہتے ہیں۔  
 چھوٹی ہے، اسے کہتے ہیں کہ اسے کہتے ہیں۔

دہلی میں جو خوفناک تیزی ہوا تھا اس کو مد نظر رکھتے ہوئے اس سے بہتر کیا جاسکتا تھا کہ اب پشہر نہیں گمیرے، چھانواؤنی ہے عزیز الدین کو کہتے ہیں :-

صاحب کبیس صاحبزادوں کی سی باتیں کرتے ہر وقت کو دیا ہی آدھا خنجر جیسی تھی۔  
 غلام جان کی نگلی خیرانی کے پھاٹکے فتح اللہ ایک غلام کے چاٹکے چڑا ہے۔  
 اٹا آباد ہے تو یہ ہے کہ غلام جس غلام کی کوئی بہن نہ تھا ہے اور دنیا مالدین غلام کے کر  
 میں ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اور کالے صاحب کے عکاس ہیں ایک اور صاحب علی شلن  
 اجمستان قسریہ رکھتے ہیں..... مال کنوئیں کے پھلے میں خاک اڑتی ہے۔

ہر نفع اور ہر قسم اور درجہ کا بعض حصوں کے اندام میں فوجیوں اور رسول و آلوں کا حتماً بھی تھا۔  
شکلاً غالب فرماتے ہیں :-

فیصل خاں دھک پہ راجہ لال ڈوگی کے مہادی کے حکمرانوں کے لئے تھے۔ بدلتی ہوئی حکومتوں کا کہنا ہے کہ یہ ہے۔

آغا باقر کا نام یاد رہے۔ آغا باقر کا نام باڑہ ایک مشہور قدیم عمارت تھی لیکن وہ بھی ٹوٹا دی گئی۔ غائب لکھتے ہیں :-

آغا باقر کا نام باڑہ اس کے علاوہ کونسا دند کا خزانہ ہے، ایک پتہ قدیم دلچ مشہور  
اس کے اندام کاظم کس کو نہ پہچا۔ یہاں وہ شریکس دہشتی میں ایک ٹنڈی شکر و ایک  
آہنی شکر ملے گا، انگ انگ اس سے بڑھ کر نہ بات ہے کہ گروں کا ہانگ بھی شہر میں  
ہو گا۔ وقت کے آگے جہاں لال ٹنگی ہے ایک میدان نکلا جائے گا۔  
پھر متفرق عمارتوں کے اندام کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-  
کیوں میں وقتی کے ویلا د سے غرض زمروں جب اہل شہر ہی نہ رہے شہر کو لے کے  
کیا چھوٹے ہیں ڈالوں۔

شکر کی انہوں نے اندام عمارت کے وقت عجیب افراد ہیں تھیں کسا جاتا تھا کہ شکر کی غنیمتیں  
غائب فرماتے ہیں :-

شہر و غرض تھا کہ شکر کی غنیمتیں تھیں گی۔ اور گروں کی چاقوئی نے گی کچھ بھی نہ ہوا، مرپ کر  
ایک ہاں شمار خان کے چھتے کی شکر فعلی ہے۔  
غائب علامہ الدین خاں کو لکھتے ہیں :-

سیری جان یہ وہ وقتی نہیں جس میں ختم پیدا ہوئے۔۔۔۔۔ ایک کیر پچہ مسلمان اہل حرفہ  
باجم کے شاگرد پڑھ باقی سلسلہ رہو۔

شاہی خاندان کے افراد شاہی خاندان کے افراد کی مصیبتیں قابل بیان نہیں غائب ایک مرتبہ  
پر لکھتے ہیں :-

مزدل بادشاہ کے مذکورہ باقی پیر پیر تھے پانچ پانچ روپے مہینہ لے جاتے تھے  
ہر چیز میں وہ کٹھیاں اور جہیز لے لیاں۔

غائب "تسنبہ" آگرہ میں چھپوائی تھی۔ اس کی چند جلدیں حکام کی نذر کے لئے عمدہ بنوائی



فساد کے بعد کوئی نہیں ہے۔ یہاں خدا اور فساد چلا جائے گا، شر کی صورت سونے میں بازار کے جو قلعے لاہوری دروازے کے ٹھوکے لاہوری دروازے تک ہے، ہر گھر جو گنتی ہے اور گنتی جاتی ہے۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ فساد کے بعد مسلمانوں پر بہت سختیاں ہونے لگی تھیں۔ غالب نے کشمیر کے مقامات میں بھی اس کیفیت کو دور انگیز پیرایہ میں بیان کیا ہے فرماتے ہیں:-  
وہاں انکشت کے صاحب کشمیر بنا رہے تھے جو کہ کیا کہ عوام میں ہندو دھرم کے ہوتے ہیں اہل اسلام نہیں ہیں۔ ہندو کو اور عاقبتوں پر پہنچ دیا اور ان کی جگہ سب مسلمانوں کو بھرنی کیا۔  
یہ قرأت وقتی ہی پر ٹوٹ پڑی ہے۔

مرزا فضل بن فیکر آبادی خاندان کاظم نامہ کا ایک خوب نچھان باب اکابر علم و جاہ کی صحبتیں ہیں۔ غالب کے حکایتیں ہیں اس کے متعلق بھی کافی مواد موجود ہے۔ مرزا فضل بن صاحب خیر آبادی و دورِ سفر میں معقول کے امام تھے۔ ان کی قدر و منزلت کا یہ عالم تھا کہ جب عدالت دہلی کی سرحدت واری سے متعلق ہوتے تو وہاں فیض محمد خاں دہلی جھپٹنے پانسو روپہ ماٹانہ کی آغواہ ان کے لئے معقول کوٹی جب دہلی سے ان کی روانگی کا وقت آیا۔ تو بہادر شاہ اس زمانے میں دہلی میں دیکھتے انہوں نے مولانا کو طلب کر کے دو شاہ مہربوس خاص ان کے کندھوں پر رکھ دیا انکھوں میں آنسو بھرنے اور فرماتے گئے:-

شہ سے گوئی کہ سن صحت سے شوم برا جزا نیک نہ پریم گزیریت اما نیرودانک و اندک کھلا  
وہ دہلی پہاڑاں سے رسدالہ ہر راہ تیر تھیں۔

خاندان کے بعد مولانا بھی یاغیوں کی اعانت سے قتل ہوئے اور انہیں جس دوا میں چھوڑ دیا گیا شہر کی سڑکی پر لٹا۔ غالب یہ سب میٹھا کو لکھتے ہیں:-

مولانا کا حال کچھ تم سے بچو کہ معلوم ہوا کہ بھستہ تم معلوم کرو۔ وہاں میں حکم دہم میں پہلی  
بلکہ ایک کی گنتی کہ بعد درجائے شہ کی حالت روا کر دیا چنانچہ تم کو معلوم ہو جائے گا ان کا رونا

ولاہیت میں اپنی کیا جانتا ہے کیا ہوتا ہے جو ہوتا تھا سو ہو گیا۔ انا شہداء اہل بیت ہوں۔  
 میں ادا و غاں سیر کرتے ہوئے نکلتے پہنچے تو غائب نہیں ہوئے۔ مگر کتبہ ۱۸۶ء کے خط  
 میں لکھتے ہیں :-

اں غاں صاحب آپ ہر کلمہ پہنچے ہر ادب صاحبوں سے ملے ہر قریبی و غریبی  
 حال بھی طرح دریافت کر کے پھر کر لکھو کہ اس نے سائی کیوں دہائی۔ وہاں خبر یہ میں  
 کیا حال ہے۔ مگر اس طرح ہوتا ہے۔

مولانا فضل حق نے اذہیان ہی میں وفات پائی غائب تھے تاہم غائب میں ایک سچ پروردگار  
 کے ایک رسالہ سے اقتباس دیتے ہوئے لکھا ہے "فخر الفضل، ختم العلماء، امیر الدین مولوی فضل حق  
 رحمۃ اللہ علیہ" اثر یا تاہم غائب کی ترتیب کے وقت مولانا فضل حق کا انتقال ہو چکا تھا۔

مفتی محمد الدین آزاد [مفتی محمد الدین صاحب آزاد وہ دور آخر کے شایع فیض ہونے لگے۔ دینی  
 علوم کے فیضان کا وسیع مسئلہ آپ کی ذات گرامی سے جاری ہوا۔ آپ دہلی کے صدر الصدور تھے  
 ایک سچے غائب کے خلاف قرض کا مقدمہ آپ کے سامنے پیش ہوا۔ غائب نے عدالت میں حاضر ہو کر  
 جواب دہ ہوئے میں پیشتر پڑھا ہے

قرض کی چینی تھے مے لیکن سمجھتے تھے کڑی

دنگ لائے گی ہمارے غافرتی یا یک دن

مفتی صاحب مروجہ سکھائے۔ تاہم خلاف ڈگری دے دی لیکن ڈگری کار و پیا اپنی  
 جیسے ادا کر دیا۔

مفتی صاحب کے ساتھ غائب کے تعلقات شایع گہرے تھے غرض میں ان پر بھی آفت نازل  
 ہوئی پروا نشان خود غائب ہی کی زبان سے سنئے :-

حضرت جناب مولوی محمد الدین صاحب بہت دن عیالات میں رہے کہ کوششیں



جو ایک ہندو پاپی امیر ہونے کے علاوہ زہد و انصاف، علم و فضل اور فوق مشورہ سخن کے اعتبار سے دور آخر کے ایک نہایت گمراہ نایاب وجود تھے نواب صاحب جو غلام مولد و سر فرزا الملک و نواب متھے خاں بہادر مظفر جنگ کے صاحبزادے تھے بہت سے ائمہ میں لارڈ لیکٹ کے دلی فتح کی توڑ ب مرتھے خاں بہادر کو حسن خدمات کے صلے میں جوڈل چول کا علاقہ بطور جاگیر عطا ہوا تھا چھٹا ائمہ میں جاگیر آباد کا علاقہ جو راجہ کھوسا سے کی ملکیت تھا خرید لیا۔ نواب مرتھے خاں کا انتقال ہوا تو جوڈل چول کی جاگیر واپس سے لی گئی اور اس کے عوض اسکاں غامدان کی شنس مقرر کر دی گئیں چھٹا ائمہ ایک جاری ہیں۔ جاگیر آباد کا علاقہ نواب مرتھے خاں سے اپنی زندگی ہی میں نواب مرتھے خاں کے نام منتقل کر دیا تھا۔ سہ ماہ سابق مشائے امین نواب صاحب نے چ کا سفر اختیار کیا جس کے تفصیلی حالات ان کے سفر نامہ موسوم بہ رہا و روایتیں مرقوم ہیں۔ غدر کے دنوں میں وہ جاگیر آباد میں تھے جب نذر و فساد کی ہرج مہرج کے باعث یہ مقام خطرے میں چڑ گیا تو نواب صاحب صحت چھوڑ کر اپنے دوست عبد اللہ صلیف خاں کے پاس خاں پور چلے گئے۔ ٹھا کروں سے غدر ہانگا تیرا پرتھوہ جاپا۔ نواب صاحب کے عالی شان بھلوں میں جگ ٹھادی، سامانتی سامان، جلا کر خاک کر ڈالا۔ خٹے کان کا گراں بہا کتب خانہ بھی شعلوں کی نذر ہو گیا جس اتفاق سے رام پور کی فوج اس سے گزری اور اسے حالات کا علم ہوا تو اس فوج نے ٹھا کروں کو شکست دے کر جاگیر آباد پر نواب صاحب کو دوبارہ قبضہ دلا پامین نیزگی روزگار لا خط ہو کر یہ تمام نقصان اور بے بسی ٹھا بکنے کے بعد نواب صاحب پر باغیوں کی اعانت کا الزام لگا دیا وہ گرفتار ہو گئے اور بعض ان کی جائیداد ہی ضبط ہوئی بلکہ سات سال کی قید کی سزا بھی ہو گئی۔ غارت گئے ہیں :-

مصطفیٰ خاں کا حال سنا جو ٹھا بکنے کے مرا خد میں پھرت جاتے ورہ میں ہفت سالہ

کی تاب میں ناز و ہرود میں کہاں :-

جنوری ۱۸۵۷ء میں ان کی تعصیر برصاف ہوئی۔ غارت گئے ہیں :-

لے منہ اندھ و کلمات حسرتی و شیعہ مرتبہ جناب نکلای جاوینی :-







بھائی میں نے ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء سے ۲۱ جولائی ۱۸۵۷ء تک کا حال لکھا ہے اور خاتمہ  
میں اس کی مطلق دے دی ہے۔ زمین الدین ٹھاکر کی جاگیر کے ملے کا حال اور بادشاہ کی  
روایتی کا حال کہیں کر نکیتان کو جاگیر گشت میں ملی بادشاہ اکثر بددشہ ۱۸۵۷ء میں گئے  
کیا کرتا اگر تحریر موقوف نہ کرتا۔

دوسری جگہ بہادر شاہ کی وفات کا ذکر ہے :-

۴ نومبر ۱۸۵۷ء مطابق ۱۴ جولائی ۱۸۵۷ء سال حال جہد کے دن بددشہ سلج الدین پٹا  
شاہ جہد فرنگ و قید جہم سے آزاد ہوئے۔ بادشاہ داتا العباد جہون۔

دیکھئے کہ یہ چند الفاظ ہیں لیکن ایک ایک لفظ کی تہ میں درد و مدھن کا دریا سرخزن نظر آتا ہے۔  
شاہی خاندان شاہی خاندان کے افراد کے متعلق بعض تحریرات اور پرگڑ چکی ہیں مثلاً بہت سے شہزادوں  
کا مارا جانا بعض کا قید ہونا جو تلوار سے بچے تھے ان کا پانچ پانچ روپے پٹن پانا جو رتوں میں  
جو سن رسیدہ تھیں ان کا شکم چڑی کے لئے کٹیاں بننا اور جو جوان تھیں ان کا جھوڑا عصمت فروشی  
پر آمادہ ہونا۔ قاتل ان حالات سے بے حد متاثر تھے۔ اور معمولی سا ہانڈل جاتے پر بھی اپنے  
اس درد کے اظہار کے لئے مضطرب رہتے تھے۔ ہنسی ہر گواہاں لفظ نے اپنی کتاب سنبلستان  
چھپوا کر قاتل کو بھیجی۔ اس کی چھپائی بہت خراب تھی۔ قاتل نے چھپائی لگی خرابی ہی کو نگاہ سے  
کی سیبوتوں اور بدعالمیوں کے ذکر کا ذریعہ بنالیا فرماتے ہیں :-

ابھی یہ لفظ آتے تھے اچھا روپیہ بھی کھو یا اور اپنی فکر کو اور میری اس طرح کو بھی ڈوبا دیکھائی  
کاپی ہے۔ .... اس کاپی کی مثال جب رقم کی کسٹی کو تم یہاں ہوتے اور عجبات غلو کو پھرتے  
چلتے دیکھتے۔ سورت ماہ دو ہفتہ کی سی اور کپڑے میلے۔ پانچے یہ میر جہن ٹوٹی یہ باندھیں  
بلکہ یہ خف تنہا سن ایک مشرقی غریب ہے مگر وہ لباس ہے۔

تین محل نگہ ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

کچ محل نگہ بہادر شاہ مرحوم (مرزا ناصر اور مرزا جواں جنت کے سلسلے ولایت ملی بیگ



اپنی سکونت کے صحابہ کو چھپ کر یہاں آ رہا ہوں۔ اس طرح کر کے ملزمتی ناطہ اور دیوان خانہ میں آ کر  
توقف اکابر اور اہل فرستے ہیں۔

ہے ہے کیوں کہ کھوسو عظیم بنی الدین احمد خاں کو قتل عام میں ایک شاہی نے گولی لادی  
اور احمد حسین خاں ان کے چھوٹے بھائی، اسی دن مارے گئے۔ اطلاع بادشاہ کے دونوں بیٹوں  
ڈانگہ رخصت کے کرتے تھے۔ قتل کے سبب ہاتھ لگے ہیں۔ ہے اور بدعت دہلی لادوس  
ہے گناہوں کو چھانی ملی اطلاع بادشاہ ڈانگہ میں ہیں زندہ ہیں پھینچے ہے کو مرہو سے جڑ  
ہوں گے۔ میر جھوٹے بھی چھانی پائی۔ حال حاضر وہ میاں نظام الدین دہلی شیخ گھنچین  
عرف کالے میاں اکاٹھ ہے کہ جاں سب اکاٹھ سے بھاگے تھے۔ وہاں وہ بھی بھاگ گئے۔  
تھے جڑ وہ میں ہے اور ڈانگہ، بادیں ہے، احمد آباد میں ہے۔ سال گذشتہ جٹوں میں  
یہاں تھے۔ میر کا دے ان کی صفائی ہو گئی۔ لیکن صرف جان بخشی۔ دشمن اللہ لہ کا مرہو جو  
عقب کو قادی جہوڑہ ہے، وہ اور خواجہ قاسم کی حویلی میں ہیں ملی خاں مرحوم بہتے تھے  
وہ اور خواجہ صاحب کی حویلی یا ملک خاں حضرت کالے صاحب کی اور کالے صاحب کے  
میاں نظام الدین صاحب کی قرار پارک ضبط ہوئی۔ اور نظام کا مرہو پیر کا میں داخل ہوا۔ اس  
قاسم جان کی حویلی میں کے کا نظام میاں نظام الدین کی والدہ کے نام کے ہیں۔ وہ ان کو  
میاں نظام الدین کی والدہ کو مل گئی۔ فی الحال میاں نظام الدین پاک پٹن تھے ہیں شہ  
بہاول پر ابھی جا رہے تھے۔

خاندان نذر خان شیخ عظیم اللہ جان آبادی اپنے زمانے کے بہت بڑے اور مشہور اہل اللہ تھے۔  
ان کا مقبرہ لال قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان میدان میں ہے۔ بادشاہی کے زمانے میں مقبرہ  
کے آس پاس ایک اچھا گاؤں آباد تھا جس میں شیخ مرحوم کی اولاد رہتی تھی۔ اسی خاندان میں لانا  
نور الدین رحمت اللہ علیہ مرید تھے جن کے پوتے شیخ نصیر الدین عرف کالے میاں تھے۔ کالے میاں  
بہادر شاہ کے پیر تھے۔ میرزا بہیم علی خاں سولتی نے شیخ عظیم اللہ رحمت اللہ کی کتابیں اور قطب الدین

ابن مولانا غفر الدین کے حالات طلب کیے تھے۔ غالب لکھتے ہیں :-

خداوند فرشت کیا تم وہی کرتا باور قلم کو سر اور سلطنت کو ہر دستہ شہنشاہ کا  
کلام و روحا جزوہ قطب الدین ابن مولانا غفر الدین عبد اللہ کا حال پر چھتے ہو۔ میں فقیر  
کا قورقورہ کا قورقورہ صاحب ہر دو و صاحب ہر دو بادشاہ کے دستہ تک یہ باتیں نہیں خود  
میں اس کے صاحب بخیر کا گھر اس طرح تھا کہ جیسے چھانڈو بھیجی کا خدا کا پرنہ اسٹون  
کا تار ٹھیکہ کا بال باقی درنا شیخ عظیم الشان آبادی کا مقبرہ اُڑ گیا۔ ایک بچے کا نور کی  
آبادی تھی۔ ان کی اولاد کے لوگ تمام اس موضع میں سکونت پذیر تھے۔ اب ایک ٹنگل ہے  
اور میدان میں قبر اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہاں کے سنے والے اگر گولی سے بچے ہو گئے  
تو خدا ہی جانتا ہر گناہ کا کیا ہے۔ ان کے پاس شیخ کا کلام بھی تھا کہ تیرہ بات بھی تھے  
اب جب وہ لوگ ہی نہیں اس سے پوچھوں کیا کہیں سے یہ معاملہ نہ ہو گا۔

حاصل الدین عیسیٰ کے فرزند عبد اللہ ولد ممتاز الملک ذاب حسام الدین حیدر خاں بہادر حسام جنگ پٹی  
کے ایک بہت بڑے امیر تھے۔ منا گیا ہے کہ اس کا کھنڈ کی طرف سے تھے لیکن وہی میں مستعد  
سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ بی بی باروں میں جہاں غالب رہتے تھے ان کی عظیم الشان عیسیٰ تھی  
ذوب صاحب شاعر بھی تھے۔ نامی شخص مسرہات تھے۔ ان کے ساتھ غالب کے رواج  
بہت گہرے تھے، انہوں نے ۱۰۳۳ھ میں وفات پائی۔ ان کے بیٹے معین الدولہ عتدۃ الامر  
صفیہ الملک سید ذوالفقار الدین حیدر نظامت خاں بہادر ذوالفقار جنگ جو حسین مرزا کے نام  
سے مشہور ہیں غالب کے گہرے دوست تھے حسین میرزا آقا حیدر میرزا ناظر بہادر شاہ کے اماں  
تھے اور ناظر صاحب کی وفات کے بعد نظامت کا کام حسین میرزا ہی کے حوالے ہوا تھا۔ غدر  
میں ان پر جو فتنہ نازل ہوئی اس کی کیفیت "مستنبط" کے حوالے سے اوپر بیان ہو چکی ہے۔  
یعنی وہ اور ان کے بھائی مظفر الدولہ سیف الدین حیدر خاں اپنے اہل و عیال کو لے کر شہر سے

نقل تھے۔ ان کا مکان بے طرح ڈال گیا۔ اس کے بعد مکان کو آگ لگا دی غنی منظر الدولہ اور کچھ آئے اور گورنمنٹ میں گولی مار کر شہید کر دیئے گئے حسین میرزا بھلا سے سراسیمہ حال بھر رہے تھے۔ اسی آٹنا میں قاتل کو اطلاع ملی کہ وہ جبار ہو گئے ہیں۔ نکلے تھے۔

حسین میرزا صاحب کیوں جبار ہوئے۔ خدا یا ان آوارگان وشت طربت کو جمعیت فریب دیا ہے غایت کر مگر تصدیق مرتضیٰ علی کا تندرست رکھ، اللہ اللہ حسین میرزا کی ڈانگ سنبھال گئی۔ وہ شدت غم و بچ کی غویاں ہیں۔

حسین میرزا کی ادا و ایک وقت تھا کہ قاتل حسین میرزا کے والد کی وساطت سے قرض لیتے تھے لیکن جب حسین میرزا پر قاتلات و مصائب کا سیلاب آیا اور وہ بچا ہے پیسے کو کھینچ ہو گئے تو قاتل حصول قرض کے لئے حسین میرزا کے متوکل بنے ایک خط میں وہ حسین میرزا کو لکھتے ہیں۔

ابھی جتنی دل نسا مارا قرضہ آ یا تھا رہنما مال پہنچا تھا۔ کچھ بھوٹ کر کراس کو مارا پرلا یا ہوں۔ کہ سو دو سو روپیہ تم کو بچا دیے۔ جنہوں کی طرح تقریر اس کو کھانی سے کلاہ جس وقت کچھ لکھا نا منظور ہو گیا ہے اس کی پانی دیتے ہیں حسین میرزا قاتل کیست ہیں پانی دو تو نالغ پیدا ہو۔ بھائی کچھ قدم جو ہے قاتل سے مکان کا پتہ لکھوا کر گیا ہے اور کہ گیا ہے کہیں اسے پتہ بیٹے راہی داس سے صلح کر کے جو بات ضرور ملی آپ سے اگر کہوں گا۔ اگر وہ روپیہ بچا دے تو کیا کہنا ہے۔ اور اگر وہ خالی لکھے اصرام کا جواب لکھو تو یہ ضرور لکھنا کہ مسداشت نے جو رقم سے کہا ہے وہ بچا ہے۔ اور وہ امر علی میں آئے والد ہے

یوسف میرزا فاضل سام الدین حیدر خاں کے نوادے اور منظر الدولہ سیف الدین حیدر خاں اور فاضل الدولہ حسین میرزا جن کو قاتل بعض اوقات ناظر بھی لکھتے ہیں کے بھائی تھے۔ یوسف میرزا نے قاتل صاحب کے عالم میں اپنے ناما ثانی کی خوشحالی کے زمانے کا ذکر کیا تھا

## غائب نہیں لکھتے ہیں

۱۹۷۰ء کی دہائی کے مرتے کا ذکر کیوں کرتے ہو وہ اپنی اہل سے مرتے ہیں بدلتوں کا مرتا  
 جی آدھ کی میزٹ ہے۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ اس عہد میں ہوتے اور اپنی کہو نکھر؟  
 ان خلفاء و در کاظم بخیر و اخلاصات کر جائے سٹے ہے یہ دغ نامہ جیتے ہی دے گا۔  
 جو ہم بچ و ہم پر سرفراز مرزا کی کو لکھتے ہیں :-

میرزا مال سومے میرے خدا و در خداوند کے کوئی نہیں جانتا۔ وہی کثرت غم سے مرنے  
 ہو جاتے ہیں۔ مثل جانی دہی ہے۔ اگر اس جو ہم غم میں میری قوت متکبر میں فرق آگیا ہے  
 تو کیا لب ہے۔ بلکہ اس کا دورہ کرنا غصے ہے۔ جو ہم کو کیا غم ہے؟ غم مرگ، غم فراق، غم تنہا  
 غم عزت، غم مرگ میں، غم نامہ مبارک سے قطع نظر کے بل شکر گشتا ہوں۔ غم خداوند میرزا صاحب  
 میرزا عاشر بیگ میرزا بھائی اس کا بیٹا احمد مرزا نہیں ہیں کا بچہ، مصطفیٰ خاں، ابن عظمیٰ احمد  
 اس کے دو بیٹے دے تھے خاں اور مرتضیٰ خاں۔ تھائی فیض اللہ کیا میں ان کو اپنے عزیزوں  
 کے برابر میں جانتا تھا؟ اسے کو بھول گیا حکیم رضی اللہ عنہ خاں میرزا حسین علیش۔ اللہ اللہ  
 ان کو کہاں سے لائوں؟ غم فراق حسین مرزا ابو سرفراز، میرزا محمدی میرزا فرحان، میرزا حسین  
 خدا کی کو میں رکھے گا۔ ہاں یہ ہوتا کہ جاں ہوتے فروش ہوتے۔ شکران کے بے چارے وہ خود  
 سجاد و اکبر کے حال کا جب تصور کرتا ہوں بھیجا نکلتے نکلتے ہوتا ہے کہ ہر کوئی، میرزا  
 سکتا ہے۔ مگر میں ہی کو گروہ کر کے کتا ہوں کتا ان امراء کے غم میں اور دیکھو کہ فراق  
 عالم میری نظریں تیرا ہوتا ہے..... یہاں افغیہ دار کے دولا و ازواج بھیج کر مانگتے  
 پھر میں ادب میں دیکھوں!

پہلی ہندوی حسین مرزا نے ایک موقع پر پریشان ہو کر لکھا تھا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔  
 اس پر غائب یوسف مرزا کو لکھتے ہیں :-

تمہارے اموں (حسین مرزا) کی دستخطی تحریر ہے جو میرزا مال کیا ہے۔ وہ کس زبان سے

کہوں۔ سب سے حسین مرزا اور یہ کہے کریں کہاں جاؤں اور کیا کرلی اور کچھ کھت سے  
اس کا سر انجام دہرے کے بہت بڑا مسوختا اور سرکار کی خدمت نہ سہی۔ عمدہ دہسی، مثلاً  
دہسی سوڈیجہ سود پیر و ساہنہ غور ہو جائیگا شکل تھا دتی کے آدمی خضر شاہ مراد شاہی  
شہر میں بنام اتنے جس کو لوگ ان کے سامنے سے بھاگتے ہیں۔ مرثدا آبادی ایک سو  
تھی حیدر آباد بہت بڑا گھر ہے گھر کے ذریعہ دو واسطہ کیوں کر جائے، وہ جگہ تو کس سے۔

ناچار دیں ہر کسی طرح شاہ اور وہ کا سامنا ہو جائے۔

آخری فقرے سے معلوم ہوتا ہے کہ حسین مرزا کھلتے گئے ہوئے تھے اور وہاں عبدالعلی شاہ  
کے اہل کوشش کر رہے تھے۔ غالباً اس بنا پر کہ حسین مرزا کے والد لکھنؤ کے تھے۔

فتح آباد کی ریاست ضبط اللہ کے بعد فتح آباد کی ریاست بھی ضبط ہو گئی تھی اور تفضل حسین خاں مالی  
فتح آباد کی جان بخشی اس شرط پر ہوئی تھی کہ وہ ہندوستان سے باہر چلے جائیں چنانچہ وہ  
ہندوستان سے ہجرت کر کے عرب چلے گئے۔ غالب ایک خط میں لکھتے ہیں:-

جو کہ رشاد آٹا ہے جزیرہ نشینوں کے حال پر دینی آذبان کے قیدیوں پر ہمارا اور

خس فتح آباد پر خضر شاہ کا جائے، تاکہ سرزمین عرب پر چھوڑ دوں، انا اللہ

پڑے گرجا، تو کوئی نہ ہو تیار دارا

اور اگر مر جائے تو نہ طوں کوئی نہ ہو

عام تہی | ایک اور مکتوب میں عام تباہ حالی کا نقشہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:-

امریچ، اسلام میں سے اموات گنو جن ملی خاں ہٹے باب کا بیتا، سرور ہے، سرور کا پڑا

سرور ہے جیسے کارور نہیزہ میں گنا مراد نہ مر گیا میرزا مرالدین باب کی طرح پیر نہ وہ، انا

اور تاقی کی طرح ایسے وہ مظلوم، مالکیا، تاسطوان، بخشی عمر ملی خاں کا بیٹا جو غریبی بخشی ہر

سے بیچارہ، زور و زور، انعام کار مر گیا، مر رہے چھا، اب ضیا الدین احمد خاں کی سرکار کے

طرح بخیر، کا کا، مران ملی کا است بڑا خاندان تھا۔





کے رہتے ہیں۔

عالمِ خیریتوں | اولیٰ میں اندر کے بعد عالمِ سختیوں کا دور شروع ہو گیا تھا کہ کسی کو بے انصافی کی تلافی کی توقع نہ رہی تھی۔ غائب حسین مرزا کو لکھتے ہیں :-

تم اب تک مجھے نہیں کہ حکام کیا کہتے ہیں اور دیکھی بھڑگے جو حکام کہہ رہے ہیں وہ احکامِ قضا و قدر ہیں۔ ان کا کوئی مداخلہ نہیں۔

ایک اعلیٰ نائب نے انگریز حکام کی بے خبری اور ناواقفیت احوالِ الٰہی ہند کے متعلق ایک عجیب لطیف لکھا ہے جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اندر کے مجدد جن لوگوں کو سزائیں دی گئیں یا جن کی جائیداد ضبط کی گئیں ان کے مفروضہ یا حقیقی جرائم کا امتحان کرنے والے اور ان پر حکم نکالنے والے لوگ کیسے تھے۔ دہلی کے آدمیوں میں ایک حافظ محمد بخش تھے جو حافظوں کے نام سے مشہور تھے۔ وہ بھی غلامی میں پکڑے گئے لیکن بے گناہ ثابت ہو کر اپنی پانچویں بھینٹوں نے اہلک کی واکِ شت کے لئے دروازہ کھولا۔ ان کا قبضہ صرف ثابت تھا۔ صرف حکم کی ویرانی لیکن جب مقدمہ پیش ہوا تو مسئلہ اتنی تو

حاکم نے پوچھا حافظ محمد بخش کون؟ عرض کیا کہ میں ابھرو چھا کا حافظوں کون؟ عرض کیا کہ میں اہل نام میر محمد بخش ہے۔ تمہوں تمہوں مشہور ہوں۔ دصاحب نے فرمایا کچھ بات نہیں۔ حافظ محمد بخش ہیں تم۔ اور حافظوں میں غم۔ مسلمانانِ الٰہی تم جو دنیا میں ہے وہ بھی تم۔ ہر مکان کس کو دیں۔ سب دہل و دزد ہوتی۔ مہاں میں اپنے گھر چلے گئے۔

جامع مسجد | اندر کے بعد جامع مسجد بھی سرکاری قبضے میں چلی گئی تھی۔ شاید اس وجہ سے کہ مشہور انگریزوں کے حملے کے وقت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے جامع مسجد سے نکل کر حملہ کیا تھا اور انگریزی فوج کو مار مار کر پیچھا دیا تھا۔ یا اس وجہ سے کہ انگریزوں کے دل میں خیال تھا تھا کہ مسجد مسلمانوں کے لئے چاروں کی خاص و غلط تھا۔ ہے۔ یہ ہر حال بعض انگریزوں نے تجویز پیش کی تھی کہ مسجد کو گر جانا یا اسے مسلمانوں کو شیشیں کر رہے تھے کہ مسجد و انگریزوں کی جان

غالب ایک کتب میں سیاح کو لکھتے ہیں :-

مسجد جامع کے باہر میں کچھ کچھ پیشینہ جو سے آتی ہیں۔ نہیں ہے کہ وہ اگر آری کا حکم آئے اور وہ مسلمانوں کو مل جائے غنیمت نہ دستور پر وہ غنیمت ہے اور کوئی جاننے نہیں پاتا۔

اس خط پر دن اور تاریخ مریخ ہے یعنی صبح شنبہ ۲ فروری قعدہ دہسٹی مائٹ سال مریخ نہیں نیز اسی خط میں سیاح کو سورت پہنچنے پر جبار کسا دوی گئی ہے۔ غالب کے مختلف چھاپے سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاح جون ۱۸۶۳ء میں لکھنؤ میں تھے۔ دسمبر ۱۸۶۳ء میں بنارس میں اکثر پڑھنے اور نوپڑھنے میں وہ کلکتہ میں نظر آتے ہیں۔ ۱۹ دسمبر ۱۸۶۳ء کے ایک خط سے واضح ہوتا ہے کہ سیاح سورت میں غالب میر غلام بابا خاں کے پاس تھے۔ میر خاں ہے کہ اوپر کا خط مئی ۱۸۶۳ء کا مرقوم ہے۔ اگر باخدا سے پانچ برس بعد تک مسجد جامع پر سرکاری قبضہ تھا۔ دسمبر ۱۸۶۳ء کے ایک کتب میں میر سعدی جفری کو لکھتے ہیں :-

مسجد جامع و انزشت ہر گئی چلی بڑی طرف بیڑیوں پر کہا میں نے دکھائی چلیا  
انڈیا، مری کھوت کچنے ۵۔ دس آدمی اسٹیم جہاز سے مرزا علی بخش بھولی مسند الدین تغیر حسین کا  
جن یہ سات اور

شہر کی بربادی [خاضی عبدالغیل بریلوی نے اسی نامے میں غالب کے نثر و نظم کے مجموعے مانگے تھے۔  
جواب میں غالب فرماتے ہیں :-

یہ شہر بہت لامت زورہ ہے، دہلی اس باقی دیکھو کتاب فروشن سے کہ دوں گا اگر  
میری نظم و شعر کے رسالوں میں سے کوئی رسالہ ملے گا تو وہ ملے کہ بخت میں بھیج دیا جائے گا  
اگر ہزار و ہزار غالب کی تصانیف سے اور بھی کئی مرقع ہیں لیکن وہ غالب کی فیشن کی بندش کے  
بیان میں نہیں ہوں گے۔

ترجمہ حسن موافق یہ کہنگے جسد ملی پہ پہ سے بچے تیرا ناز فی میں چٹا ایک جہم پیدل گیا ایک ترچہ سالی



وفات کی پیشگوئی غائبانے اپنے متعلق پیشگوئی کر چکی تھی کہ وہ پچھترہ سال میں مر جائیں گے۔ بلکہ ایک قلعہ تاریخ بھی خود ہی مرتب کر دیا تھا۔

من کہ ہاشم کو جاوداں ہاشم ہوں نظیری زمانہ و غائب مرد

وہ چہ پسند و رکد میں سال مرد غائب بگو کہ غائب مرد

لیکن یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔ اور وہ بیچ رسے اسی سال بیٹھنے کی وجہ پھر فی حق غائب

کو اپنی پیشگوئی کے خلاف نہ مرنے کا ایک دلچسپ مذاکرہ آگیا۔ میرمدی جہان مکتے ہیں۔

میان خشتل بات لعل لعلی۔ گویا نئے طبع میں مناسبے تاقی و جھاو تھی اس میں بری کسر

شان تھی۔ بعد رخ و فنا جو اہمیت نہا کھینا جانے کا۔

ایک جگہ فرماتے ہیں کہ پچھترہ سال میں نہ مرنے کا مصروف میری نگاہ کے واسطے تھا اسی لئے میں

صاحب عالم ہارہ دی نے غائب کی مع میں چند اشعار کہ کر رکھے تھے۔ ان میں جو اب میں لکھتے ہیں جہان عالم میں صرف اس لئے جیتا بکا کہ آپ کی حج کی سعادت غلطی سے بہرہ اندوز نہ ہو سکوں۔

غائب کا قلعہ اونی پرانگریزوں کے دوبارہ قابض ہونے کے بعد شری جو حالت ہوئی تھی، اس کا نقشہ

غائب نے چند اشعار میں بھی کھینچا تھا لیکن یہ اشعار ان کے مطبوعہ اردو ویران میں شامل نہ ہو سکے۔ البتہ

نسخہ میرد میں اردوئے سننے سے لکھ کر شامل کرائے گئے ہیں۔ چونکہ یہ اشعار غائب کے دوسرے کام کے تحت

عالم شاعت نہیں پائے گئے اس لئے میں انہیں یہاں جمع کرتا ہوں۔

بس کہ قتال امید ہے آج ہر شمشیر چھٹتاں کا

گھر سے باہر میں نکلتے چرے نہرو ہوتا ہے آب انہیں کا

چوک جس کو کہیں وہ قتل ہے گھر نہ بننا ہے زنداں کا

شروٹی کا فترہ فترہ خاک تشہ خوں ہے ہر سماں کا

کوئی دامن سے نہ سکے یاں آدمی دامن نہ پاسکے یاں کا

میں نے ہانک کر گئے پھر کیا وہی سفاقت و دل و جاں کا  
 گام چل کر کیا کہئے شکوہ سوزش و افسوس نہاں کا  
 گام رو کر کہا کہئے ہنس ماجرا دیدہ ٹائے گریاں کا  
 اس طرح کے وصال سے غائب  
 کہا مٹے دل سے طغ بھڑاں کا

نذر کے سلسلے میں غائب کے ماتم و وفاداری کی یہ داستان غم بھری داستانیں کسی تجربہ  
 کی خلق نہیں۔ اس داستان کا ایک حصہ بھی باقی ہے جو غائب کی نشین کی بندش سے تعلق  
 رکھتا ہے۔ اسے تاریک کرام آئندہ باب میں ملاحظہ فرمائیں گے لیکن دوبارہ یہ عرض کو پنا  
 ضروری ہے کہ غائب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ ان کے تاثرات کا نہایت صحیح معنی ہے انہوں نے  
 انگریزوں کی بے جا خوشامد نہیں کی، اور ان کی خاطر کسی سختی یا شدت کی پردہ پوشی نہیں کی۔  
 جہاں انہوں نے کالوں کی تختیوں اور وارڈکستوں کی مذمت کی وہاں گوروں کی  
 زیادتیوں کو بھی صحافی اور وضاحت کے ساتھ بیان کرنے میں تامل نہیں کیا۔ غنہ کی  
 وجہ سے دہلی پر جو آفتیں اور مصیبتیں نازل ہوئیں۔ وہ اوپر کے نو پنجکاں معنی میں تفصیل کے ساتھ  
 بیان ہو چکی ہیں۔ جہاں بے گناہ انگریزوں کا مخصوص بچوں اور عورتوں کا قتل غائب کے لئے  
 اذیت افزا تھا وہاں اکابر و رؤسا و عوام دہلی کی برباد پوائی پادشاہی خاندان کی غم نگیں  
 نے بھی انہیں بے طرح شہ پایا اور ان کے ساز و کار سے ایسے خون آلود قتلے پیدا کئے  
 جن کو سن کر کج بھی کوئی ذی احساس اور ذی تاثر انسان اشکباری سے غافل نہیں رہ سکتا  
 آخر میں آنا اور عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ غائب شاعر تھے کسی خاص گروہ  
 خاص جماعت اور خاص قوم کے شاعر نہ تھے بلکہ اپنے دل و دماغ اور اپنے تاثرات  
 و احساسات کی ہمہ گیری کے باعث کائنات و انسانیت کے شاعر تھے۔ یہ مزید شاعر  
 تھے۔ اور ان سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی تھی کہ وہ ایک مخصوص گروہ اور مخصوص جماعت

کے مخصوص تاثرات کی تابیریت قبول کریں۔ ان کی نظروں میں زیادتی اور تنجا و زعم الحدود  
 ہر حال میں بڑا تھا خواہ اس کے ترکیب ہندوستانی ہوئے تھے یا انگریزی۔ اور عالم نامہ قدس  
 کے ہر ورق پر غائب کی خصوصیت آشکارا نظر آ رہی ہے۔



# دسواں باب

## نیشن کے حصول کیلئے جمعی مفارشات

پر تہیہ ستم و بے برگ، خدا یا تا چند  
بچن شاو شرم کایں گمزدگان جن بہت

غائب کی دور و انگیز اقتصاد کی حالت کا متعین ملحدہ پیش کیا جا چکا ہے۔ ان کے مسائل بہت محدود تھے۔ اہد خنچہ اچھا خاصا امیروں کا تھا۔ غدر کے آغاز میں ان کی مستقل آمدنی کے دو ہی ذریعے تھے۔ اول غلہ کی تنخواہ جس کی مقدار پچاس روپے ماہانہ تھی۔ دوم غاندائی پن جو ساڑھے سات سو روپیہ سال یا ساڑھے باسٹھ روپے مہینہ تھی۔ یہ دونوں تنخواہیں غدر کے ساتھ ہی بند ہو گئی تھیں۔ پہلی اس لئے کہ غدر کے بعد غائب گھر سے غلے، ذائقہ سے کوئی سروکار رکھا۔ نہ اس ہنگامہ رانی میں کسی کو یہ خیال آ سکتا تھا کہ ایک غائبینشیں شاعر یا مورخ کے حاجیات باقاعدہ ادا ہونے چاہئیں جب غدر ختم ہوا تو وہ بسا اسی لٹ بچی تھی جس کے ساتھ غلہ کی تنخواہ وابستہ تھی۔ دوسری تنخواہ اس لئے بند ہوئی کہ وہ سرکارِ انگریز سے ملتی تھی اور انگریزوں کی حکومت دہلی سے اٹھ چکی تھی۔ غدر کے بعد غائب کو نیشنلینی چاہئے تھی لیکن ان پر باغیوں کی طرفداروں کا الزام عائد ہو گیا۔ اپریل ۱۹۴۷ء کی پرنسپل منی کی پہلی یا دوسری تاریخ کو ملی ہوگی غائب وصول کر چکے تھے۔ اسی ہی کو غدر ہو گیا۔ اس وقت سے لے کر اپریل ۱۹۴۷ء تک پورے تین برس غائب اس سے محروم رہے۔ نئی سرکار نے تین برس کا روپیہ کمٹا لائے نیشن کے ساتھ خلعت دو بار بھی بند ہو گئے تھے ان کی بجائی میں مزید دو برس صرف ہوئے۔



غائب کی نگیم صاحبہ نے اپنا زیور اور دوسری قیمتی چیزیں غائب کے مشورہ کئے بغیر اپنے  
 صاحب کے مکان کے تہ خانہ میں رکھوا دی تھیں۔ وہ انگریزی سپاہ کی غارت گری کی نذر ہو گئیں  
 کپڑوں، یاد دوسری چیزوں میں سے جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ فروخت کر کے کھالیا۔  
 جولائی ۱۸۵۹ء میں نواب یوسف علی خاں مرحوم والی رام پور نے سو روپے ماٹہ کا قتل  
 وظیفہ منظور کروایا تھا لیکن غائب اس سے قبل ڈیڑھ برس کی مدت میں کافی قرضے چکے  
 تھے۔ رام پور کا وظیفہ ان کے احتیاجات کی وسعت کا کیا مقابلہ کر سکتا تھا۔

یوں تو غائب کی زندگی کا کوئی دور بھی کشائش، فراغت، بال اور اطمینان کا دور نہ  
 تھا لیکن غدر کے بعد کے تین سال ڈھی بی صیبت کے سال تھے فیض سے بھی زیادہ  
 غائب کو غفلت اور دربار کی بندش کا قلق تھا۔ جسے وہ اپنے ذاتی اعزاز اور خاندانی وجہات  
 کا زوال سمجھتے تھے۔ چنانچہ اس دور میں ان کے حکام قیام کا ساڑھ دو والہ بہ طور خاص و انگیز  
 غفلت سے لہر رہا۔

حاکم سے بھٹی | عدلیہ پہلے باغیوں کے ہاتھوں پھر انگریزی فوج کے ہاتھوں شہر پر محسوس  
 نازل ہوئی تھیں۔ ان سے غائب کے دل سخت چوٹ لگی تھی۔ اس وجہ سے انہوں نے  
 ابتدا میں انگریزی حکام کے ساتھ کوئی رابطہ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ ہر گواہ  
 نکتہ کو ۳۰ جنوری ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں رقم فرماتے ہیں :-

کسی حاکم سے نہیں ملا کسی کو غلام نہیں رکھا کسی سے درخواست عاقبت نہیں کی۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

مجھ کو دیکھو قاتل اور ہوں ذلیل۔ نہ بکڑ ہوں نہ تندرست۔ خوش ہوں نہ ناخوش۔ مدد  
 ہوں نہ زندہ رہنے جاتا ہوں باقیں کئے جاتا ہوں۔ دھڑی نہ نکلتا ہوں شراب گاہ گاہ  
 سچے جاتا ہوں مبراوت آئے گی مدد ہوں گا نہ ہو وہ دشکایت ہے جو تقریب ہے  
 برائیں حکایت ہے۔

نیشن کے لئے سلسلہ جنبانی جب سچ والہ میں باقاً خائے مرہ و زمان تخفیف جوئی اور احتیاجات نے جنگ کیا تو غالباً نیشن کے حصول کے لئے سلسلہ جنبانی شروع کر دی لیکن انہیں ہرگز سے ایسی نگرانی تھی میری صدی بروج کو لکھتے ہیں :-

دیکھا اس نیشن قدیم کا حال۔ میں تو اس سے اٹھ دھوئے بیٹھا ہوں۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ غالباً نیشن سے بھی بڑھ غفلت و دیباہ کا تعلق تھا بروج نے عاجز لکھا تھا کہ نیشن کے لئے گورنر جنرل کے پاس مداخلت کرنا چاہئے جو اب میں لکھتے ہیں :-

بے شکندہ کف من خاصہ وائی

سروست برا آتش ہے دود کیا تھی

میر صدی گج کا وقت ہے حال خوب پڑا ہے ناگھٹیں سامنے بھی ہوئی ہے دوروت لکھتا ہوں اٹھ تا پتا جا کہ میں آگ میں گر گئی تھیں۔ اُسے آتش سیال و شرب، کہاں کہ جب دوجہ پانی سے فرار آگ وہ میں دود لگتی۔ دل ترانا ہو گیا دماغ روشن ہو گیا نفس ناظم کو تو اب یہ سچا سچی کوڑا کا بندہ اور تشنہ آب اُسے غضب اُسے غضب۔

میاں تم نیشن نیشن کہہ رہے گورنر جنرل کہاں اور نیشن کہاں صاحب ڈیپٹی کمشنر صاحب بہادر تو اب غفلت گورنر بہادر عجیب ان تینوں سے جواب دیا ہو تو اس کا مداخلت گورنرٹ میں کروں۔ مجھے تو دربار غفلت کے لالچے پٹے ہوئے ہیں تم نیشن کا فکر ہے۔ ایک خط میں فرماتے ہیں :-

میرا دربار اور غفلت و دیباہ ہو گیا۔ نیشن کی توقع نہ دربار غفلت کی صورت نہ سزا نہ انعام نہ دسم عمر کی قدیم۔

دوسرے نیشن کے حالات | بسن دوسرے نیشن وادوں کے اور اپنے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

اسے کوئی دن ہوئے حیدر خاں گرفتار آیا ہے۔ ہاتھ میں پٹریاں۔ انھوں میں ہتھیار

حوالات میں ہے۔ دیکھئے حکم خیر کیا ہو..... جو کچھ ہوتا ہے ہر سو ہے گا۔ بخش کی مشورت کے موافق حکم چورسہ ہر دو کوئی قانون ہے نہ نامورہ۔ ذخیرہ کام آئے دفتر پیش جائے۔ مرتضیٰ خاں بن مرتضیٰ خاں کی چوری دوسو روپے کی پنشن کی منظوری کی پورٹ گئی اور ان کی بہنوں سوسو روپے مہینہ پانے والیوں کو حکم ہوا کہ چونکہ نہارے بھائی اجماع تھے قرار ہی پنشن ضبط۔ بطریق رحم اس دس روپے مہینہ تم کو ملے گا۔ تم ہم سے قوت حاصل کیا قرعہ گاہیں خود موجود ہوں اور حکام صدارت و شناسا پنشن نہیں دیکھ کر شکستہ ۳۰ برس کی پنشن! خراس کا بچہ تیرہ لاکھ ایک و پچھلوی گزشت اور ہر دلا ہے نہ ملے گا۔ بغیر احتمال ہے ملنے کا، علی کا بندہ ہوں اس کی قسم کبھی جھوٹ نہیں کہتا، اس وقت کھڑا اور وف کے پاس ایک دو پیسہ بات آئے باقی ہیں۔ بعد اس کے دیکھیں سے قرعہ کی امید ہے نہ کوئی جنس دہن و بیچ کے قابل۔

بخش کے لئے سہی کی مددوں | اب بخش کے لئے سہی کی مدد و ملاحظہ فرمائیے :-

رضی میری سرمدان لاریں چھب کشتہ برادر کو گوری میں پہنچا ہوا ہے کہ یہ رضی کو اپنے خیر برائی کو بھیج دی جاتے، اور دیکھا جاتے کہ معرفت صاحب کشتہ دہلی کے پیش کو اب سرشتہ دار کو لاؤم تھا کہ میرے نام موافق دستور کے خط لکھنا ہے نہ ہوا۔ وہ رضی حکم چرمی ہوتی میرے پاس آگئی ہیں نے خط صاحب کشتہ دہلی میں ساڈس کو لکھا، اور وہ رضی حکم چرمی ہوتی اس میں معرفت کر کے بھیج دی۔ صاحب کشتہ نے صاحب کشتہ کے پاس حکم چرمی کو بھیج کر اس کی پنشن کی کیفیت لکھ کر اب وہ مقدمہ صاحب کشتہ کے پاس آیا ہے ابھی صاحب کشتہ نے تمیل اس حکم کی نہیں کی۔ پرسوں تھان کے ان یہ دیکھا ہی آئی ہے۔ دیکھئے کچھ مجھ سے پوچھتے ہیں یا اپنے دفتر سے لکھ بھیجے ہیں۔ دفتر کدیں، اسے جروس کو دیکھیں گے۔

تجربہ کی جگہ برائیت کی طرف | غائب و متنبہ کے چھوڑنے میں بھی اسی غرض سے جملت کی جلی کر

کتاب کے ذریعہ سے حکام کے ساتھ قہر پوروں کی معقول صورت پیدا ہو جائے چوہدری علی بخش غفور خاں مسرور ماہروی کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

راہ و رسم مراسلت حکام عالی مقام سے بہ دستہ جاری ہو گئی ہے۔ غائب نشست گزشتہ ہمارے غائب و شمال ڈاگرہ قادیانہ کو خوش و شنبو بہ سبیل ڈاک بھیجا تھا جن کے خط کا بھی خوشتر حسین بہت وقبول صلیق و اداوت و مروت بہ سبیل ڈاک آگیا۔ پھر قصیدہ ہمارے نصیحت و موعظ بھیجا گیا۔ اس کی رسید آگئی وہی خاں صاحب بیلہ ربربان و دوستانہ القاب اور کاغذات فی المناہج ایک قصیدہ مابین شگہری صاحب نشست گزشتہ ہمارے قادیانہ کی طرح میں ملاحظہ فرمائیے ہمارے بی گیا اس کے جواب میں بھی خوشنودی نامہ بہ توسط کشنریہ لکھ کر آگیا جنہیں بھی تکبیر و خوشی ملی۔ جب سے گی حضرت کو اطلاع کر دی جائے گی۔

ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ شہر کے کو قوال سے قاتل کے متعلق کیفیت طلب کی گئی تھی فرماتے ہیں :-

پٹن کی صورت یہ ہے کہ کو قوال سے کیفیت طلب ہوئی اس نے اچھی لکھی۔  
 غرض اتفاقاً غائب بڑے خوش اتفاقہ تھے صاحب نے بلا لیا ہے۔ اذنان میں گنگو کی اور غائب کو یقین ہو گیا کہ اب پٹن ملنے والی ہے۔

چنتے کے دن ساتویں گشت بڑے اعلیٰ ہو کر اجڑن صاحب ہمارے بلا با کچھ سال سوال لکھ کے گئے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تفرامنے اور جلد سے۔ تندر اگر ہے تو ہی میں ہے کہ پندرہ مہینے پہلے بھی ملتے ہیں یا صرف آئندہ کہ مقرر ہوئی ہے۔

حالانکہ اس کے بعد بھی پٹن کے حصول میں کم و بیش پورے دو برس صرف ہوئے۔  
 و متنبہ کے مختلف مسخے مختلف حکام کے پاس پہنچے اور رسیدیں آنے لگیں تو پھر غائب کی کشت امید میں آبیاری کا سامان ہوا۔ اوائل مارچ ۱۸۵۷ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-  
 صاحب کشنریہ و دہلی بہن جناب سائڈز صاحب ہمارے لکھ کر بلا یا پٹن پہنچے۔

کریں گیا صاحب شکار کو سوار ہو گئے تھے میں اس پر آیا جس پر ۲۰ روزہ سی کر گیا ملاقات ہوئی، کرسی دی، بیکچریش مزاج کے ایک خطا گمری چارویق کا آٹھا کر پڑھتے رہے۔ جب چارویق کے قریب سے گیا کہ یہ خط ہے حاکم الکر صدورڈ پنجاب کا تھا اسے باب میں لکھتے ہیں ان کا حال و ربا بت کر کے لکھو، سوچم تم سے پوچھتے ہیں کہ تم لکھنے غلط کیا، اچھے ہر حقیقت کہی گئی۔ ایک کا خدا آمد ولایت سے کیا تھا، وہ پڑھا دیا پھر دجھا تم نے کتاب کیسی لکھی ہے۔ اس کی حقیقت بیان کی۔ کہا ایک کتاب سیکرڈ سائنس دیکھنے کو مانگی ہے۔ اور ایک ہم کو دو میں نے عرض کیا کل حاضر کروں گا پھر پرنٹنگال پوچھا وہ گن رٹ کیا، اپنے گھر آیا اور خوش آیا۔

میں اس کا مہر عرض کیا جا چکا ہے۔ خوش اتفاقاً وہی کی بنا پر غائب نے اپنی ہتھکڑیاں کو نئی خوشگوار نمیدوں کا بیٹھنا بنایا فرما رہے ہیں۔

دیکھو میرمدی حاکم پنجاب کو متعدد ولایت کی کیا خبر کتابوں سے کیا، ملوں خوشی پرش سے کیا دعا۔ یہ ہتھکڑیاں ہم کو روز جزاں بیاور ہو رہی ہیں، اور بہت خدمت فرمائی ہوگی۔

ان کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کتابیں لے کر گئے لیکن سائنڈرس صاحب باہر چلے گئے اور جاتے ہوئے کہہ گئے کہ کتابیں ان کے ناشی کے حوالے کر دی جائیں، ایک دن کے وقفے کے بعد غائب پھر ملاقات کے لئے گئے، سائنڈرس صاحب نے بہت التفات سے باتیں کیں۔ غائب نے گورنروں کے سرٹیفیکیٹ دکھائے، سیکرڈ سائنڈرس صاحب کے نام ایک خط لکھ لے گئے تھے۔ وہ سائنڈرس صاحب کو دیا کہ دستخط کے ساتھ سیکرڈ سائنڈرس صاحب کی خدمت میں بھیج دیا جائے۔ پھر خوش کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جرنل صاحب کے ملو اس کو دیکھا آخری حصہ غائب کی خوش اتفاقاً وہی کا ایک اور دیکھ پرتع ہے یعنی وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ بس تمام مراحل طے ہو چکے ہیں۔ تمام شخصیں مہینہ میں ختم ہو چکی ہیں، صبر ثبات کی آزمائش ہو چکی ہے

یہ بھی نہیں کہتے کہ ٹیشن ملنے والی ہے۔ بلکہ اس انداز میں ٹیشن کا ذکر فرماتے ہیں کہ گویا سارا روپیہ ان کی جیب میں پہنچ چکا ہے۔

دیکھو سید میر محمدی، اسے شاذ غالب علیہ السلام کی مدد کو کہ اپنے غلام کو کس طرح بھاپا، باتیں سمیٹے، ایک ابتدا دینی حضرت علیؑ سے لے کر اور خرفہ زور سے حضرت علیؑ تک، بعد کا پیا سا بھی مارنے دیا۔ پھر کس حکم سے کہ وہ قیامت کی عظمت و جلال سے ہرے تعلق کا حکم بھولا یا حکام سے بھلا کر عزت و توانی میرے صبر و ثبات کی داد ملی، صبر و ثبات بھی اسی کا ثبوت ہوا تھا میں کیا اپنے ہاتھ گھر سے لایا تھا

لیکن اس کے بعد بھی غائب نہ تھی، عسرت اور فاقہ مستی کے کمر و پیش چوہہ میں سے گزرنے والے تھے۔

افسوس کہ حالات کی خبر اس زمانے میں غائب مختلف افسروں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بہت مضطرب رہتے تھے۔ غالباً اس خیال سے کہ شاید کوئی ایسا افسر آجائے جو ان کا شناسا ہو اور حکومت میں ان کے تعلق کوئی اچھی رپورٹ پیش کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ چنانچہ ان کے حکام میں مختلف دوستوں سے مختلف افسروں کے تعلق جانچا استفسارات ملے ہیں مثلاً منشی شہباز ان کو لکھتے ہیں:-

وہ میرزا خاں جو قلم نے تیر کو بھیجا تھا اس میں ایڈمنسٹریٹو صاحب کے نصیحت ہونے کی اور بہت جلد اگر آئے گی خبر منشی منشی جہاں تیر کو کئی باتیں پہنچتی ہیں ایک تیر کو چیف سکریٹری گورنر جنرل کے تھے جب یہ نصیحت گورنر ہوتے تو اب چیف سکریٹری کون ہوگا یقین ہے کہ ولیم میر صاحب اس وعدے پر اصرار ہوں جس گورنر منشی ہے تو ان کے حکام میں چیف سکریٹری کون ہوگا۔ دوسری یہ کہ منشی ان کے تو دہی منشی غلام نوٹ خاں ہیں۔ تیسری یہ کہ گورنر جنرل کے فارسی دفتر کے منشی ایک بزرگ تھے بلکہ کم کے رہتے تھے۔

۱۵۔ سر جان فریڈرک ایڈمنسٹریٹو صاحب سے کہہ کر ۲۴ زوری ۱۸۵۸ء تک صوبہ جات میں شاذ غالب کی خدمت گورنر

منشی سید جان خاں، یا اب بھی وہی ہیں یا ان کی جگہ کوئی اور صاحب ہیں۔ ان سب  
باتوں میں سے جو آپ کو معلوم ہوں وہ اور جو نہ معلوم ہوں ان کو معلوم کر کے خبر کر لیں  
اور بعد لکھیں اور ضرور لکھیں۔

ایک خط میں خواجہ غلام غوث خاں شیخ پور سے اس قسم کے متعدد ہتھیارات کئے ہیں مثلاً  
گورنر جنرل کا چیف سکریٹری ڈیڈ منشن کی جگہ کون ہوا، لفٹنٹ گورنر کے سکریٹری کا کام کس کے  
حوالے کیا گیا، گورنر جنرل کا وعدہ کب شروع ہو گا؟

دستبرداری رسیدوں پر غوثی غائب و متنبو کے نسخے یا بجایا بھیجے جاتے تھے اور جہاں سے رسید  
آتی تھی خوش ہو جاتے تھے۔ جہاں سے کوئی اطلاع نہیں ملتی تھی پڑمروہ ہو جاتے تھے۔  
خواجہ غلام غوث خاں شیخ پور نے اطلاع دی تھی کہ لفٹنٹ گورنر کے نام جو پارسل بھیجا تھا وہ  
مل گیا۔ اس پر خوش ہو کے لکھتے ہیں:-

اس نامہ مقرر نے وہ کیا جو پارسل پرکشت مشک سے کرے یعنی خطا و پارسل کو پہنچا تا  
ہو نہیں اس سے خرم و کرم کی صفائی کا سا سکڑا رہا ہوں۔ یہ تو حضرت کو نیکو دیکھا ہوں کہ  
دوسرا پارسل اور غلام خاں اس خط کے ساتھ بھیجا گیا۔ اور جو گوہ توقع کا خیال اسی پارسل پر ہے۔  
میں دانتوں کو اس خط میں حاکم اعظم کے نام عرضی مغفوت ہے۔ ہاں تیار ہوں کہ غلام ایک  
ٹوک ایک دو دن پارسل دونوں لفافے ایک دن پہنچے ہوں گے مگر ان میں ہوتا اور  
کتاب ہے کہ دونوں کا جب تک حضرت اس سررشتے سے معلوم کر کے دیکھیں.....

ایڈمنٹن صاحب گورنر جنرل کو لکھ کر آگئے تو خائبہ نہیں ہوئی و متنبو بھی سب سے گوری کی  
تنبیت میں ایک غلامی قصیدہ بھیجا۔ ان کی طرف سے جواب میں ایک غلامی خطا یا جو کتاب  
کی رسید و نظم کی تحسین پر مشتمل تھا بعد ازاں خائبہ نے پنجاب کے لفٹنٹ گورنر کو رٹ منگری کو بھی  
ایک قصیدہ مشعل تبریکیت و صبح بھیجا لیکن فرماتے ہیں کہ

پنشن کے باب میں ابھی کچھ حکم نہیں اسباب قرض فراہم ہوتے جاتے ہیں اور یہ چیز درست نہ  
 لانچ کھانا ہی نہیں ہوں اور سیرگشت دن کو اور پانچ ہزار روپے مہلت کوٹھ جاتی ہے۔  
 حکام دہلی کی مخالفت پر اس مضمون پر اس کے سروسٹ نظم و نسق سے غائب کی غرض میں ابھی  
 مہرورٹ نہیں ہوئی تھی بلکہ کھانیاں تھا کہ وہ پنشن کے تحت نہیں لیکن صدر کے حکام نے پنشن  
 کی منظوری دے دی۔ تاہم اب غور فرماتے ہیں :-

گورنمنٹ نے برخلاف یہاں کے حکام کی رائے کے بری پنشن کے اجراء حکم نہ دیا۔  
 ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

میرزا اور گورنمنٹ نے اپنا کر اسٹ اسٹیشن ہے ان سپروں کا اٹھانا علیحدہ علیحدہ حکام  
 شہر گورنمنٹ کے کچھ نہیں گورنمنٹ پائے تاکہ حق نہیں ماحکم صدر گورنمنٹ دلائے اور پورا دلائے۔  
 گورنمنٹ کا حکم | ۱۸۵۵ء کے ایک کتب میں فرماتے ہیں :-

غائب گورنمنٹ بنا دینے ماحکم غائب کو حکام دہلی سے غائب شخص کی پنشن کے چھ  
 ہونے روپے کے ایک مہلت پائے کی اور آئندہ ۱۸۵۵ء مہلت کی پورٹ منگوا کر اپنی  
 منظوری لکھ کر تارے پاس بھیج دو۔ تاکہ حکم منظوری دے کر تارے پاس بھیج دیں سو گیا  
 اس کی قبل :- طرز میں سب ہوگی کم و بیش دو بیسے میں سب روپیہ مل جائے گا

موضوع | جن جن لوگوں کے لئے پنشنوں کی منظوریاں ہو چکی تھیں یا جن کے حق میں ابھی درخواستیں  
 تھیں اور توقع تھی کہ انہیں ضرور پنشنیں مل جائیں گی انہیں ساری چڑی ہوئی رقمیں ملنے  
 سے قبل ۱۸۵۵ء میں قریباً ایک ایک سال کی رقمیں ایک مہلت علی الحساب مل گئی تھیں غائب  
 فروری ۱۸۵۵ء کے خط میں لکھتے ہیں :-

علی گڑھ میں اس سروسٹ کے لئے ہیں۔ بائیس بیسے کے (۱۸۵۵ء) کے مہلت  
 گیارہ سو روپے تھے ہیں۔ ان کو چھ سو روپے مل گئے تھے باقی کو چھ سو روپے ملنے میں کچھ کم ہیں۔  
 غلام من غائب سو روپے بیسے کا پنشن دار بائیس بیسے کے بائیس سو روپے ہیں۔ اس کو بائیس



ہے۔ ویران کشن لال کا ٹیڑھا سورو پیہ عینہ بانہیں مینے کے تین ہزار تین سو سو تھے جس  
اس کو اٹھارہ سورو سو پچھٹے سنا بھداروں دو پچھٹے کا سکھ لبر سال بھر کے ایک سو  
میں روپے لے آیا اس طرح پندرہ سولہ آدمیوں کو ملے ہے۔

**مذکورہ کی شرح** | اس کا نام مذکور خراج تھا اور اس کے حصول کے لئے اقتصادی بے مقصدی کے  
انکار کے واسطے چار گراہ پیش کرنے پڑتے تھے جب فوراً جی ۱۸۵۹ء میں دو سکریشنٹوں  
کو مذکور خراج نامہ تو خالی بنے بھی اس کے لئے کوشش کی تھی مخطوں پر خط حکام کو لکھے بڑی دیر کے  
بعد کو تو ال کے نام حکم آیا کہ:-

سدائے خاں کشن واد کی کیفیت لکھ کر وہ بے مقصد و رور محتاج ہے یا نہیں کو تو ال نے  
موافق ضابطہ کے مجھ سے چار گراہ مانگے ہیں سو ل چار گراہ کو تو ال جبرہ جاتیں گے اور  
میری بے مقصدی ظاہر کرتا میں گئے ہم کہیں یہ نہ کہنا کہ بعد شریک شخصی ڈسٹا ہوا روپیہ مل  
جائے گا۔ نہ صاحب یہ تو ممکن ہی نہیں بعد ثبوت، ان اس حق شدوں کا جو بیٹے یا برے نا  
روپیہ ملے نہ صاحب پاس لے گا۔

خاتب کو اس وقت کچھ نہ ملا۔ اور پورا ایک سال گزرنے کے بعد کشن کی تنگدستی بھی  
صرف دھڑکی کا مددائی کی تکمیل باقی تھی۔ کشتہ نے حکم دیا کہ اگر ملے نہ صاحب سورو پیہ ملنا چاہو تو  
لے لو۔ خاتب نے اس وقت بھی سال بھر کے روپے کا مطالبہ کیا لیکن جواب ملا جب سدا رتہ  
جلد ملنے والا ہے تو اتنی بڑی رقم ملے نہ صاحب لینے کی کیا ضرورت ہے۔

تین سال کا روپیہ مل گیا | غرض یہ تھی کہ خاتب کو تین سال کا روپیہ ایک مشت ملا اور  
آئندہ ماہ بہ ماہ روپیہ ملنے کا حکم ہوا۔ مئی ۱۸۶۱ء کے خط میں آفتہ کو لکھتے ہیں:-

ذمہ سدا رتہ چند چیزوں کو اس سے جوہ سات سو پچاس پاتا ہر تین برس کو وہ ہزار  
دو سو پچاس جوئے سورو پچا بھجے مذکور خراج ملے تھے وہ کٹ گئے تو بڑھ موخر قاتل تھے۔

رہے وہ ہزار دو سو پچاس خراج کا ایک بنا ہے اور میں اس کا قرضہ اقدیم ہوں۔ اب جو

دو ہزار روپے لایا اس نے اپنے پاس رکھ لئے اور بچے سے کہا میرا حساب کیجے سات کم  
 پندرہ سو اس کے سود مول کے ہوتے۔ قرض متفرق کا اسی سے حساب کرنا گیارہ سو گنت  
 روپے وہ نکلے۔ پندرہ او گیارہ چھپیں سو ہوتے۔ بل میں اپنی دو ہزار میں چھ سو کا گھٹانا  
 وہ گنت ہے کہ پندرہ سو میرے دسے دو پانسو سات باقی تم سے کہ میں گنتا ہوں تفریق  
 گیارہ سو چکا دینے تو باقی نو سو سوپے مائے تو سے آوے مجھے دس پیسوں چوتھی۔  
 دس پنی مشق ہے کہ وہ روپے لایا کل ایک قصہ نہیں چکا یہیں جلدی نہیں کرتا اور ایک ماہ میں  
 چکا میں ہیں۔ جتنے بھر میں چکا یا فیصل ہو جائے گا۔

بال گنتی فیصل میری مدی بحر قح کے نام کے خطیں موجود تھیں غنار کے ساتھ فیصلے کے بعد  
 ایک خط میں لکھتے ہیں :-

پیشن ہے کہ مذکات جاری ہوا۔ نہ جتنے سدا ایک مشال گیا۔ بعد اوائے حقوق  
 چار سو دینے باقی رہے۔ اور تاسی روپے گیارہ آئے بکھے ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو غنار نے اپنے قرض کے سود میں کمی کر دی تھی۔ یا اس کا  
 تھوڑا بہت روپیہ باقی رو گیا تھا۔ اور غالباً اسے عائد حقوق میں شامل نہیں کیا تھا۔  
 خوشی کی دو وجہیں | پیشن کے ملنے کی ایک خوشی تو یہ تھی کہ وہ پہل گیا تھا اور غالباً قرض خواہوں  
 سے کم از کم تھوڑی مدت کے لئے ضرورت نجات مل گئی تھی۔ دوسری خوشی یہ تھی کہ عزت نامی  
 حاسدوں کے لئے اعتراض کی گنجائش باقی رہی۔ وہ خود دیکھتے ہیں :-

بات رو گئی بہت رہ گئی۔ حاسدوں کو موت آگئی دو دست سب شاو چو گئے جیسا  
 پہلے بھوکا ہوں جب تک بیوں گا ایسا ہی رہوں گا۔

ضمت دربار | پیشن کا قضیہ طے ہو گیا تھا لیکن غالب کے خاندانی اعزازات کی ایک بڑی چیز جو  
 انہیں پیشن سے بھی زیادہ عزیز تھی۔ دربار و ضمت کی عزت تھی۔ اس عزت کی بحالی کے لئے

کو غریب و دوسرے بدو جہد کرنی پڑی۔

گورنر جنرل نے سن ۱۸۵۸ء کے آغاز میں میرٹھ میں دربار کیا تھا۔ غالب اس امر کے متیقن تھے کہ انہیں بھی دربار میں بلایا جائے گا، لیکن ان کی توقع چوری نہ ہوئی، مناسب انتظار کے بعد انہوں نے خود درخواست کی کہ سابقہ قاعدے کے موافق انہیں بھی دربار میں بلایا جائے، جواب ملا کہ انہیں جو سکتا۔ دربار کے بعد گورنر جنرل دہلی آئے تو غالب مول کے مطابق خیر گاہ میں پہنچتے مولوی انوار حسین صاحب میرٹھی سے ملے، چیف سیکریٹری کو اطلاع کرائی، جواب ملا کہ حضرت نہیں دوسرے روز پھر گئے۔ اور اطلاع کرائی۔ لیکن میرٹھی صاحب نے جواب دیا کہ، یا م خدا میں تم باغیوں سے اخلاص رکھتے تھے۔ اب گورنمنٹ سے کیوں ملنا چاہتے ہو؟

غالب فرماتے ہیں :-

اس دن چلا آیا دوسرے دن میں نے انگریزی خط ان کے نام لکھ کر ان کو بھیجا۔ مضمون یہ کہ باغیوں سے میرا اخلاص غلط فہمی ہے، امیدوار ہوں کہ اس کی توفیق ملے جو تاکہ میری صفائی اور بے گندگی ثابت ہو۔ یہاں کے حکامات پر جواب نہ دیا۔ اب وہاں گوشہ جمنی زہری مستطاب میں چٹا کچے لک سے جواب آیا کہ لاٹو ہینا دہ فرماتے ہیں کہ ہم تحقیقات ذکر کریں گے۔

ایک اور خط میں فرماتے ہیں :-

میرٹھی صاحب کے ملا ان کے خیمے میں اپنے نام ٹاکٹ دکھاؤ، صاحب سکرٹریاٹ کے پاس بھیجا، جواب آیا کہ تم نند کے دواں میں بادشاہی باغیوں کی خوش آمد کیا کرتے تھے۔ اب گورنمنٹ کو تم سے ملنا منظور نہیں ہیں، گمان ہے کہ تم سے میرٹھ میں منع نہ ہو جب لاٹو صاحب بدو کاٹک پنچے میں نے قصیدہ حسب مول بھیج دیا، مع اس حکم کے وہاں آیا کہ آپ یہ چیز یہاں

لے آئی، قصیدہ جس کے متعلق روضہ میرزا لکھتے ہیں کہ وہ مینے دن رات غزل گو کیا، اور ایک قصیدہ چڑھ کر بیٹا لکھا، غزل حسن و حسن کو دے دیا، وہ پہلی ویکر کہہ کر دے گا۔۔۔ اس میں اکثر ام جانی تمام سرگزشت کے لکھنے کا کیا ہے۔

پاس دیکھیا کرو۔

حیون لال کاروناچی اسپر اچال ہے کہ بخش غائب بلکہ سبب دوسرے اکابر بھی غرض میں شرکت یا باغیوں سے اخلاص کا جو الزام لگا تھا اس کی بنا دوسرا س منشی حیون لال کاروناچی تھا۔ منشی صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ وہ غدر کے زمانے میں وہابی ہیں انگریزوں کے خاص جان سوس تھے اور شہر کے حالات کے متعلق روزانہ پویش مرتب کر کے بھیج کر دیتے تھے۔ منشی پورٹوں کا مجموعہ ان کاروناچی ہے۔ اس میں جو حالات بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے بعض بجا جہ غلط ہیں مثلاً ایک موقع پر غائب کے خلیق لکھا گیا ہے کہ منوں نے انگریزوں پر فتح حاصل ہونے کی خوشی میں بہادر شاہ کے روپرو قصیدہ پڑھا۔ حالانکہ غائب ایک لکھ کے لئے بھی گھر کے دروازے سے باہر قدم نہیں رکھا تھا۔ تاہم وہ اپنے کو چھ سے باہر نہیں گئے تھے۔

افراد کی کہانی یہ ہر حال پیش کر لیں لیکن دوبار غفلت کی بجالی کے سلسلے میں تحقیقات مافی رہی جب غائب گناہ ثابت ہوئے تو پانچ سالہ سزا میں غفلت و دوبار بھی بجالا ہو گئے۔ غائب لکھتے ہیں :-

دو شخصہ سر پانچ اشخاص کو سزا دینا چاہیہم کہ رزی ہوا۔ آخر فراموش اپنے ضعیف فریم  
جناب مولوی انوار حسین خان بہادر کے پاس گیا۔ انہا نگلو میں فرما کر کہتا اور بار بار غفلت  
یہ دستور بہ حال وہ تھا کہ یہ خود فراموش سے پوچھا کہ حضرت کیوں نہ حضرت نے کہا کہ حکام جاننے  
واقعہ سے اگر تدارک ملے تو اس کے سب کا غدر انگریزی و غازی دیکھے اور یہ اجلاس کو نسل تکم کرنا  
کہ سدا شغلاں کا و پرا و ضیہ و غفلت ہو دستور بہ حال وہ تھا کہ یہ ۔

دوسرے دن سردار برٹ ننگری صاحب غفلت گورنر پنجاب نے بنا کر غفلت دے دیا اور  
کہا کہ اگر گورنر جنرل کے دہارا نہال میں شرکت کرو گے۔ تو وہاں بھی غفلت ملے گا۔ غائب اگرچہ  
غفلت گورنر صاحب کے آئے تھے کہ وہ نہال کلاں جائیں گے۔ لیکن باوجود عدم تعلق خاص

وہ جانے کی تیاری کر رہے تھے اس سے چند ماہ قبل ان کے ہاتھ پیر پھیسل لڑائی تھی جس نے سخت تحلیل و صریت اختیار کر لی اور انہیں اپنا اسرا وہ سفر خ کن پڑا۔

گویا لارڈ کینگڈگ نے بار و خلعت بند کیا تھا اور ان کے چائین نے انکال کو با حضرت مولانا ابو اھلام آزاد و بیان فرماتے ہیں کہ غائب کی پٹن اور بار و خلعت کی بھالی کے لئے سرسید احمد خاں مرحوم نے خاص کوشش فرمائی تھی۔

خواب خانی نے حیات جاوید میں سرسید کے بیان کی بنا پر تحریر فرمایا ہے کہ غائب نام پور کے پہلے سفر سے واپس ہوتے ہوئے مراد آباد پہنچے تو اس زمانہ میں سرسید مراد آباد میں مصلحہ کے آئین البرہی کی تقریب کے ذمے سے سرسید کے ساتھ تعلقات کشیدہ ہو چکے تھے اس لئے غائب نے مراد آباد پر جاتے وقت مراد آباد میں سرسید کو اطلاع دی تھی اور آتے وقت انہیں مطلع کیا لیکن سرسید کو اطلاع مل گئی تو وہ غائب کو سرائے سے اٹھا کر مکان پرے گئے۔ غائب پانگی سے اترے تو ان کے ہاتھ میں بوتل تھی جسے انہوں نے سرسید کے مکان میں ایسی جگہ پر رکھ دیا۔ جہاں ہر ایک آتے جاتے کی نگاہ پڑتی تھی۔ سرسید نے بوتل اٹھا کر اسباب کی کوٹھڑی میں رکھ دی۔ غائب کو بوتل اپنی جگہ پر نظر نہ آئی تو وہ بہت گھبرائے لیکن سرسید نے اطمینان دلایا کہ بوتل موجود ہے۔ اور دوسری جگہ رکھی ہوئی ہے۔ غائب نے اس کے دیکھنے پر حاضر کیا تو سرسید نے اندھے ہاکر دکھا دی۔ غائب نے بوتل اٹھا لی تو دیکھ کر کہا کہ اس میں خیانت ہوئی ہے یہاں جاؤ گس نے پی ہے۔ غائب نے اس کدے کدے

وا غطاں کیں بسوہ برعزاب منہسے کند

چوں بہ خلوت سے روزاں کارو گیسے کند

و ایک دن سرسید کے مکان پر ٹھکر کر غائب وہلی چلے آئے۔ خواب خانی نے فرمایا ہے

کس کے بعد بھی کشیدگی تھی جو کئی چھ ماہوں میں غائب پٹن کی بندش کی وجہ سے بہت مشکل

طے آئے وہ نے مصلحہ ۱۲۸۵، انکال ۱۲۸۵، ہجرت ۱۲۸۵، سفر ۱۲۸۵، حیات جاوید ۱۲۸۵۔

محکم ہے سرسید نے اس علاقے کے بعد ہی ٹنٹن اور دوبارہ خلعت کی بکالی کے لئے کوشش شروع کر دی۔ ہرنٹن قاتل کو سنی سنت میں مل گئی اور دوبارہ خلعت عتق میں بحال ہوئے۔ چنگیز پنا حاکم دہلی کی مائے کے خلاف صدر کے احکام کی بنا پر بحال ہوئی تھی۔ جس لئے غائب کے کس بحالی میں سرسید کی سہی کے بعد کر مرثیہ ہوئی ہو۔

غائب اور غائب۔ انما سمیت مخزون کا اقتدار ہے کہ غائب ہے لارڈ کینگنگ ماہیت انگری اور جنس دوسرے انگریوں کے قصیدوں میں مہرے متعلق اور غور کے متعلق جو کچھ لکھا ہے اسے بھی یہاں مہرے کو دیا جائے۔

لارڈ کینگنگ کے قصیدے میں فرماتے ہیں ۵

بہ کو کی شدو ام ہرہ بین خزان ذوال	ہنا لم از خمر یہ شیش رس بہ بار آمد
وے ازاں ہر مال و مثال تو قیس	کم است آہنجہ بہ تحمل خاکسار آمد
تیک دو جہرہ نرنگ فرود خجیت بہ خلق	قیح بہ درست من از دست رشتہ آ آمد
بہ پیریم نقاشائے بیع اوج گلوے	خیال مہر شمشاد روزگار آمد

پھر فرماتے ہیں کہ لکھو کہ نوید کی مہر میں قصیدہ بیکار و اس سے خوشنودی کے خلاف ہے یہاں تک

راجا کہ کہیں تو کس طرح کو ہر قصیدہ محال کہتا ہے۔ اسی اثنا میں غور بہا ہو گیا ۵

پنا گرفت پناں سر صوفے دزد بہ دہر	کزاں بر آریسنہ آساں جنبار آمد
شرارہ بار خمار سے زہر خاک آہنجیت	سیا و رو سپہے کاندہریں دیار آمد
تو کوئی آہنجہ من اں را خمار سے گلیم	زہر کشت من ابر نگارگ بار آمد
دریں جگہاں شوب کہ صحبت تیں	سپاہ اسپہری بہ زینہ ر آمد
گواہ و عمری قاتل بہ عرض بے گنہی	ایں میں است کہ ہر گونہ سنگار آمد
خطاب خلعت و پیش زشاہے خوہم	ہم از خلعت جہیں دایہ اہم توار آمد
پس اندر سال کہ صبح و چ قاتل گونہ	سرگزارش اندوہ آہنگ ر آمد

چنگیزی کے قصیدے میں لکھتے ہیں :-

ذکر اس وقت کہ برخواست ازخواب  
 چوں دید شمع تنم بہر کہ عاشق بیست  
 ہندہ سے خواست کہ بیرون دوا باجوہ  
 ماند و آئین وفا و پشت و دامن و منہ  
 جز شائے و دمانے کہ بہ گفت گفت  
 و گریں نیز قصہ بہت کہ تہ بہر نہ کرد  
 برو با جندہ دامن و دوا ہم امروز بجات  
 خود ہیں قول کہ ماقہ زود و مردہ و دل است  
 بہ گواہان و گریں گزافندہ حاجت  
 از تو جز ہوا و خواہم کہ دامن و دوا  
 ہوس کار و گریں بہر شمر و شرب  
 اینست حرفے کہ لبم با لب ساغر و دوا

اس قصہ کے آخر میں بھی یہی لکھتے ہیں کہ ملک و کشور یہ کا قصیدہ لکھ کر بھیجا دیاں سے وہ  
 خوشنودی نامے آئے نیز گورخوں نے خطا بھیجی۔

ایڈمنشن صاحب کے قصیدے میں فرماتے ہیں :-

از حضرت شمشادہ خاطر نشان سن بڑ  
 ناگہ دیکھتے باوے کاں خواست و تکرر  
 در وقت غنہ ہر دم تلکین و ہوا بہن  
 عاشق کہ بودہ باشم باخی بہ آشکارا  
 از تہمتے کہ ہر سن بستند بد سنگلاں  
 و دیریم ازیں خرم جز مرگ چارہ نمود  
 و دم شگوف حائے شمرک و زمرت شل  
 و در حوض سخی مسدود کہ کامرانی  
 بر ہم نہواں بنام نیلنگ آسانی  
 زاری و بے خونی پیری و ناتوانی  
 عاشق کہ کردہ باشم ترک و فغانی  
 حکام راست باہن یک و دگرانی  
 خود پیر گشتے سن بودے اگر جوانی  
 جاں گر چہ بہت شیریں تیغ نیست گمانی

# گیارھواں باب

## عوارض اور وفات

ہزار خستہ ورنہ خورد چال دی

بکے ز فتابے بخو خستہ تن پیا آ

خواب جہانی مرحوم غائب کی شکل و صورت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے انہیں جوانی میں دیکھا تھا ان سے سنا گیا ہے کہ غفلان شباب میں وہ شہر کے سادات حسین و خوشرو لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ اور بڑھاپے میں بھی مسامت اور خوبصورتی کے آثار ان کے چہرے پر قہر قاست اور ڈیل ذول سے نمایاں طور پر نظر آتے تھے لیکن آخری عمر میں خوراک کی قلت اور امراض کے هجوم کی وجہ سے وہ بہت نحیف و کمزور ہو گئے تھے۔ تاہم چنگاڑ بہت چھلا، قد کشیدہ اور اٹھ پاؤں زبردست تھے اس لئے اس حالت میں بھی ذرا دورانی معلوم ہوتے تھے۔ علیہ انا تب نے خود ایک خط میں جو میرزا حاتم علی بیگ تبرک کے نام تھا۔ اپنی تصویر ان الفاظ میں کچھنی تھی جس سے ان کی جوانی اور بڑھاپے دونوں زمانوں کا نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:-

تمہارے شیدہ قاست ہونے پر مجھ کو رشک نہ آیا کہ اسے میر تقی میری درازی میں گشتنا

ہے۔ تمہارے گندھی رنگ پر رشک نہ آیا کہ اس واسطے کہ جب میں بیتا تھا دینی عالم جوانی میں

تو میرا رنگ تپشی تھا۔ اور دیدہ و رنگ اس کی متانت کی کیا کرتے تھے۔ اب جو کبھی وہ پناہنگ

یا دھاسے تو چھاتی پر سانپ سا لٹ جاتا ہے۔ اس بچہ کو رشک آیا اور میں نے خون جگر

کھا یا تو اس لڑکے پر کڑا سی خوب گشتی ہوئی وہ مزے یاد آ گئے کیا کہوں ہی بچہ یا گزرتی

شیخ علی حزیں سے



کا دسترسم بود دوم چاک گریسیاں  
شہر مندی اور سرور پشینہ دارم

جب ڈاڑھی سرخچریں بال سفید آگئے تیسرے دن چوٹی کے انٹے لگاؤں پہننے  
آئے گئے۔ اس سے جڑ کر ہو گاٹے کے دو دانٹ ٹوٹ گئے، چارسی بھی چھڑی  
اور ڈاڑھی بھی۔ مگر وہ کہنے اس پہنٹے شہریں ایک وردی ہے عام۔ مگر غلط بیانی  
نیچے بندھو سہی، مثلاً بھٹیادہ، جولاہہ، کھنڈ، اسنے پڑاڑھی، سریر بال، دھیرے جس دن ٹھیس  
رکھی اسی دن سر منڈایا۔

یہ کتب ۱۸۵۹ء کے اوائل کا لکھا ہوا ہے اس لئے کہ اس کے آخر میں جان فوڈیک  
ایڈیشن صاحب لغت گورنمنٹ گورنمنٹ کے ڈپٹی سیکریٹری کا ذکر ہے۔ دستنبذ کی طباعت  
نومبر ۱۸۵۹ء میں مکمل ہوئی تھی۔ اور ایڈیشن صاحب جنوری ۱۸۵۹ء میں لغت گورنمنٹ کے  
اس کتب کے ظاہر و نام ہے کہ:-

(۱) غائب کشیدہ قاسم تھے۔

(۲) ان کا رنگ چنٹی تھا۔

(۳) جوانی میں ڈاڑھی منڈاتے تھے۔

(۴) جب سرور ڈاڑھی میں سفید بال آگئے تو سر منڈا، مارش کر دیا اور ڈاڑھی چھوڑ دی۔

(۵) جوانی میں کسی ہتھال کوٹے تھے۔

(۶) ہاتھ قریب شہریں کی طرح ان کے ماتھے کے دو دانٹ اکٹھے چکے تھے اس کے  
ساتھ ہی انہوں نے ہتھی کا ہتھال ترک کر دیا تھا۔

جہاں بہت بہت چھی چھی غائب کی بہت شروع میں بہت چھی تھی۔ اور اس کا سبب شہر و تہ  
ہے کہ ان کی ابتدائی تحریکات میں پیادوں اور رنجویوں کا ذکر کیا ناپید ہے۔ صرف سولی جی  
خال صدرا زمین باندہ و تبدیل کھنڈ کے نام کے ایک خط میں جو کلکتہ جانے کے دوران میں لکھا گیا

متھا۔ یہ ذکر مٹا ہے کہ انہیں ہاندہ کے قیام کے دوران میں بخار آ گیا تھا۔ فرماتے ہیں:-

مذکورہ برکت صلح بعد سرور میں بخار، ہمدرد ہاندہ شریعتی مددگار شریعت

اگر باقی بہت درد سے نیست۔ یہ ہیں رطبت بہت کہ نہ وطن کر رہی بہت بہت۔

تہنہ | اردو خطوط میں سب سے پہلے بیماری کا ذکر فرشی ہر گاہ پال تفتہ کے نام کے ایک خط

میں آیا ہے جو ۱۲ رجب ۱۲۵۵ھ کا مرقوم ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب ۲۶ فروری

۱۲۵۵ھ کو بہادری تہنہ لڑ رہا ہوئے تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

میں پادشاه سے لڑ رہا تھا۔ اور فرما رہا ہے کہ جس دن سے لڑ رہا تھا

کھا ہوا نہیں کھا یا۔ آج چھبند پانچواں دن ہے کہ دن کو کھا نہا میرے دریا

شراب۔ حلاوت مزاج میں بہت ہے۔ ناچارا حق ذکر تاہوں۔ بھائی اس طرف کو کہتے

کہ پانچواں دن ہے کھا کھاتے ہرگز جھوک نہیں لگی۔ اور طبیعت غذا کی طرف متوجہ نہیں

معلوم ہوتا ہے کہ غالب غلط صحت کے مسلسل بھی سے بیا کرتے تھے تفتہ کو ایک خط میں

لکھتے ہیں:-

میں مسلسل ہیں۔ یہ دیکھنا کہ بیاہوں غلط صحت کے واسطے مسلسل بیا ہے

قولنج | مئی ۱۸۵۵ء میں قولنج کا سخت حملہ ہوا۔ تفتہ کو لکھتے ہیں:-

بھائی وہ خط پہلا تم کو بھیج چکا تھا کہ بیاہوں گیا۔ بیاہ گیا ہوا تو حق زیست کی دھری قولنج ہوا

پھر کیا شد کہ پہنچا ہر مرقوم میں کی طرح تڑپا گیا آخر مصداق ہر ہندو مصداق ہندی کا تھا بیا اس

وقت قولنج گیا۔ جس طرح نہ ہوا۔ آخر کتاہوں میری غذا تم جانتے ہو کہ تندرستی میں کیا ہے۔

دس دن میں دوبارہ دسی آدھی غذا کھائی گویا دن میں ایک بار غذا تناول فرمائی تھی۔ ابھی

کاچا اور کھانا کا افسردہ میں بہت درد اگلے سے خوف مرگ گیا ہے اور صحت زیست کی

نظر آئی ہے۔ آج صبح کو (۳۰ مئی ۱۲۵۵ھ) بدودا پہنچنے کے تم کو خط لکھا ہے۔ بعضین تو ہے

کرتج بہت بھر کردی کھا سکوں۔

چاقو سے اذنی جو گیا | وہ سب جملہ میں قلم نہاتے وقت چاقو سے ہاتھ نہ می جو گیا تھا غم نہاتے ہیں :-  
 قلم نہاتے ہیں میرا ہاتھ نگوٹے کے پاس سے نہ می جو گیا اور عدم کرنا جاسوں روتی ٹپٹی ٹپٹی  
 سے کھائی گئی ہے چہرہ مل اب اچھا ہوں -

واقعہ یہ ہے کہ غالب کی صحت شرابے تباہ کی۔ ان کا جسم طبیبانہ تھی تھا۔ جوانی کے  
 عالم میں شراب کے برے اثرات دے دے لیکن جب زندگی کا آفتاب نصف النہار سے  
 آگے بڑھ کر زوال کی طرف مائل ہوا۔ اور بڑھا چا آسنے لگا تو غالب کی جسمانی طاقت گھٹتی گئی  
 اور بیماریاں بڑھتی گئیں مختلف آذات متعلق و پائدام ہوتے گئے۔ جسے کہ غالب کی زندگی کے  
 آخری نو سو سال کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس میں ان کو اپنی صحت کے متعلق ایک لمحہ  
 کے لئے بھی اطمینان نصیب ہوا۔ اور غالب جسمانی و مالی پریشانیوں کے اسی جہوم کے باعث  
 وہ آخری عمر میں موت کی بہت آرزو کیا کرتے تھے -

منتہی | منتہی سے ان کے غلوں میں ضعف، نقامت، قلت غذا اور جہوم امراض کا کوئی ایک  
 عام چیز بن گیا تھا۔ یہاں صحت کو تباہ کرنے والے کو اس کے سبب منتہی کے ایک خلیاں لکھتے ہیں :-

توانی دور ہے۔ بڑھا ہے بے نگاہی ہے ضعف، بستی، بولی، گونجانی، کتاب  
 میں پاؤں ہے۔ باگ پر ہاتھ ہے۔ بڑا سفر دور و دورا نہ پیش ہے۔ نہ اورا دور جو نہیں غالی  
 ہاتھ جاتا ہوں، اگرچہ پسیدہ بخش دیا تو چیز نگاہ نہ رہی ہوئی تو سفر مقرر ہے اورا وہ نہادہ  
 ووزی جاوید ہے اور ہم نہیں اسے کیا کسی کا اچھا شعر ہے

اب تو گھیر کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے

مر کے بھی چین نہ پایا تو کہ مر جائیں گے

منتہی | منتہی کے ایک کتاب میں نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

روٹی کھانے کو باہر کے مکان میں سے محل سرا میں کوہ بہت قریب ہے۔ جانا ہوں تو

چند ستانی گھڑی ہوں۔ وہ شہر تہ ہے۔ اور یہی حال دیوان خاں میں آکر ہوتا ہے مانی

رام پور سے مرشد زادہ کی شادی میں ملے یا تھا یہی لکھا گیا کہ اس اب معدوم محل ہیں۔  
 سیکر کو فوجی مشین کے خط میں لکھتے ہیں :-

ان دونوں صحت و طبع اور دورانِ جسم میں اتنا جھگڑا ہوں کہ عالی رام پور کا بہت سا کھانا  
 بھی بے فائدہ رہا ہے۔ دیکھنے کی فوج نہیں آئی۔

مشین کے ادوار میں اٹھ پر پھوٹا ہو گیا تھا جس نے نہایت تعریف وہ صورت اختیار کر لی  
 اور اس کے علاج میں ہندوستانی جراحوں سے مایوس ہو کر غائبے انگریزی ڈاکٹر کی طرف توجہ کی  
 سر فراد حسین کو لکھتے ہیں :-

بچے پینے میں سید سے اٹھ پر پھنسی ہوئی پھنسی پھوٹا پھوٹا پھوٹا کر زخم ہوا جو  
 غار ہو گیا۔ اب یہ قدر ایک کھ دست وہ گوشت مٹا رہا ہو گیا۔

مشین اب جرنی مشین کے ایک خط میں منشی شیونائن آرام کو لکھتے ہیں :-

چھٹا مہینہ ہے کہ سید سے اٹھ میں ایک پھنسی نے چھوڑنے کی صورت پیدا کی پھٹا  
 پک کر پھوٹا اور پھوٹ کر ایک زخم زخم کا ایک غار بن گیا ہندوستانی جراحوں کا علاج نہ  
 جبر تھا گیا۔ دو مہینے سے کانے ڈاکٹر کا علاج ہے۔ سلعہاں دور رہی ہیں۔ راستہ سے گوشت  
 کٹ رہا ہے۔ میں دن سے افادت کی صورت نظر آئے گی ہے۔

اس کے بعد اپنی فیشن کے کھٹنے، جمع شدہ وہ پیدہ شے اور دوبارہ خلوت کے بحال ہونے  
 کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آخر فروری ۱۹۴۷ء میں فیشن گورنر پنجاب کی نئے  
 انہوں نے چیرہ سی بھیج کر ملا با۔

میرزا محال ہے کہ ملا وہ اس دائیں اٹھ کے زخم کے سیدھی ران میں ادبائیں انہیں  
 ایک ایک پھوٹا جڑا ہے۔ حاجی میں پیشاب کرتا ہوں اٹھنا نہیں نا و شمار ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پھوڑوں سے بڑھ کر جھانڈنا و خون کی شکل اختیار کر لی تھی اور  
 فائسب کا سارا جسم پھوڑوں سے بھر گیا تھا۔ بالخصوص ناگوں کے پھوڑے بہت تعریف وہ جو

تھے۔ یہ تخلیف کافی دیر تک قیام کے لئے وہاں جان بھی رہی۔

۱۱ اگست ۱۸۶۳ء کے ایک خط میں منشی بہرگوال فقیر کو لکھتے ہیں :-

ایک برس سے عراضی خاں دغون میں جلا ہیں۔ بدن پھڑپھڑوں کی کثرت سے شکر پڑتا  
ہو گیا۔ ملاقات کے جواب سے دیا دن رات بیٹا رہتا ہوں۔ کھانا کھانے وقت پٹنگ پر  
سے اٹھ بیٹھتا ہوں کھانا کھا کر فائدہ دھو کر پھر پڑ رہتا ہوں۔ حاجتی پٹنگ کے پاس حاجتی  
آکر کر پیشاب کیا جاتا ہے۔ بیت الخلاء مانا ایک صید بیکر بلٹ چکی سہی مگر کئی قدم  
جانا پھر آنا کیا آسان ہے۔ ایک کم ستر برس کی عمر ہوئی۔ اب خوات چاہتا ہوں،  
بہت جیا کہاں تک جیوں گا۔

چرو دھری علیہ الغفور سرور دار ہر دھی کو لکھتے ہیں :-

نمبر دو درام عرض خاص اور بیخ عام یہ ایک اجمال دوسرا حال منور کہ میں اب سے  
صاحب فرش ہوں صبح سے شام تک پٹنگ پر پڑتا ہوں۔ محل سرا گریہ و دردن خاد  
بہت قریب ہے۔ پر کیا مکان ہے جو ہا کون صبح کو نو بجے کھانا نہیں آ جاتا ہے پٹنگ  
سے کھس پڑا فائدہ دھو کر کھانا کھایا۔ پھر فائدہ دھوئے کئی کی۔ پٹنگ پر چا پڑا۔ پٹنگ کے  
پاس حاجتی لگی رہتی ہے۔ آٹھا اور حاجتی میں پیشاب کیا۔ اور پٹنگ فائدہ دھو سے یہ عرض  
ہے کہ پیشاب جلد جلتا ہے۔ اس صاحب فرش ہونے کو دیکھو اور دم بہ دم  
تفاصلے بول کر دیکھو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قیام کو مسلسل بول کا عارضہ تھا جو ذیابیطس پر دال ہے۔  
پھوڑے پھنسیوں کا جسم پٹنگ اور مدت تک اچھا رہتا بھی اسی کا مویہ ہے۔ اسی خط میں آگے  
چل کر لکھتے ہیں :-

پاخانے اگرچہ دن رات میں ایک دو دفعہ جاتا ہوں مگر بہت کو قصور کر دیکھ پھڑپھڑ  
پٹنے میں جس کو سادہ کہتے ہیں۔ اور پھوڑے پٹنے پہنچے ہیں۔ پس میں باتیں باتیں کہتا ہوں

و پشت پاسے کے کڑوسی پنڈلی تک درم درم اور درم کی سخت وہاں وہاں دھلات۔  
 دادہ کو ہٹانے اور تحلیل کرنے والی دودھیں اسے کچھ نہ ہوا۔ اب جو تین بے کونیم کا بھرتا ہوا  
 جب بچے پھوٹے تب مرہم لگائے۔ کہ کف بایں رجعت کامل ہوا تو قیام کا ماس نکلا۔  
 پھر زہر دھری صاحبہ بی کو لکھتے ہیں۔

ہر دن سے منادون کے عرض میں جہلا ہوں بخود و ساگم لدا ہوں ہر دن  
 میں اور جن سے سستے سستے روحانی و جسمانی نیشست و برقاہست کی طاقت دہی۔ اور پھر  
 تو خیر گمراہوں پنڈلیوں میں ہڈیوں کے قریب دو پھوٹے ہیں کھڑا ہوا۔ اور پنڈلیوں کی  
 ہڈیوں پر نہ لگیں۔ اور گھس پھسے لگیں۔ بایں پاؤ پر کف پاسے جہاں وہ پھوٹا ہے  
 پنڈلی پر درم ہے۔ سات دن ڈار ہوتا ہوں پنک کے پاس حاجتی لگی۔ یعنی بے کھیل ڈ، بعد  
 حاجت پھر لیٹ رہا۔ اسی صورت سے روٹی کھا رہا ہوں۔ اشار کی پہلج یک فلم ہر طرف،  
 غلو غلو زوری بیٹے بیٹے نکلتا ہوں دو غلو دھری صاحب کے آئے اور ایک غلو شاہ عالم کا  
 اور دو غلو حضرت صاحب کے آئے (یعنی صاحب عالم دہری)۔۔۔ جواب دیکھ سکا۔  
 آج اپنے کرٹھنے دے کر رہنا یا جب یہ مہلت نکلی۔

ایک خط میں فارسی شاعری کی مختلف طرزوں پر بحث کرتے ہوئے اردو کے چند اچھے شاعر  
 فرزند لکھے ہیں۔ جن میں ایک شعر ترقی کا ہے۔ دوسرا استاد کا یا سیر عالم کا اور چھ شاعر اس کا پھر لکھتے  
 نتائج کے ان کنز اور آتشوں میں بیشتر تیز فشر ہو رہے ہیں۔ مگر ان کا کوئی شاعر وقت  
 نہیں آتا۔ یا دیکھا آئے میں ہوا ہوں دمہ دمہ دار کے درم کی ٹیس ہریش اٹھ سے دیکھی ہے۔  
 قاضی محمد جمیل صاحب بریلوی کے نام کے ایک خط میں بھی ان آلام کا ذکر ہے۔  
 مسلم ہوتا ہے کہ خاں کے اپنے مرے کی پیشگی کی تھی۔ اور تین چار ملاقات بھی نکال  
 لی تھی۔ سوہ اتفاق سے اسی سال دلی میں میٹر کی وبا شائع ہوئی۔ خاں کے اپنی پیشگی کی تھی۔

ایک دوست کو ازماؤ قفسن یہ بات ملکی تھی کہ وہ بانی عام میں میرے لئے مرنا باعث جنگ تھا  
قاضی جیگیل کو کہتے ہیں :-

۱۲۴۵ء میں میرا زمرنا صرف میری نگاہ کے واسطے تھا۔ مگر اس لمحہ میں اس سے  
معلوم ہوتا ہے کہ یہ خلا ۱۲۴۵ء یا ۱۲۴۶ء میں لکھا گیا تھا، ہر روز مرگ کو کاڑھ چکھتا رہتا  
جہاں ہوں کہ کوئی صورت ذریعہ کی نہیں ہر میں کیوں جیتا ہوں۔ روح اب میرے جسم میں  
اس طرح گھبراتی ہے جس طرح طائر قفس میں کوئی شغل کوئی اختلاط کوئی مجمعہ پن نہیں کرتا۔  
سے نفرت جسم سے نفرت۔ روح سے نفرت ہر کو کھلا ہے بے مبالغہ اور بیان واقع ہے۔  
فرم آں دو رنگ میں غزل و گشتم

ذو اب ملا الدین احمد خاں کو کہتے کہ بانی پاؤں میں درم کف پاستہ پشت پا کو گھینے لگا ہوا  
پنڈلی تک چلا گیا ہے۔ کھڑا ہوتا ہوں تو پنڈلی کی گیس پھٹے نکلتی ہیں۔ کھانا بونہا دیں منگھلستان  
ویشاب کو کہیں کر دھڑوں۔ صاحبی مکمل۔ بیڑا دکر بھجے بات نہیں تھی۔ پانا دکر دوسر  
قیسے ان جادوں گرجاؤں تو سی یہ سب مرغ خیال ہیں لاکر سچ لاکر کیا گورتی ہوگی آقا  
قفس مزید طعیر و استزادع

پیری و سدا یہ چہ نہیں گشت اند

پناہ مصر و آباد چھپے چھپے پڑتا ہوں

سے مرگ ناگماں تجھے کیا ہنگام

چوڑوں اور چھپیوں سے شفا یاب ہوتے تو ضعف اور بھی بڑھ گیا۔ قاضی جیگیل کو کہتے ہیں :-

اب میں اندر دست ہوں پھرنا چھپی گھیر نہیں۔ جو ضعف کی وہ شدت ہے کہ خدا کی پناہ

اور ضعف کیوں کر ہو ہر اس دن سے صاحب فروش ہوں ستر برس کی عمر ہے جتنا طعن

بدن میں تھا بے مبالغہ تو وہاں اس میں سے سب ہر کر لیں کیا سن کہیں جواب پھر تولید و دم

صلاح ہر وہ حال شہد ہوں احمد قانون اور آپ کی سچ شہادت ہے دوست نہ کہ منوں نہ

۱۸۶۵ء

مختلف خطرات سے محروم ہوتا ہے کہ غالب شہادت ۱۸۶۶ء تک فساد خون باہ تراق خون کے  
امراض میں مبتلا تھے بشکاک حکیم غلام حنیف خاں صاحب کے نام کے ایک خط میں پھوٹوں، ناطق  
کا ذکر ہے۔ نیز لکھتے ہیں کہ قبض نہ تھا کہ پہنچ گیا ہے۔  
غالب اور والدہ بہادر کو لکھتے ہیں :-

دعوت دیکھا منی، داسماں، وخلق، و لغوہ ان سب سے بڑا ایک صورت پندہوت  
یعنی اوراق کا مرض مختصر کہ سر سے پاؤں تک بارہ چھوٹے ہر چھوٹے ہر ایک نیم ہونیم ہونیم  
ہر روز بے مبالغہ بارہ تیرہ پہاڑے، اور ہاؤ بھر مرہم اور کا ڈفروس جیسے غرور غالب را  
ہوں اور شب و روز سے تاب و رات میں یوں گزری ہیں کہ اگر کسی کا اگر کسی کو گھڑی غلام  
ہوں گا۔ کہ ایک آدمہ پھوٹے میں نہیں آئیں جاگن ٹھانڈا کیا پھر سو گیا۔ پھر سو گیا ہو گیا۔  
سال بھر میں تین حصے دن یوں گزرتے پھر تخفیف ہونے لگی۔ دو تین مہینے روت پرش کہ  
وچھا ہو گیا نئے سرے سے روح غالب میں آئی اہل سے میری صحت مانی کی قسم لگائی۔  
اسی خط میں آگے چل کر اپنی حالت یوں بیان کرتے ہیں :-  
میں کھڑے بیٹھا۔ حافظہ کو روٹھیا اگر اٹھتا ہوں تو اتنی دیر میں اٹھتا ہوں کہ قبضہ دینے میں  
دیر رہا کرتے۔

غالب اور والدہ نے کسی سے نہ سنا تھا کہ غالب کا انتقال ہو گیا ہے اس واقعہ کا انہوں نے  
خاطبا اپنے خط میں بھی ذکر کر دیا تھا غالب لکھتے ہیں :-

آپ کی پسنش کے کیوں نہ قربان جانوں کہ جب تک میرا خدا دنا میری خبر نہ لی میری  
مرگ کے خبر کی تقریر و شہاد میری پختہ ہوئی ہے اور ادھی جھوٹ و صورت مرگ نیم ہود  
اور وہ حالت حیات ہم زندہ ہے

دیکھا کش ضعیف گلسد رواں اوراق

ایں کہ من شہد میری جھوٹ اور جھانست

صفحہ ۱۸۶۵ سے صفحہ ۱۸۶۶ تک غلام حنیف صاحب کی وفات کی خبر شہر میں پھیلی تھی تو چند آدمی نے بیچ و بات بھی کرتی تھی  
وہ خط مر غلام خاں صاحب سے ۱۸۶۵ء



۱۸۶۹ء میں ان کی مجبوری و معذوری بہت بڑھ گئی تھی۔ ۲۴ جولائی ۱۸۶۵ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

تین برس عوارض، تفرق وطن میں ایسا جکارا ہوں کہ اپنے جسم و جان کی بھی خبر نہیں رہی ۔۔۔۔ میں اپنی زبان سے کیوں کر کہوں کہ اچھا ہوں مگر بارود عوارض میں گھونٹا نہیں ہوں۔ بوڑھا۔ ہوا۔ مہانج، جھوس، ناتوان، تلک زوہ آدمی ہوں۔

اکتوبر ۱۸۶۵ء میں غالب نواب کلب علی خاں مرحوم کے جشنِ جشنی میں شرکت کی غرض دام پور گئے تھے۔ وہاں ہی پیر و آبا و اجداد کو پہنچ کر سایہ جو گئے اور پانچ روز وہیں صمدیہ صومرا کے مکان پر ۱۸۶۶ء آئندہ بیکان کی تحفیں عمری زیادتی کے ساتھ پڑھتی گئیں۔ اور ۱۸۶۶ء میں نواب میر غلام بابا خاں سورتی نے سورت تہذیبی دعوت دی تھی۔ اس کے ۱۲ اب میں ۲۴ فروری ۱۸۶۶ء کو لکھتے ہیں :-

ہمساری رہیں رہا نہ ہونے کی سہولتیں آئی۔ پاؤں سے اچانک دکھانوں سے ہوا۔ بھاریت، نصف، ولع، نصف، دل، نصف، سر، ان سب شغفوں پہنچتے ہیں کیوں کہ قصہ سفر کوہِ نین چار شاہِ روز تفسیر میں کس طرح بسر کروں؟ خیال کے سفر میں گنہ گار میں باجمہاب کی حالت ہوئی جو کھینچتے دھنستے کے بعد بھلاہ قولیج کے دوسے کی شدت ہوتی ہے۔ حالتِ جسم میں۔ حالتِ جان میں نہیں۔ تاہم سورت تک کسی صورتِ جزا مکان میں نہیں۔

نواب میر غلام بابا خاں کی دعوتِ جشن میں شرکت کے لئے تھی اس کے تعلق ایک خط میں سید کو لکھتے ہیں :-

جس میں ہوں گانا کیا سنوں۔ بوڑھا ہوں ناچ کیا دیکھوں۔ خدا چھوٹے ہمارا کیا کیا کھانوں یعنی سورت میں انگریزی شہر میں جوتی ہیں گرداں آنا اور شریکِ شہر بننا تو ہی ہوتا۔

فشی صیب اشغال و کا جدید آبادی کو ۱۲ مئی کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

۱۵ اگست ۱۸۶۵ء

آگے ناتوان تھا اب نیم جان ہوں آگے بہر تھا اب اندھا ہوا چاہتا ہوں سامنے  
کے سفر کا رونا اور وہ رشتہ ضعف بھرپاں چاروں طرف گھس گھسایا ٹیڑھی بڑھتی  
حرف سوچنے سے رو گئے۔ کتہ پر س جیہ بہت جیہ اب زندگی برس کی نہیں مینوں  
اور دون کی ہے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

تم میری بابت پوچھتے ہو۔ گویں کیا گھس۔ اتھ میں دھڑا گھس کیا کہنے میں نہیں ایک  
ہنگامہ کی بنیائی ذل جب کوئی دوست آجاتا ہے تو اس سے غلط کام ہوا اب گھس دیتا  
ہوں مشورہ ہے یہ بات کہ جو کوئی کسی اپنے عزیز کی ناخود دلانہ سے مرنے کی سوچ کو اس کی  
پرستی ہے۔ ایسے ہی میں سوچتا ہوں خدا کو اپنے مقدر خدا کی قوتوں پرستی ہے۔ اب  
ماشوں ہے۔ زندگی کی توقع آگے مینوں پرستی اب دون ہے۔

اکتوبر ۱۹۶۷ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

بستر پر آدھی بھر بزدلی۔ خدا بخیر مقرر۔ اتھ میں ایک بار اب گوشت کی پکا  
ہوں خدا کی دہائی دہائی خفقان گھس کی مینائی میں فرق۔ اتھ کی گیرائی میں فرق۔  
رشتہ سستی، غلط عدم۔

۱۹۶۷ء کے ایک کتب میں رقم فرماتے ہیں :-

اس میں نے بھی جب کی آنکھوں میں تیرا سے تیرا ہی رہا تھا جیہ کہ سات ام  
کاشیہ خذ کے شربت کے ساتھ دو پر کو سیر میر گوشت کا کاڑھا پانی قریب شام کسی کسی  
تین سے جوتے کہا ب۔ چھ گھنٹہ رات گئے پانچ بجے پھر ایک چٹا ایک شربت شربت  
اور اسی قدر قوی شیر عذاب کے ضعف کا یہ حال کہ اتھ میں نہ تھا اگر وہ فراق شک کر پڑا  
ہیں کہ اتھ میں تو پتہ پان لڑتی ہیں۔ سمنا دن بھر میں دس بارہ بار اور اسی قدر رات بھر  
میں پتہ پان کی حاجت ہوتی ہے۔ حاجتی ہنگامے پاس نکلی رہتی ہے۔ اتھ اور پتہ پان کیا

اور پڑا۔ اسباب حیات میں سے یہ بات ہے کہ شب کو بدتر نہیں ہوتا۔ بعد ازاں بدل ہے توقف پختہ جاتی ہے۔

ان خطوط سے ظاہر ہے کہ حراق غن کے مرض میں جو کم و بیش تین برس مسلط رہا۔ بہت کمزور ہو گئے تھے۔ تو پانچیس کا عارضہ اس قدر شدت اختیار کر چکا تھا کہ رات دن میں میرا پیچیس بار چشما ب کی حاجت ہوتی تھی۔ کانوں سے ہرے ہو چکے تھے۔ بصارت بہت کم ہو گئی تھی۔ بلکہ ایک آنکھ کی بینائی کلیتہً نائل ہو چکی تھی۔ قنداری مقدار بے حد گھٹ گئی تھی۔ قیض کی شکایت شدید تھی اور وقتاً فوقتاً قیض کا سخت دورہ ہوتا تھا۔ انھوں پر عشاوی تھا۔

۱۸۶۶ء | اب ۱۸۶۶ء کی کیفیت سنئے ۱۸۶۶ء اپریل کے ایک خط میں منشی مہاں داد خاں سراج کو لکھتے ہیں :-

میں اب صحت نکرا ہو گیا۔ خدا جھوٹ نہ بلائے پچاس جگر سے اشیاء واسطے مصلح کے آئے ہوتے کچھ میں دوسرے ہیں..... جس دن ذرا خافہ پاؤں گا ان سب کا نذر کہہ دوں گا۔

جون ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں فرماتے ہیں :-

بھائی میرزا علی اسی سے جاؤ گا اب خط نہیں لکھ سکتا۔ آگے بیٹھے لکھتا تھا اب عشرہ وضعف بصارت کے سبب وہ بھی نہیں ہو سکتا۔ جب حال یہ ہے تو کمر ماس میں اشد کوشش کیوں کر دوں۔ اور پھر اس موسم میں کڑی سے سر کا میچا پگھلا جاتا ہے۔ دوسرے دیکھنے کی تاب نہیں۔ رات کو صبح میں سوتا ہوں صبح کو دوبارہ اصرار کرتے کہ دلان میں لے آتے ہیں۔ ایک کوٹھری ہے اندھیری اس میں ڈال دیتے ہیں نامہ دن میں گوشہ تاریک میں پڑھتا ہوں۔ شام کو پھر وہ آدمی بدستور لے جا کر پگھلا کر صبح میں ڈال دیتے ہیں۔

منشی حبیب اللہ خاں کو لکھتے ہیں :-

میں اب قریب مرگ ہوں۔ خدا اعلیٰ مقدر اور امر میں سنوئی پختہ کی ہونا مسودہ لکھ رہا ہوں

پھر لکھتے ہیں :

سترہ سو سولہ روز پہر زنف ہے۔ میری ستر برس کی عمر ہے اس میں اخرب ہوا، محافظ گیا  
کبھی تھا ہی نہیں صاحبہ اہل بہت دن سے تھا۔ رفتہ رفتہ وہ بھی محافظ کی مانند مدوم گھا  
اب سینہ بھرتے یہ حال ہے کہ جو دست آتے ہیں رسمی پشش مزاج سے جلد کر جو  
ہوتا ہوتی ہے وہ کاغذ پر لکھ دیتے ہیں۔ غذا محفوظ ہے صبح کو تھوڑا اور بیڑہ باوا تم شتر  
دو ہر کو گشت کا پانی سر شام تلے ہوئے چار کباب سوتے وقت باخا دے پے بھر  
شروب اور اسی قدر کباب زنف ہوں پیچ رہوں۔ ماسی ہوں۔ غماض ہوں۔ دویا  
ہوں۔ یہ شرمیر تھی کا میرے سب حال ہے ۵

مشتہ ہیں عالم میں مگر جہل بھی کہیں ہم

القصہ نہ دے پے زو ہمارے کہ نہیں ہم

۱۸۶۶ء | ۱۰ اپریل ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں میر غلام بابا خاں کو لکھتے ہیں :-

امراض جہانی کا بیان اور انخاص ہوگی شیع کے بعد جو جم قرأتے نہائی کا ذکر کیا کہ  
جیسے اب یہ پاد چھا جاتا ہے۔ باڈی ملانے سے نہیں اشد ہی اشد ہے۔

اسی حالت میں ۱۸۶۶ء ختم ہوا اور ۱۸۶۶ء شریف ہو گیا۔ غائب اگرچہ ہمہ تن محو کماض

بن چکے تھے لیکن یہ علم نہیں ہو سکا کہ موت کا قریبی سبب کون سا مرض بنا۔

مرض الموت | غرابہ خالی فرماتے ہیں کہ مرنے سے چند روز پیشتر کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ بے

ہو جاتے۔ پہر پہر دو دو پہر کے بعد خذنت کے لئے انا قہر ہوتا پھر بے ہوش ہو جاتے۔ وفات

سے ایک روز پیشتر غرابہ خالی عیادت کو گئے۔ تو کئی پہر کے بعد انا قہر ہوا اٹھا اور نواب

علاء الدین احمد خاں کو خط لکھوا رہے تھے۔ نواب صاحب نے حالت پر بھی تھی اس کے

جواب میں لکھوا یا۔

میرا حال ابھی سے کیا پرچھے ہوا ایک آدمہ روز میں مہیادوں سے پرچنا۔

اسی خط میں ایک شعر بھی لکھوا دیا تھا جس کا صرف ایک مصرعہ خواجہ عالی کو یاد رہا :

نہ کرو ہجر مرا اپن سر تو سلامت

آخری عمر میں اپنا یہ شعر اکثر چھتے رہتے تھے ۔

و م واپس بر سر راہ ہے

غزیرا ب اللہ ہی اللہ ہے

وفات : غرض ۱۸۶۹ء (مطابق آخری قہر ۱۲۸۷ھ) کو وہ بے شعر کا یہ درختانِ حق  
جس کی عالم تابی دھواضیہ کے لئے سرما پے نازا اور تہرون آئندہ کے لئے سنا رہا دیتا  
ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون ۔

تمام کا پرشہرناز سے میں شریک ہونے شیعہ حضرات اپنے طریق پر مراسم تجنیف و تکفین اور  
کرنے کے خواہاں تھے ۔ لیکن ذاب ضیاء الدین احمد خاں نے جو قاتل کے مذہبی خیالات کو ملک  
کے سب بڑھ کر راز دان تھے ۔ اس کی اجازت دی ۔ اور تمام مراسم طریق اہل سنت کے  
مطابق اور کئے ۔ دہلی دروازہ کے باہر ناز جنازہ پڑھی گئی ۔ اور حضرت شیخ نظام الدین خاں علیہ  
السلام کی درجہ کے قریب ذاب الہی بخش خاں مودت کے طرز کے پاس دفن کئے گئے ۔ بعد اللہ تعالیٰ  
منجھہ عالی ۔ بھرتی اور دوسرے شاگردوں نے پروردگار شہید کیے ۔

مزار : غالب جس احاطہ میں مدفون ہیں ۔ اس میں کم بیش چوبیس قبریں ہیں یا عاقل کے اور گو قریب  
پانچ فٹ اونچی دیوار ہے ۔ تمام قبروں کے تعلق ٹھیک ٹھیک نہیں کہا جاسکتا کہ یہ کس کی ہیں لیکن  
بعضی طور پر معلوم ہے کہ قاتل کے علاوہ اس احاطہ میں ذاب الہی بخش خاں مودت میرزا علی بخش خاں  
رنگور ذاب زمین العابدین خاں عارف میرزا باقر علی خاں کاتل اور عظیم صاحبہ غالب بھی دفن ہیں  
بقیہ قبریں بھی یقیناً اسی خاندان کے افراد کی ہوں گی ۔

غالب کی قبر پر پڑنے کا پتہ ہے ۔ مرا نے سنگ مرمر کی ایک لوح نصب کی جس پر ہے

رنگ عینی و نقر غالب

اسد اللہ خان غالب مراد

مزار غالب



کے علاوہ میر ممدی محمدی کا یہ قطعہ تاریخ گندہ ہے ۵

کل میں غم و اندوہ میں باغاط محضوں      خفا حربت اُستاد پہ پیشا ہوا غناک  
دیکھا جو بچھن کر میں تاپنے کے بھوج      اُتف نے کہا گنج سانی ہے تنہا ک

درستی مزار کی کوششیں اُمیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم جب اپنے مشہور اخبار کا مرید لکھنؤ سے دہلی لائے تھے۔ تو انہوں نے مزار غائب کے لئے چند کے کی تحریک فرمائی تھی۔ اس دس کو حضرت غائب اپنی وسیع سیاسی مصروفیتوں کے باعث اس تحریک پر پوری توجہ نہ فرما سکے۔ حال میں خواجہ حسن نظامی صاحب اور بعض دوسرے ارباب علم و ادب نے غائب سوسائٹی کی بنیاد رکھی ہے مزار غائب کی کوشش کے علاوہ ایک غائب ڈال بھی بنانا چاہتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحب اس باب میں سعی بلیغ فرما رہے ہیں۔ غائب کا مزار کے پاس ایک قطب زمین تھا جسے حکیم حاجی عبد المجید صاحب مالک احمد دودا غاٹہ دہلی (خازن غائب سوسائٹی) نے اپنے پاس سے مستقل قیمت دے کر خرید لیا اور غائب سوسائٹی کے حوالے کر دیا۔

ایک اور قطب زمین حکیم صاحب محمد قاسم خاں مرحوم دہرادیلان مسیح الملک حکیم علی خاں کو ملے حکیم محمد احمد خاں صاحب کی سفارش سے عطا فرمایا۔ غائب ڈال کے لئے دس ہزار روپے کی ضرورت بتائی جاتی ہے۔ خواجہ حسن نظامی صاحب فراہمی نہیں صرف نہیں۔ مناسب رقم جمع ہو جائے پر مزار کی ترمیم بھی کی جائے گی اصل کی تعمیر کا مدعی شریعہ کو دیا جائے گا۔



# بارھواں باب

## خلاق عادات اور متفرق حالات

نہ بخشنده شایہ کہ باہر بہد      بہر بار نہ پیل باہر بہد  
کہ تا پیل ز انجا بر آگینے      نہش بگدایاں فروزینے

غالب کے اخلاق کا بات بہت مستحی ہے لیکن ان کی نظم و شعر کے سمندر میں سے ان شہوار  
موتیوں کو اکٹھا کرنا بے حد مشکل ہے۔ اگر نہ سنے کی دشواری سے بے پروا ہو کر اس منزل کو طے کیا  
تھو کیا جائے تو ظاہر ہے کہ ایک بہت بڑا اور تیار ہو جائے گا جس میں غالب کی نظم و شعر کے  
انکڑھے جو ترتیب مختلف شال کوڑے پڑیں گے۔ بلکہ بعض حصوں کو مختلف عنوانوں کے تحت کئی  
کئی مرتب نقل کرنا پڑے گا۔ لہذا میرے سنے اس کے سوا پارہ نہیں کہ اس لفظ عکایت کے چند نمایاں  
عنوانات اختصار کے ساتھ پیش کروں تاکہ شخص غالب کا ایک عام چکاڑا انکھوں کے سامنے آجائے۔

سادہ دل و درہست گشتار | غالب نے ایک فارسی خط میں سرایح الدین احمد خاں کو لکھا ہے۔

تسلطہ کہ سادہ دل و درہست گشتارم آفریدہ اندر بہرہ دودل و دشمن بہ زبان پاک و قلم

ان چند لفظوں میں ان کے اخلاق کی پوری تصویر گئی ہے۔

ایشا رکھ | اوروں کا رتبہ میں ایک جاگہ فرماتے ہیں۔

قلندری و نادانگی و ایشا کہ کم کے جو دودلی میرے خالق سے بلکہ میں بھی ہوں بھینڈا ایک غلام

میں نہ سنے۔ شہ و طاقت جہانی کو دشمن اندر میں مولیٰ اس میں غرضی اور دشمن کا ایک دشمن نہ

کی دسی کے لشکروں اور سپاہیوں پہلے دوسرے کبھی شیروں یا غلام کبھی بندوں یا شہر کبھی بخت یا پھنچا

لے کیا بات نثر غالب صفحہ ۱۳۰۔



۱۰۰ دھکام کہ ایک عالم کا سیران بن جاؤں، اگر تمام عالم میں دھوکے دہی میں شہر میں لپکا  
اس شہر میں تو میرا کھٹا کھٹا نظر آئے۔

یہ شاعری نہیں، سخن طرازی نہیں، عیاں مآرائی نہیں، بلکہ حقیقت و واقعیت ہے، اور محاسب  
کی داستان حیات کا ہر ورق اس پر گواہ ہے۔

اسی طرح ٹھنڈی بگڑ گئیں پسند منا ہات، اشد تناسل کو غائب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ  
میرے کردار و افعال کا حساب نہ لے۔ اگر محاسب ناگزیر ہو تو پھر مجھے بھی اجازت دے تاکہ جو جو  
حسرتیں دل میں باقی ہیں، انہیں قلم سے بیان کر دوں۔ تیرے حکمران عدل و انصاف کی طرف سے جو جو  
میرے فتنے ثابت ہو۔ اس کے مقابلے میں حسرتوں کی ایک صف کھڑی کر دوں، اس طرح جو جو  
آتشکارا ہو جائے گا کہ میرے جرموں کے مقابلے میں میری حسرتیں زیادہ ہیں۔ اس ضمن میں  
اپنے جذبات و دعائی کو نہایت سہم و احتیاط پر پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

ہانا تو دانی کہ کا غریب	پرستار نور شیدائے اندر نیم
کہ شتم کے مابہ اپنی	خبر دم دس مایہ زنی
مگرے کوشش بگویم آدو	چہ جنگاں میرے اندر میرے آدو
من اندو گھین سے اندو رہا	چسے کر دم اس بندہ پر
مساجد و راستی گم	درمیشد و بہرام و پرویز
کہ از باوہ تا چہ اندو تختہ	دل دشمن و چشمہ دشمن
خدا من کہ انتا ہے گا چکا	بدین زنج کہ وہ ہنم سیا
ذبتاں سڑے نہینجا	ندست اسرارے نہ جاتا
ذرقص بری پکیاں بیٹا	ذرقصاں بری پکیاں بیٹا

بے نواؤں سے سوروی | پھر فریاد ہے کہ زندگی میں جو کچھ بھگایا، اسے کیا بیان کر دوں بیان

کرنے کا وقت ہی نہ رہا۔ بہاویں آئیں لیکن میں کسروسامانی کامی رہا، حق پشادمانی افزا بادل چھا  
لیکن میرا جام سفایں شراب غالی رہا، اگر بیش کا کوئی کو صیب بھی ہوا تو اس کی حیثیت قس سبل  
کی سی تھی۔ رشتہ درست ہوا تو اگر ہر ٹوٹ گیا، شراب مہیا ہوتی تو پھر ٹوٹے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

گیہی دیم بے نوا، دشتی و لہا اسیر مراد دشتی

دخشنہ شاہے کا بیٹا بہرہ رز سبیل بارہم دہ

کوچوں پل زانجا برنگینز ندش برگدایاں فروز

گر یا اگر دولت اور صلہ کی خواہش تھی تو اپنی ذات کے لئے، اپنی آسائش کے لئے اور  
اپنی راحت کے لئے ذہنی بلکہ اندویش تھی کہ پادشاہ بلائے، اہم مرتبہ تھی پر لا ذکر درو جاہر عطا کر  
غائب نام تھی کرے کہ یا ہر شخص اور درو جاہر فقیروں پر ساتے جائیں۔

پیکر من اخلاق | خواہ جاتی اپنے مشاہدات کی بنا پر فرماتے ہیں :-

میرزا غائب، اکے اخلاق ثابت و سچ تھے۔ وہ ہر ایک شخص سے جہان سے ملنے جاتا

خاصیت کش وہ پیشانی سے ملتے تھے جو شخص ایک وطن سے ملتا تھا اس کو پیشانی

ملنے کا اشتیاق رہتا تھا۔ دوستوں کو دیکھ کر وہ دماغ دماغ ہو جاتے تھے اور ان کی خوشی

خوش آمدان کے خم سے ٹھکین ہوتے تھے۔ ان کے دوست ہر صفت اور مذہب کے ذمہ

دہلی میں بلکہ تمام ہندوستان میں بے شمار تھے جو خطوط انہوں نے اپنے دوستوں کو لکھے۔

ان کے ایک ایک حرف سے مروت و مغوری و محبت کی پٹی پڑتی ہے۔ ہر ایک خط

کا جواب لکھتا وہ اپنے ذمے فرض میں سمجھتے تھے۔ ان کا بہت سادقت و دھوکے خلیوں

چاہنے میں صرف ہر تھا۔ پیری اور نجیب کی حالت میں بھی خلیوں کو دیکھنے سے باز نہ آتے تھے

تھے۔ وہ دوستوں کی فرمائشوں سے کبھی تنگ دل نہ ہوتے تھے۔ خزاں کی پہلوں کے

موا اور طبع کی قربائیں ان کے بعض خاص و شخص دوست کرتے تھے۔ اور وہ ان کا

ان کی تشیل کرتے تھے۔ مروت اور محبت ان کی طبیعت میں بہ درجہ غایت تھا۔۔۔۔۔ اگرچہ

مرد کی آمد فی قلیل تھی مگر وہ سدا فرخ تھا۔ سائل ان کے دروازے سے غالی آتھ  
کہہ جاتا تھا۔ ان کے مکان کے آگے ننگڑے ٹرے اور اپانچ مرد و عورت ہر وقت  
پڑے رہتے تھے۔ خدر کے بعد ان کی آمد فی کچھ اوپڑا پڑا سو روپیہ باہر اتر گئی تھی  
اور کھانے پینے کا خرچ بھی کچھ لیا پڑا تھا مگر وہ فریبوں اور غیبوں کی حد اپنی  
مباہط سے زیادہ کرتے تھے۔ اس لئے اکثر تنگ رہتے تھے۔

فرخ کو مٹلی اخراجہ عالی نے ان کی فراخ کو مٹلی کے دو واقعات لکھے ہیں۔ ایک مرتبہ عقد  
بعد انہیں نفٹ گورنر کی طرف سے سات پارچے کا غلط مع تین رقوم جواہر کے ملافتنی  
کے چہرے اور بعد ازاں ایک کے مطابق انعام لینے کے لئے آئے۔ غالب کو پہلے ہی سے معلوم  
تھا کہ انعام دینا ہو گا۔ چنانچہ انہوں نے چہرے کو ایک الگ مکان میں بٹھا دیا اور غلط  
مع رقوم جواہر بغرض فروخت بازاریج دیا جب بازار سے غلط کی قیمت آئی تب چہرے کو  
انعام دے کر رخصت کیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ غالب کے ایک امیر دوست جن کی حالت خدیں بہت ختم  
ہو گئی تھی چھینٹ کا فرئل پہنے ہوئے ملنے آئے۔ غالب نے انہیں کبھی مالیدہ یا جامہ دار کے  
چنوں کے سوا انہیں دیکھا تھا چھینٹ کا فرئل دیکھ کر غالب کا دل بھڑک اٹھا۔ امداد کا خیال پیدا  
ہوا لیکن دوست کی دلدادہی کا تقاضا یہ تھا کہ اس کے ساتھ ایسے طریق پر سلوک کیا جائے  
کہ اسے اپنی بچاؤ کی اور بے بسی کا احساس نہ ہو اور پیش کردہ بدیہ کو قبول کرے ہوئے عارضہ  
غالب نے اس غرض کو مد نظر رکھ کر چھینٹ کے فرئل کی بے حد تعریف کی۔ پوچھا کہ چھینٹ کہاں  
سے لی ہے۔ اور وہ دوست کی کہ بھئی بھی اسی کا فرئل بنوا دیا جائے۔ دوست نے بے تکلف کہا  
کہ اگر آپ کو یہ بہت پسند ہے تو ہی لے لیجے۔ غالب نے کہا کہ جی تو ہی چاہتا ہے کہ آپ نے بھی  
چھینٹوں لیکن جاڑا شدت سے چڑا ہے۔ آپ یہاں سے صحتانک کیا پس کر جائیں گے  
اس کے ساتھ ہی اپنا مالیدہ کا نیا جڑا نہیں پہنا دیا۔ ایک نازک دل اور نازک احساسات والے

شاعری شان دوست (انسی ایسی ہی برنی چاہتے تھی۔

احسان لینا گوارا نہ تھا | غائب کسی کا فدا سا احسان بھی گوارا نہیں کسے تھے۔ ”دوستنبوان کے گھر سے دوستوں اور شاگردوں (حقیر، تہرا و تفتہ) کے زیرِ اہتمام ان کے ویرینہ نیاز مند منشی شیون رائے کے مطبع میں چھپی تھی پچاس جلدوں کی قیمت رائے اسید سنگھ اندور وائے نے ادا کر دی تھی۔ ان میں سے بیشتر جلدیں غائب کو لکھی تھیں۔ ان جلدوں کے بعد غائب نے ”دوستنبوان کی جتنی جلدیں منگوائیں قیمت بھیج کر منگوائیں تفتہ کو لکھتے ہیں :-

میں نے ایک بار سات روپے کی ہندی بھیج کر بارہ جلدیں اور چھتری ان کے منگوائی۔

پھر ان کا اشارہ آنے کے ملک بھیج کر دو جلدیں کھنڈ کو ان کے انصاف سے دیکھ کر دیا۔

اور اس کے بعد اشارہ آنے کے ٹکٹ بھجوا کر دو جلدیں وہیں سے سرو چنے بھرا دیں و غرض

اس تقریر سے یہ ہے کہ میں بد اس پچاس جلد کے سوا جلدیں اور ان سے بچا ہوں۔

مگر تفتہ قرض میں سے نہیں منگوائیں۔

اسی طرح انصاف نے اپنی کلیات کے جتنے منصفے منشی نوکشور سے منگوائے ان کی قیمت کی

دوستوں کی خدمت | دوستوں کی ہر خدمت کے لئے وہ ہمیشہ تیار رہتے تھے۔ منشی ہر گز بول تفتہ نہ

نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفہ اور نواب ضیاء الدین احمد خاں شیر کی ترویج میں قسیدے لکھے

تھے۔ غائب تفتہ کو ان کا صلہ دلوا دیا۔ وہ خود تفتہ کو لکھتے ہیں :-

تم کو معلوم رہے کہ ایک صوفی حضار سے یہاں آنے میں ان کو میں نے قضا سے ٹکرا دیا۔

۱۱۶۶ء میں کیا حضار ہی خدمت میں بھیجیں گے تم کو قبول کرنا ہر گز کہے یہ کہ نہ؟

یعنی نواب مصطفیٰ خاں صاحب دوسرے صوفی یعنی نواب ضیاء الدین احمد خاں کوہا خرو بھر

۱۱۶۶ء ہاؤس کی جنوری میں حاضر ہوئے گے۔

چند شاعری خصوصاً منگوائی گئی | دوستوں کی امداد میں کسی انصاف نے سال ذکیا۔ ان کی آمد ہمیشہ یہی

کہ ہر لوگ ان سے وابستہ تھے وہ دیا وہ سے نہ دیا وہ فروغ پائیں۔ دہلی کے مشغول ڈپٹی کلکٹر صاحب

رضعت لے کر ہاڑ پھرنے اور ان کی جگہ بیٹی گن صاحب عارضی طور پر بیٹی ٹکٹری مقرر ہوئے نہیں  
ہندوستانی خوراک کا ایک انگریزی تذکرہ لکھنے کا خیال تھا۔ غائب کے بھی مدد مانگی۔ غائب نے فریب  
ضیاء الدین احمد خاں سے شعور کے تذکروں کی سات کتابیں مستعار لے کر بیٹی گن صاحب کو  
بجھوائیں اور زندہ شعور کے حالات و خود کو کران کے پاس بھیج دیئے۔ ان میں فنی ہر گوبال  
کے حالات بھی لکھے تھے۔ بیٹی گن صاحب نے غائب کو خود بھی قفقز کو خط لکھا تھا قفقز کے دل میں خیال  
پیدا ہوا کہ اگر غائب خود بیٹی گن صاحب کے پاس جا کر سفارش کریں گے تو ان کے متعلق خیال وہاں  
الفاظ کو لکھے جائیں گے۔ انہوں نے ایک خط کے ذریعہ سے غائب پر اپنا یہ خیال غما پر بھی کر دیا تھا  
لیکن اس اثنا میں بیٹی گن صاحب عارضی طور پر ٹکٹری کی موت پڑی کر بچنے کے بعد عدالت خفیہ  
کے جج ہو گئے تھے۔ اور شہر سے باہر فاصلے پر رہنے لگے تھے۔ غائب قفقز کی خاطر پھر بھی ان کے  
پاس جانے کے لئے تیار تھے۔ وہ خود قفقز کو لکھتے ہیں۔ کہ بیٹی گن صاحب کے فنی منظر کو جھٹکا  
آئیں گے ان سے

حال معلوم کر کے اگر میرا جان یا لکھتا تھا ہی خلق کا سبب ہو گا تو ضرور دیر بیٹی گن صاحب کے

پاس (جاؤں گا۔

سفارشوں کے لئے مستند | سفارشوں کے باجے میں وہ بڑے مستعد تھے۔ فریب میر علی نقی خاں کے  
عالی خاندان آدمی تھے۔ فریب ذوالفقار خاں اور فریب اسد خاں مانگی کی اولاد میں سے  
تھے۔ وہ نوکری کی جستجو میں غنیمت فریب سید بہ الدین احمد کو سفارشی خط لکھا فریب نے ہیں:

آپ ان کی اسی نقی خاں کی تنظیم دفتر قبیل کوئی دقیقہ فرو گزشتہ کریں، اور سچ ٹھال

سب ان پر ظاہر کریں، اور انہیں اعلیٰ سرکار سے ملا دیں، اور باوجود صاحب کے جہان کو ٹوڑیے

فریب راہ خط جو آپ کے نام ہے جناب باوجود صاحب کو پڑھوا دیجئے کیا طب ہو کہ یہ سراسر مکر

ہو جائیں، اور اگر نوکری کی صورت نہ پنے تو راج سے ان کی رضعت، یا جن شہادت میں لکھا

فریب اسد خاں مانگی کے در پہنچے، اور فنی سیروں کا بھایا ہو تھا۔ جب فنی سیر سے ذوالفقار

کہ مرڈالا تو اوروں نے کتب و تاریخ ظاہر ہے کہ سلطنت کیسی برہم ہو گئی۔ وہ خود ملک پر کیا گزری۔ قصہ کوتاہ ان کی تعریف میں جو حاج آپ صرف کریں گے اور جس تعداد میں کی بیہودگی گشت کریں گے احسان بجا ہو گا۔

تواضع اور عاجز متواضع صاحب عالم مارہروی نے غالباً لاگو بند پر شاہ صاحب کو سفارشی خط لکھ کر بھیجا تھا۔ اور غالب کو براہ راست بھی لکھا تھا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-  
لاگو بند پر شاہ صاحب ہنوز میرے پاس نہیں آئے ہیں۔ دونا و دیش فقیر ناکا نہیں تواضع میری غرض ہے انتفاع مفاد خلق میں حتی الوسع کمی کروں تو ایمان نصیب نہ ہو۔  
انٹ مارٹا مغز وہ فقیر سے راضی و خوشنود رہی گئے۔

خدا کشیدہ الفاظ سے غالب کے کمال حسن اخلاق اور جذبہ خدمت خلق کی حیثیت نہایت اچھی طرح آشکارا ہو سکتی ہے۔

قیدیوں کی سفارشی | غالب انور اللہ نے غالباً دو قیدیوں کے لئے سفارشی خط طلب کیا تھا جنہیں لکھتے ہیں کہ حکم طیب خاطر کیا لانا ہوں مگر یہ فرمایا کہ کیا لکھوں اور خط کس کو بھیجوں نیز سفارشی کا مقصود کیا یہ ہے کہ قیدی ہندوستان میں رہیں اور انڈیا ہاؤس نہ جائیں یا یہ ہے کہ کاٹھارہ ہو جائیں آخر میں فرماتے ہیں :-

بہر حال اس خط کے ساتھ ایک اور لفظ لکھنا چاہئے کہ نام کاروانہ کرتا ہوں۔ اس میں صرف ایک خط سرور مشقی صاحب (جن کے پاس سفارشی میرزا فیضی مناد رہتی) ہے کھلا ہوا۔ اس کو چھڑکا ہوا میرالدین کے پاس بھیج دیکے گا اگر گوند کھاکر دینی بند کرے گا اگر یہ خط نہ ہو تو میری طرف سے کوئی صاحب کے نام کا خط لکھ کر میرے پاس بھیجے اور لکھ بھیجے کہ اس سہوہ کو صاف کر کے کہاں بھیجوں۔

دوست فردوسی | غالب حسین مرزا کی ہر چیز قدر میں تباہ ہو چکی تھی۔ ان کے بھائی مظفر اللہ ولد مارے جا چکے تھے۔ انہیں ایک خط میں لکھتے ہیں :-

انگوں کی سیری جان بھی تھامے گا مائے تو میں حاضر ہوں۔ چنانچہ تحفہ لکھ رہے ہیں کون کیسی جان مانگتے ہیں کون جان دینا ہے مگر جو لکھ کر کہتا رہی ہے۔ اور جو سیری و ستر ہے اس کو میرا خدا و میرا خدا خدا (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) مانگتا ہے۔ وہ سترس کو تم میں جانتے ہو افشا رہا مندرجہ  
 ۱۰۰ آج بھی تو میری آغوش اور گھر چھوڑ کر کام تو کر رہے ہیں میرا خدا (حضرت علی کرم اللہ وجہہ) مانگتا ہے۔

اس کے بعد اگر کہے کہ وہ صاحب بن مرزا کے ساتھ کار کو مختلف طریقوں سے سمجھا دیکھا اس بات پر راہنی کیا ہے کہ وہ خواب صاحب کو کچھ اور روپیہ بھیج دے۔

منشی شیخ خزان کو لکھتے ہیں :-

میں اب قلم نگہ بست نیک بخت اور شرف اور ہر مندا آدمی میں۔ اتنی عزت میں ہونے کے چھاپے کا کام کرتے تھے چونکہ وہ چھاپہ خانہ اب انگوں سے ہے۔ یہی وہی آتے ہیں۔  
 تھامے پاس حاضر ہو کر گئے ان پر بانی رکھنا۔ وہ شعر لکھا ہے ان کو تھامی خدمت میں  
 شت سانی رہے گی۔ تو یہی بات ہے صافی کا کام بھی چند ضرورت کر لیتے ہیں۔ شاید اگر  
 وہی کر لیں ان کا طرہ دوست نہ ہو تو اس صورت میں بشرط گنجائش اپنے طبع میں لکھنا۔

میر خانی مرحوم | منشی شیخ خزان نے ایک رسالہ تمیاز شعرا کے نام سے نکالا تھا جس میں مختلف شعرا کی غزلیں چھپی تھیں۔ میر خانی مرحوم و مخفور نے بھی اپنا کلام بطریق شاعت بھیجا تھا لیکن منشی شیخ خزان نے تمیاز شعرا میں ایک عبارت شائع کر دی کہ جب تک ان کا پورا نام و نشان معلوم نہ ہو گا ان کا کلام چھپا جائے گا۔ غالب نے تمیاز شعرا میں یہ عبارت دیکھی تو فوراً منشی شیخ خزان کو لکھا کہ :-

یہ میرے دوست ہیں۔ میرا صوفی کا نام ہے۔ اور اگر لکھ کر لے لیں۔ لکھ کر لے لیں۔  
 باشندہ دل میں ہیں۔ اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور صاحب رہے ہیں اور اس دور  
 عام چرخ خواب صاحب کے پاس ہیں ان کی غزلیں تھامے پاس بھیجنا ہوں۔ میرا نام لکھ کر  
 ان غزلوں کو چھاپ دو یہی تو میں نا آگے تھامے پاس بھیجیں۔ اور اس کا آگے لکھنے سے  
 ان کا تھامہ مرحوم کا نام اور ان کا حال معلوم ہوا۔۔۔۔۔ اس کو تمیاز شعرا میں چھاپ کر ایک ورق

یا چارہ و در تمام ہریان کے پاس بھیج دیا اور سرزمین پر لکھو کہ وہاں سرزمین پر دولت منور ہے چاہے کچھ  
 مولوی امیر احمد چنڈا اور کچھ کاس کی خلق ہو۔

شعرا صاحبان رفاقتوں کے لئے خاص طور پر سوچا ہیں۔ بالخصوص جب ان کا دائرہ تشیع مالی  
 ایک ہو تو ایک دوسرے کی مشرت و ناموری کے لئے کوششوں کی توقع ہی نہیں کی جاتی چاہے  
 لیکن غائب کی ذات ایسی رفاقتوں سے باہل یا لافنی۔ اگرچہ ہمیں معلوم ہے غائب کی طرح  
 سرکار و رام پور کے متعلق تھے لیکن غائب کو ان کی تعریف بکثرت میں قضا نامی نہیں ہوا۔  
 یہ صرف چند مثالیں ہیں۔ غائب کے رفاقت میں دوستوں اور تنوٹوں کی اداؤں کی  
 مثالیں بہت ملتی ہیں۔ دوست علی خاں خزانہ کے ایک شخص شاگرد تھے مستعد و مخلص ہیں  
 ان کے خاص بیان کئے ہیں خود بھی باوجود وقت مدخل ان کی اداؤں میں دینے نہیں فرماتے  
 دوستوں کی برائش دوستوں کی فرمائش پوری کرنے میں وہ بڑے سرگرم تھے ان کے پاس ہر چیز اپنے  
 اور گنیمت کاندہ کرانے کی فرمائش بہت آتی تھیں مخلصوں میں ان فرمائشوں کی تعمیل کا ذکر  
 کسی جگہ آیا ہے۔ وہی سے جوتے اور ٹوپیاں بھی دوستوں کو بھیجے رہتے تھے۔

بھار غائب اپنی مع دستاویز سے بہت گھبروتے تھے ان کے دوست اور شاگردوں کی  
 مع میں قصیدے لکھتے تھے۔ تو جواب میں حدود کا افساد فرماتے تھے صاحب عالم باپری  
 کی ایک مدحیہ نظم کے جواب میں لکھتے ہیں:-

خدا کی ہندہ لڑائیاں ہیں کہ ہر جنگ آفرینش کو اپنے خاصان ہاتھ سے بھرا کر لانا ہے۔ ظاہر ہے کہ  
 مقدوس یہ سادات حق یعنی صاحب عالم کا مدحیہ قصیدہ کہ اس دہائے عام میں جیتا بجا اشد  
 اشد شریفی و سخی کو جو پہلایا، مدح جو اس لئے کو پہنچا یا کہیں عرض کو، پانچمین فرمود بنا ہوا  
 کہیں بیٹھ کر اپنا پائیں باغ قصہ رکھتا ہوں، اسے خدا کے اور شاعر فرماتے گا وہ چند غلطی  
 کا دھونے کہنے میں ملایا ہوگا۔

خاصی و بکریل بریلوی نے تفریف میں قصیدہ لکھ کر بھیجا ان کو لکھتے ہیں :-



اگر مجھے قوت، لفظ پر تصرف، باقی، اجزاء، توفیق، دیکھ کر غیب میں ایک قصہ اور حضرت کی طرح  
میں ایک قصیدہ لکھتا۔

ایک اور خط میں قاضی صاحب بھی کو لکھتے ہیں :-

وہ رہا ہی جاتا ہے اس ہنگ آفرینش کی بیج میں لکھی اس کا جواب ہنگی ہے وہ کو خوش ووداد ہے  
تیسرے خط میں لکھتے ہیں :

مجھے کہیں شہر نہ کیا میں اس شہر ووداد کے قابل نہیں۔ مگر چہروں کا شیوہ ہے بہوں کو اچھا کہنا  
اس بیج گسری کے عوض میں آداب بھلا لاہوں :-

تفسیر نے بچا دہ روزگار سنا وہی بیج میں ایک قصیدہ لکھا تھا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-  
حضرت اس قصیدہ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ کیا کیا شرفاے میں لیکن انوس کہے کل وہ  
ہے یا ہیں اس بیج اور اس صدمہ کا بھیندہ وہ حال ہے کہ ایک طرف چھوٹا کاپی کا وقت آگیا ہے  
خدا تمہیں سلامت رکھے۔ وہاں سب صوفی کے فرما دو :-

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

میرزا آقا کیا کہنا ہے ذرا بچا ہے سے نہ نواب کا مدد و تفسیر، شاکر مدد شہزادہ فرما اور صوفی  
و نواب، مرزا و مدد نوری :-

مرحوم | مرحوم کا یہ عالم تھا کہ اگرچہ آخری عمر میں بہت کمزور ہو گئے تھے اور آلام جہانی کا جہرم  
تھا۔ لیکن جو لوگ بلا و فحشیت و شہسائی بھی ان کے پاس نکلا نہ بیچ دیتے تھے۔ اس کو بغیر دیکھے  
اور اصلاح کئے واپس نہیں فرماتے تھے۔ تخلیف کی حالت میں چھوٹوں بڑوں سب کے ساتھ یکساں  
کرتے تھے مثلاً جن دوزخ و ضعف و باغ اور وہاں سر میں مبتلا تھے، ان دوزخوں جہاں عام شہزادوں  
کا کلام نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہاں نواب رام پور کے کلام کے ساتھ بھی یہی سلوک ہوتا تھا حالانکہ  
وہ سرکار رام پور کے مستقل و خطبہ پاتے تھے ۱۸۶۶ء میں انہوں نے اپنی بیجا رنگی کی کیفیت  
مکمل الاخبار اور اشرف الاخبار میں چھپوا دی تھی اور خطوں کے جواب یا مصلح اشخاص سے معذرت

پہلی مئی سینکڑوں لوگ بدستور نہیں خلا بیٹھے تھے نیز اشعار، اصلاح کے لئے آتے تھے اور وہ شہر بند  
ہوتے تھے۔

اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ منشی شیروازن سے "دستنبیو" کے جتنے نسخے اُمید نگار احمد  
وہاں کے پچاس نسخوں سے دائرہ مکمل کئے قیمت دے کر منگائے لیکن جب میان اوہاں  
سیاح نے کتابوں کے لئے روپے بھیجے تو بہت نامادامہ ہوئے فرماتے ہیں:-  
صاحب تم نے یہ چکا دیا ہے کہ ملک کیوں بچ رہا ہیں لوگوں کو فوج و قاتل یہ حرکت  
بھی پسند قاتی تم نے بہت بڑا کیا۔

قدوہرک احمدزادہ بشیر الدین مسوری نے غالب کی تصانیف طلب کی تھیں نیز ان کی قیمت  
پر بھی مئی، اس وقت غالب کے پاس فارسی دیوان احمد و مستنبیو کے سوا کوئی چیز نہ تھی۔ وہ ان میں  
بیچ دیں اور شہزادہ کو لکھا:-

میرزا حسن صاحب قیمت چوبیس سو تھمہت بشیر الدین غلام احمد صاحب قاتل احمد صاحب  
دفعہ دیا یہ بخود ہم سوا اگر میرزا چارم کتاب فوج و فہمہ علامہ نگینہ ہوا ہر تہہ احمد صاحب  
شہزادگان فرستادہ بہت و ہر چہ شہزادگان بہ آواز دکان بخشد چرک سچ و شرفیست چنانچہ  
بہت ہر چہ فرستادہ ام احمد صاحب بہت و ہر چہ احمد صاحب فرستادہ احمد صاحب۔

ان میں متنازعہ تھے | غالب نے مطالعہ کے لئے کبھی کتاب نہیں خریدی ہمیشہ کتابیں مستعار لے کر پڑھ  
لیا کرتے تھے اور وہیں کر دیا کرتے تھے وہ خود لکھتے ہیں:-

دوہر کر دینی احمد صاحب فرستادہ احمد صاحب ایک شخص چاہا ہوا یا میں کتاب کو دیکھتا ہوں انہیں

حافظ | میرزا محمدی جرجی کے نام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے تھوٹھے اشعار مستعار  
منگائی تھی۔ نواب علاء الدین احمد شاہ دہلی لوہارو سے فرزند گمانات و ساتیر منگائی تھی۔ حافظ  
بلال کا تھا جو کتاب ایک مرتبہ دیکھ لیتے تھے۔ اس کے تمام اہم اور ضروری حصے ذہن میں محفوظ رکھتے  
تھے اور وہ اپنے سفر لے لے۔

تھے۔ سادہ کا کلام ہی ہے غلفی کے ساتھ سند میں پیش کیا کرتے تھے۔ قاطع بران انہوں نے  
محض غلطی کی بنا پر مرتب کر دی تھی۔ اس زمانے میں تبران قاطع اور سائیر کے سوا  
ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔

ابن تیمیہ کتاب فہمی اور مصطاب رسی کے متعلق خواجہ جانی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ فاضل  
خان شیعہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ایک سادہ دیکر ہے تھے جو خائف و سارنگ کے قریب مسائل  
پر مشتمل تھا۔ ایک مقام پر میں نے آیا۔ اسی اثنا میں غائب آگئے۔ زب صاحب نے وہ مقام غائب  
دیکھا یا۔ انہوں نے کسی قدر غور کے بعد اس کی یہی علت تشریح کر دی کہ شاہ ولی اللہ بھی شاید  
اس سے بہتر بیان نہ فرما سکتے۔

شعروں کی دلفراہی | غائب کا عام طریقہ یہ تھا کہ جب تک حقیقی اچھا شعر نہ ملتا وہ تعریف نہ کرتے  
بلکہ خاموش بیٹھے رہتے۔ خواجہ جانی فرماتے ہیں کہ اس بنا پر ان کے بعض معاصرین ان سے آغوش  
رہتے تھے۔ اور ضعیف و کمزور کی شاعری پر طبع کی کٹھ چڑیاں کرتے تھے۔ غائب اگرچہ جتنا  
صلح برتتے۔ بیہشخص کی دلکاری کا انتہائی خیال رکھتے تھے۔ بلکہ شعرا کی جاوید سبزیں راہ حق  
بال برابر بھی انحراف گوارا نہیں کرتے تھے۔

سلامت ہی | وہ نہایت سلیم الطبع تھے۔ خواجہ جانی نے بال صحیح لکھا ہے کہ ان کی سلامتی طبع ہی کا  
انتظام تھا کہ ابتدا میں سخن میں جو ناہمواری اور غیر حاجی نہیں بلکہ غلط راست اختیار کیا تھا اسے بغیر کسی ہر  
اور بغیر کسی انتاد کے خود بخود ترک کر کے صحیح راستے پر آگئے سلامتی طبع کا اندازہ مسئلہ متعلیٰ نظیر  
خاتم النبیین سے بھی ہو سکتا ہے۔ یہ سند مولانا شاہ ہمایل ٹہیلہ اور مولانا فضل حق خیر آبادی میں  
بڑے رو وکد کا موضوع بن گیا تھا۔ شاہ صاحب اس بات کے قائل تھے کہ خاتم النبیین کا نظیر  
متبع بغیر ہے بالذات نہیں مولانا فضل حق نظیر کے متبع بالذات ہونے کے قائل تھے مولانا  
غائب کے نہایت گہرے دوست تھے انہوں نے غائب کو بھی اس بحث میں ہمراہ لیا اور ان کے  
جہر ایک شہرہ لکھوائی جو غائب کے فارسی کلیات میں موجود ہے۔ غائب کی عمر اس وقت زیاد

سے دیا وہ جیسے سندس برس کی ہوگی۔ اس لئے کہ وہ عشتار میں پیدا ہوئے اور شاہ اسماعیل  
شہید اور سید احمد بریلوی عشتار میں ہمارے لئے دہلی سے روانہ ہو چکے تھے۔ مولانا فضل حق  
نے اپنا نقطہ نگاہ و ح دلائل بھی طبع غالب کے ذہن نشین کر دیا تھا۔ لیکن غالب اس مضمون کو  
نظم کرنے لگے تو قدرت باری تعالیٰ پر کوئی پابندی عائد کرنے کی صورت ان کے ذہن میں  
آئی۔ لہذا انہوں نے یہ پہلا اختیار کیا کہ اس عالم میں تو خاتم النبیین کا نظیر پیدا نہیں ہو سکتا  
ہاں اللہ تعالیٰ دو سر پہان پیدا کر سکتا ہے۔ اور ان جہانوں میں نئے خاتم بنا سکتا ہے۔

کیچاں بہت یہ خاتم بہت      قدرت حق دہریک عالم بہت

خدا ہذا زہر زورہ آدو عالمی      ہم ہر وہ ہر عالمی را خاتمی

ہر کجا جنگ مرہ عالم بود      رحمتی للعالمی سے ہم بود

کثرت اہل عالم خربت      یا بیک عالم و د خاتم خربت

مولانا کو یہ استدلال پسند نہ آیا۔ اور کہا کہ اس حصے کو مثنوی سے بخل دواؤں کے لئے ہی عالم  
پیدا ہو جائیں۔ خاتم ایک ہی رہے گا۔ غالب نے اقبال امر کے طور پر لکھ دیا ہے۔

غالب ہیں اندیشہ پذیر ہم      خرد و ہم پر خویش سے گریں

مقتضایا ہر عالم کی بہت      گرو و صد عالم بود خاتم کجا

یہ غالب کی مسلمانی طبع کا کرشمہ تھا کہ اس مضمون میں استدلال کی جو خامیاں تھیں ان پر وہ  
شہرہ سکے۔ اگرچہ مثنوی ایک عزیز دوست کی فرمائش پر ایک خاص مقصد کے لئے لکھی گئی تھی۔

فعلی کا حرفت      غالب سے اگر کوئی فعلی سرود ہو باقی مثنوی تو اس کے اعتراف میں ہرگز قابل نہیں کرتے  
تھے۔ مثلاً قاضی برطان نہیں انہوں نے انہیں کو عربی الاصل، موقوفہ اتر صفت قرار دیا تھا۔ یہ کہیں  
ان پر فعلی واضح ہو گئی تو فرمایا اس سے رجوع کر لیا۔ نواب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

”انہوں کو میں نے عربی کہا، وہ انہیں ہے اب مانا کہ یہ ایک سہولیت تھا۔

تہمہ غالب میں میرزا رحیم بیگ کو لکھتے ہیں :-

آؤچہ و امنہ کے بیان میں جو سے وہ سوچا ہے کہ لگے اس کا خورہ و میراد دوست یہاں  
دونوں ایلیج انٹرسا ہے۔

غائب کی غنوی درو و دن تیں ایک شعر تھا  
خوک شد و پنچہ زون ساز کرو  
باسر و روسریدہ آغا کرو

گل بحرناں ناطق بکونی کے پاس کلیات کا نسخہ منیچا، درینوش غنوی دیکھی تو لکھا کہ خوک کے سہم ہوتا  
پنچہ نہیں ہوتا مگر سہم و پنچہ کا اطلاق ایک محل چشمہ کے نزدیک چا تر ہے تو ظاہر فرمایا جائے گا۔  
اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

راست سے گویم وچہ اس ملک بند و جزا راست احواف تا راست سرودن، روش اہرین  
ہو تیری دم وادھتہ وہ فرخ گوہر حیدر کو سو گند کہ بیت ہائے خوک و زلف خود ہست، مگر پنچہ  
آؤشیش را درین را و غابہ ایسا بودہ ام، المافوت لگی بہ کار بندہ اسم گمان کن این بود کہ خوک ہر  
سک و گریہ ہائے دار و کونوں از روئے فرشتہ شمار نظر جہو کہ خوک سہم و پنچہ خود کاوش  
شمارش اداں کہ کلیات نقل اٹلں پذیرد بہمن رہے۔

کون اس بے تکلفی کے ساتھ اپنی غلطی یا کسی خاص معاملے کے متعلق اپنی بے فہمی کو  
احتراف کرتا ہے۔ اور لطیف کی بات یہ ہے کہ غارسی صاحب غائب نے خود حج کر کے چھپے  
تھے وہ چاہتے تو آسانی کے ساتھ اس خط کو حذف کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اسے بچر  
چھپوایا لکھا کہ دوسرے ایڈیشن میں یہ شعر لکریں بنا دیا گیا ہے

خوک شد و پنچہ نفسی ساز کرو  
باسر و روسریدہ آغا کرو

اصح قبل کہ | خراج حالی سے لکھا ہے کہ ایک تصدیق کا پہلا مصرعہ بہ تمام۔

عید اٹھنے پر سزا خانہ زمستان آہ  
 ذرا سببِ غاں شیفہ کے کہنے پر عید اٹھنے لگی جگہ عید قربان بنا دیا۔  
 ایک اور قصیدہ کا ایک شعر یہ تھا

ہم چناں ورتنِ غیبِ نوے دامن  
 بہ وجود سے کہ نامند ز خایجِ جہاں

مرزا فاضل حق خیر آبادی کے کہنے پر نوے کی جگہ شیفہ بنادیا۔

ہر زمانے کے کہنے کا ایک اعتراضات کا خوف بھی بہت تھا۔ اور اعتراضات کے دیکھنے کا شوق  
 شوقِ امتحان کا خوف بھی بے حد تھا۔ و مستنبط میں انہوں نے خالص نادرسی لکھنے کا التزام کیا تھا  
 اور عربی کا ایک نفاذ بھی نہیں آنے دیا تھا لیکن ایک جگہ غیب کا نفاذ لکھ گئے۔ مسودہ دیکھنے  
 کے لئے آکر دیکھ دیا۔ جب انہیں معلوم ہوا کہ غیب عربی ہے تو اس کی جگہ قوا بنانے کے لئے  
 انہوں نے فقہاء وراثی شیعہ و غیرہ کو استدعا و اضطراب آمیز خط لکھے ایک خط میں لکھتے ہیں :-  
 غیب قصداً عربی ہے مگر وہ کہنے کا توڑ کبھی یا عرض کریں گے تیرا قوی دیکھ سے غیب  
 نفاذ پیدا کہنے اور اسی جگہ لکھ دیا جاتے۔

اتو چار اخبار میں انہوں نے دیکھا تھا کہ ایک صاحب نے غلام نام شریف کے کلام پر اعتراض  
 کیا ہے۔ اور قصیدہ کے شاگرد و متبع نے اس کا جواب یا ہفتوش حبیب اللہ غاں دیکھا جس کا دواوی کو  
 لکھتے ہیں :-

آپ کے اس دواوی کی تفصیل اور جواب اور فرائض و معترض کے نام یہ طلب ہوں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قاتب اخبار بالاعتیاد چڑھا کرتے تھے۔

غرض کہ حضرت مولانا صاحب کی فارسی دانی میں قاتب کو کلام تھا۔ ان کے خلاف رقعات میں  
 جا بجا سخت الفاظ ملتے ہیں مثلاً قاتل۔ عبد الواسع السنوی، ملا غیاث الدین رام پوری صاحب  
 غیاث اللغات۔ ملا نور الدین داتھ بنالوی۔ ان کے خلاف ویرث گوتی کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے

اول جن لوگوں نے لکھا تھے میں غائب کے کلام پر غلط اعتراضات کو کے جنگامہ بیا کیا تھا وہ سب  
 انہی اشخاص کے متقدّم تھے اور انہی کی سندیں پیش کر رہے تھے۔ حالانکہ غائب ان لوگوں کو کشتہ  
 اتنا نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرے قاطع برائے کے سلسلے میں جو جنگامہ بیا ہوا تھا اس میں بھی  
 غائب کے مخالفین کا بیچ زیادہ قریبی اشخاص تھے لیکن عام طور پر مخالفین کے باب میں غائب  
 مسلک ضرور مرکز تھا۔ سیف الحق سیاح کے نام کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی بڑوہ  
 نے غائب کے خلاف ہمسے الفاظ استعمال کئے تھے۔ سیاح نے غائب کو اطلاع دی۔ اس کے  
 جواب میں فرماتے ہیں :-

قاضی صاحب بڑوہ کو صاف لکھو۔ اگر کوئی وجہ اپنے پران کے غائب کی بات تو ان سے  
 مذکور نام و ما پانچا صاف کروانا جب سبب طلال کا تھا نہیں تو میں کیا کروں۔ تم بڑا ناؤ۔  
 کس واسطے کا اگر میں بتا ہوں تو اس نے بھگتا دیا اگر میں اچھا ہوں تو اس نے بھگتا  
 تو اس کو خدا کے واسطے کرو سنا

غائب ٹھانڈا ان جو دشمن ہو گئے

یہاں بھی ہے کوئی کہ سب اچھا کہیں ہے

جو لوگ ان سے ملنے کے لئے آتے تھے ان کی بازوید کا بڑا خیال رکھتے تھے اور  
 اس بات کو گوارا نہیں فرماتے تھے کہ کسی تمام ناؤں کے ذمے رہ جائے۔

نواب صفی خان نے غائب کی قید کے زمانے میں بڑی مدد کی تھی جس کا اعتراف انہوں  
 نے خود اپنے تہذیب میں کیا ہے۔ خود میں نواب صاحب پر انتہائی آہیں اور وہ قید ہو گئے۔  
 غائب کو جب ان کی رانی کی اطلاع ملی تو ڈاک میں جینڈ کریر ڈھپنچے اور نواب صاحب ل کر  
 مطمئن ہوئے۔

نابھ کے بادوں سے نفرت | غائب تلخ و شکر کے بادشاہ تھے اوصاف نظم و شرم سے کوئی چیز بسی  
 نہیں ہے جس میں ان کے ٹکڑے میل کی بہتر سے بہتر لکھار ہاں موجود نہیں، نزل، ٹھنڈی قصبہ

رباعی قصہ، ذرا شریف محاکاتیب، اسی مباحث، قدرتی مناظر و تاریخ، تقریظ و تنقید سب کچھ موجود  
لیکن تاریخ کے بارے تلاش کرنے سے وہ ہمیشہ بچتے تھے۔ ان کے ثابت عزیز دوست  
منشی نبی بخش حقیر کا انتقال ہو گیا، فقہ نے تاریخ و وفات کے لئے امر کیا جو اب میں لکھتے ہیں۔

میں تاریخ کو دوں مرتبہ شاعری جانتا ہوں اور شاعری طبع میرا یہ بھی عقیدہ نہیں ہے کہ تاریخ  
وفات لکھنے سے دو اے حق محبت ہوتا ہے۔ بہر حال میں نے منشی نبی بخش مرحوم کی تاریخ  
رحلت میں یہ نوٹ لکھ کر بھیجا منشی قوال الدین صاحب نے یہ کید فقہ ہے۔

منشی نبی بخش کو جس غن  
دشت عاشقین و غم نیز

سدا و نمانش نہ پے یادگار  
بادل غبار و طرہ و جلد نہ

خاستہ و ناکب آشفتہ سر  
گفت وہ طرا و بکر ستیز

تاریخ کو لکھتے ہیں:-

بھائی شادی جان کی قسم اور اپنے ایمان کی قسم میں میں تاریخ گوئی اور صحت بیکہ و من

ہوں۔ آدھ وہاں میں کوئی تاریخ میری دانش برگی مناسی ایمان میں وہاں رہیں

میں ان کا حال یہ ہے کہ اوہ اور کس ہے شاعر میرے ہیں تم کچھ کہیں کیا کہتا ہوں کیا

سے میری گھبراہٹ اور کچھ کو ہڑکھانا نہیں آتا جب کوئی اوہ بناؤں گا حساب درست نہ پاؤں

جب دوست دیکھئے کہ اگر کماست ہوتی تو اوہ تاریخ وہ ٹھنڈا دیتے تھے سوئیں میں کتا

اس کے بعد اپنی چند تاریخیں پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ ان کے تنقید اور تحریف کس درجہ

خندہ آویں

قوال علامہ الدین خاں کے صاحبزادہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ انہوں نے تاریخ وفات

کے لئے لکھا اس کے جواب میں بھی خاکسب نے بھی غور پیش کیا کہ میرے اوہ اے تاریخ بیشتر لکھنا

کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے کلیات میں تاریخ کے متعدد قطعات موجود ہیں اور

بعض ایسے قطعات بھی ہیں جو کلیات میں شامل نہیں ہوئے۔



قدرو میں مرثیہ کی فرمائش | نوا جہا آئی نے لکھا ہے کہ ایک قصہ فائنٹ آمد و زبان میں میسر نہیں وغیرہ کے انداز پر مرثیہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تھی۔ فائنٹ نے تین بند لکھے، اس کے بعد سعادت کردی کو لکھے، اس میدان میں مشاقی کا مرثیہ حاصل کرنے کے لئے ایک طرحا ہے۔

فرمائش | فائدہ | فائنٹ دو سنتوں کی فرمائش پر بھی شعر کہہ دیا کرتے تھے اور ہر قسم کے فرمائشیں فرمائش کنندہ کے حوالے کر دیا کرتے تھے اپنے نام سے منسوب نہیں کرتے تھے قصہ کو لکھتے تھے

ایک میر دوست اور تمام ہندو ہے اس نے اپنے حقیقی بھتیجے کو بتا کر یہاں تھا۔ فائدہ

انہیں ہنس کی لڑ، تو م کا کھتری خواجہ دوست و مضمار فرماں <sup>۱۲۷۵</sup> میں بیار چکے کر گریا۔ اب اس کا

باپ لکھ سے آندو کتا ہے کہ ایک تاریخ اس کے مرنے کی بھوسوں لہی کو وہ قصہ تاریخ ڈاہرہ

مرثیہ جو تاکہ وہ اس کو چڑھ چڑھ کر دیا کہے سو بھائی اس سائل کی خاطر لکھ کو عزیز و فائدہ شعر کہتے

مستند یا واقعہ تمام سے حسب حال ہے وقتہ کا بیٹا مرچکا تھا جس کی وفات پر ڈھائی تین سو شعر

کا مرثیہ لکھا تھا وہ ان کے مطبوعہ فارسی زبان میں موجود ہے اور انچھٹاں شعر مضمون کے

کہاں غصہیں تھے یہ طریق فتویٰ میں نہیں لکھتے وہ مصرعہ آخر میں مادہ تاریخ قال دو نام ان کے

تھا اور اس کو یاد دہا کرتے تھے چنانچہ میں انج سہ سب جنوں میں ایک شعر تم کو لکھتا ہوں۔۔۔۔۔

برم جوں نام باہر برج سورج

چکد بون دل بٹیش از لبین

سلام ہر نام ہے کثفتہ نے اُستائے حکم کی قتل میں کچھ اور پاشتی شعر کا مرثیہ لکھ بھیجا تھا لیکن فائنٹ نے خود ہی باتیں شعر کہ کر فرمائش پوری کر دی اور کثفتہ کو لکھ دیا کہ اپنے اشعار کسی اور کو دے کثفتہ نے لکھا کہ میرے اشعار میں سے کیوں ایک شعر بھی دلیا گیا وہ اشعار تقسیم تھے؟ اس جواب میں فرماتے ہیں:-

وہ شعر دوست و گریاں تھے ایک کو ایک رجا ایک باو و شو اس میں سے کیوں کر

مے جلتے۔ اشعار سب میرے ہند۔ یہ قسم۔ یہ صیب۔

منشی شیوزان اکبر آبادی کی فرمائش کے مطابق امین باؤن کے اہل قریب پیدا ہوئے  
کی تقریب پر کہیں شہر کا اردو قصیدہ لکھا تھا۔ غالب غرض منشی شیوزان کو لکھتے ہیں۔

کل آپ کا خط آبادات بھر میں سے لکھنؤ میں دن جگر بھایا۔ کہیں شہر کا قصیدہ لکھ کر دیا  
حکم کھلا دیا۔ میرے دوست شہر شامیر وقت جاتے ہیں کہیں حق تابج کو نہیں جانتا۔ ہں  
قصید میں ایک راض خاص سے اظہار مشاعرہ کر دیا ہے۔ خاکسار قریب سے پہنچا۔

اہں کے بعد قصیدہ راج کیا ہے جس کے آخری دو شعر یہ ہیں۔

امید دار حیات شہیدان کائنات ہے خاک خوار احد و اولیاء

یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں دودھ جاکے نہیں اور اس کی رسالت کے لئے مرے

تہی کو "دوسرو کی طرف اشارہ ہے۔

شہر میں سے نفرت | ارباب تصرف و سلوک کے اہل شجرہ ایک خاص چیز ہے یعنی روحانی فیوض  
کے واسطوں کو مرشد سے لے کر حضور خواجہ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم تک ترتیب پایا کرنا اور  
یاد رکھنا حدت سے یہ چیز صوفیہ کے یومیہ اوراد و وظائف کا جزو بنی ہوئی ہے۔ بسولت کی  
غرض سے شجرہ کو منظم کرنے کا سلسلہ بھی مدت سے جاری ہے۔ غالب کو شجروں سے بڑی  
نفرت تھی۔ خواجہ عالی فرماتے ہیں کہ ذب الی کتب معروف بھی جس شخص کو مرید کیا کرتے تھے۔  
اپنے سلسلے کا منظم شجرہ عطا فرمایا کرتے تھے۔ اور اس غرض کے لئے وہ شجرہ کی نقشبند کرتے  
رہتے تھے۔ ایک مرتبہ غالب سے بھی یہ کام دیا گیا۔ غالب شجرہ نقل کرتے وقت ہر قیاس و شعر  
حذف کرتے گئے۔ جب پہنچے نقل ذاب الی کتب نماں کے ملاحظہ سے گزری تو وہ بہت خفا ہوئے  
لیکن غالب نے بلا تکلف کہا۔

آپ اس کا کچھ خیال نہ فرمائیے۔ شجرہ و اسل خاکسار پہنچے کا زینہ ہے۔ سوزنہ کی ایک کنگ

سبز بھی اگر در بیان میں سے غفل دی جائے تو چنداں چرچ واقع نہیں ہوتا۔ آدمی ذرا کچ

ایک کچھ دودھ نہ دے سکتا ہے۔



ایسا طریقہ اختیار کیا تھا کہ کوئی بات راستی کے خلاف نہ ہو نیز صاحب کتاب طوطی ہر گاہ شیعہ تقریظ کا زیادہ حصہ تنقید میں یا مصنف کی ذات، اس کے اخلاق، یا اس کی محبت اور دوستی کے بیان میں صرف کر دیتے تھے۔ کتاب کی نسبت صرف چند جملے لکھتے تھے جو محبت سے خالی نہ ہوں۔

غالب خود اپنی روش کی نسبت گفتہ کر لکھتے ہیں :-

وہ روش ہندوستان کی فارسی لکھنے والوں کی جو کہ نہیں آئی کہ باطل بھاؤں کی طرح بکنا شروع کر دیں، میرے قصیدے دیکھو، تشریف کے مشورے پاؤ گے۔ مع کے خطر کثر نہ رہا بھی یہی حال ہے۔ میرے تقریظوں کے تذکرہ نگاروں نے ہمارا کی تقریظ لاٹھا کر ان کی مع کتنی ہے میرزا و سید احمد علیں بہادر چاہتا تھا کہ وہ بدنام کیا دیا چاہے وہ جو تقریظ و بدنامی عطا کی مر جب فرمائش جان جا کہ وہ بدنامی کے بھی ہے اس کو دیکھ کر گفتہ ایک بیت میں ان کا نام اور ان کی مع آئی ہے اور باقی ساری نثریں لکھ کر اور بھی اور عطا لیں۔

گفتہ نے اپنے بدنامی کی تقریظ کے درجہ عطا کی قلت کا شکوہ کیا تھا۔ خود بلا بحث کے بعد غالب فرماتے ہیں :-

واللہ ہذا کس شہر و کس پاسیزاوسے کے بدنام کا دیا چاہتا تھا۔ قرآنی مع ذکر کا مشن تھا کہ مع کی ہے۔ ہم کو اور ہمارے روش کو اگر چاہتے قرآنی مع کو محبت جانتے قصیدہ تقریر نہ ہی عطا لیں۔ فقرہ تمنا سے نام کا بدل کر اس کے عوض ایک اور فقرہ لکھ دیا ہے اس سے زیادہ بھٹی میری شہر

آجین اکبری کی تقریظ | سر سید احمد خاں نے آجین اکبری کی تصحیح کی تھی تو وہ ملی کے دوسرے مشاہیر کے علاوہ غالب نے بھی شہر میں اس کے لئے تقریظ لکھی تھی لیکن غالب اولاً افضل کے انعام و تحسین کو پسند نہیں کرتے تھے۔ دوسرے افضل کے پیش کردہ آجین کو انگریزی آجین کے مقابلے فرود تر جانتے تھے۔ سر سید کے ساتھ اگرچہ ان کے تعلقات بہت گہرے اور عزیزانہ تھے۔ اور

لے یا ہمارے غالب سوزہ ۷۰۔

ان کی ولداری بھی بددج غایت منظور تھی لیکن تفریط میں اپنے حقیقی خیالات چھپا سکے۔  
اور صاف لکھا کہ سید کی ہمت بلند کے لئے آئین اکبری کی تصحیح قطعاً باطل فخر نہ تھی اور ایسے  
کام کی ستائش وہی کر سکتا ہے جس کا پیشہ بادشاہ ہے۔

من کہ آئین دیار آشوبم درو خا اندازہ دوان خودم  
گر دیں کارش نگویم تو خجائے آن اردو کہ جو آفریں  
پھر فرماتے ہیں کہ گزشتہ آئین کی بنا پر کتاب ستائش کی تھی ہے تو انہیں کھول کر دیکھنا  
حالت دیکھو اور اگر فرماں ہی کے آئین ملاحظہ کرو کہ انہوں نے کیسی کیسی چیزیں ایجاد کی ہیں

آتشے کو رنگتے دیں آوند	ایں ہنرمندان خس آوند
تا چاقو غنیمت اندازینان	دو کوئی سا ہے ماند و ز
گو دغاں کشتی جھجھکیں	گو دغاں گردون آسمان
طفاکٹش جگر و اند دغاں	نہ کا و دہک پناہ دغاں
از دغاں زودق بنوا کرد	باد و صبح این دو بیکہ نامہ
نغمہ بے زمرہ زساناوند	حرف چوں طائر ہر پرواز آوند
ہیں نصیبی کہ این ناگروہ	درو و دم آند حرف صد
سے زند آتش ببا و اند ہے	سے و شند باد چوں آگر ہے
رو چاندک اندازن تشندہ	شہر روشن گشتہ در شمع
کار و بار مردم شیار ہیں	در ہر من خند میں کا ہیں
میش این آئیں کہ و در و گز	گشتہ آئین و گز تصویر بار

پھر فرماتے ہیں کہ اگر کتاب کو طرز تحریر کے لحاظ سے شایان ستائش قرار دیا جائے تو

بہر طے نامہ شہر جم بودا	گر سر ہے بہت ہنسیم بود
یہد انفاض را شمشیر	نوز سے بہر طے شایان

مردہ ہوں بہانہ لگا رہتے خود بگڑاں نیز بگڑ گئے

یہاں اس امر کے بحث نہیں کہ غائب کی یہ دے صحیح تھی یا غلط اور اسے علی الاطلاق درست ماننا چاہیے یا اس میں خراش خراش کرنی چاہئے۔ لیکن ایک حقیقت ظاہر ہے کہ غائب کے نگہ و نظر کا اسلوب عام لوگوں سے الگ تھا۔ وہ شخصیت پرست نہ تھے بلکہ ناموس مرعوب نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ہر شے کی افادہ حیثیت کا مستقلاً اندازہ کرتے تھے اور اندازہ کے بعد اس کی اچھائی یا برائی کا حکم لگاتے تھے۔ سرسید کے افادان کے ساتھ ان کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ بلکہ رشتہ داری بھی تھی لیکن ان تعلقات کی بنا پر انہوں نے اپنے دل کی بات صاف صاف اور بلا تحفہ کہنے میں تامل نہیں کیا۔ سرسید نے اس تغافل کو شال کتاب نہ کیا بلکہ مشہور ہے کہ اسی بنا پر سرسید اور خانبے ویرینہ تعلقات کدو ہو گئے تھے جو رام پور کے پہلے سفر سے واپسی پر عروا باؤ کی ملاقات میں از سر نو درست ہو گیا جہاں سرسید اس زمانے میں بطور صفا اصد و سامور تھے۔

سڑیوں میں سوپ | ان کی روزانہ زندگی کے متعلق یہی حالات معلوم نہیں ہو سکے مگر یہ ظاہر ہے کہ سڑیوں میں ٹٹا۔ ہوتا ہے کہ وہ کم از کم ایک وقت کا کھانا لانا گھر میں کھاتے تھے۔ ان کے متعدد خطوں میں ان کا ذکر ہے سڑیوں میں دھوپ میں بیٹھتے تھے۔ گرمیوں میں خنک کی ٹٹی لگاتے تھے مثلاً ایک خط میں جو بارش کے موسم میں لکھا گیا تھا فرماتے ہیں :-

دھوپ میں بیٹھا ہوں۔ درخت علی خاں دلا میرا کنگہ بیٹھے ہیں کھانا پنا ہے۔ خط لکھ کر بند کر کے آدمی کو دوں گا۔ اور میں گھر جانوں گا۔ وہاں ایک دالان میں دھوپ آتی ہے اس میں بیٹھوں گا۔ اندھنہ دھڑوں گا۔ ایک روٹی کا چھلکا سامن میں بٹھا کر کھاؤں گا۔ دوسرے خط میں جو گرمیوں کے آغاز کا لکھا ہوا ہے فرماتے ہیں :-

کھڑکی میں بیٹھا ہوں۔ ٹٹی لگی ہوئی ہے۔ ہوا آ رہی ہے۔ پانی کا جھڑھرا ہوا ہے۔

حقانی راہوں۔ خط لکھ رہا ہوں۔

اچھا سمجھا سہریوں میں آگ بہت تاپتے تھے۔ چنانچہ کئی جگہ اس کا بھی ذکر موجود ہے جنہاں ایک خط میں فرماتے ہیں :-

ہمارے پاس شروب کچ کی اور ہے۔ بل سے مات کو ذی انگلی پگڑا ہے۔ بریل  
ملاس موقوف۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کا شوق اسلحہ ہوتا ہے کہ غائب کو قصوں کی کتابیں پڑھنے کا بہت شوق تھا صاحب عالم مارہروی نے انہیں مارہرہ بلاسنے کی بہت گوششیں کی تھیں۔ ایک مرتبہ آسموں کا لالچ دیا۔ ایک مرتبہ لکھا کہ مارہرہ تشریف لائیں گے تو بوستان خیال پر جسیں گے اس کے جواب میں فرماتے ہیں :-

حضرت نے میری گرفتاری کا تباہی گنگ نکالا۔ بوستان خیال کے دیکھنے کا دانا نکالا۔ مجھ میں  
آپنی طاقت پر دانا نکالاں کو بلا سے اگر بیوش جانوں دامن پرگ کے دانا نرین سے کاٹنا نکالیں۔  
میر سعدی بھرتیج کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

مرانا غائب علیہ الرحمۃ ان دونوں بہت خوش ہیں۔ پاس ساٹھ ہجری کتاب میر خرمی دیتا  
کی اور اس قدر ہم کی ایک جہد بوستان خیال کی دانا انگلی ہے۔ مشورہ ہمیں بادہ ناب کی خوشگ  
میں سوچ رہیں۔ دن بھر کتاب دیکھا کرتے ہیں رات بھر شروب پیا کرتے ہیں۔

کسے کلاں مراد میں میر ہو

لوگوں دانا سکند ہو

نوراج عاتقی لکھتے ہیں کہ غائب کی نہایت مرغوب غذا گوشت کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی  
وہ ایک وقت بھی دیگر گوشت کھا نہیں رہ سکتے تھے۔ یہاں تک کہ مسلسل کے دن بھی انہیں  
کچھ شری یا شرک کبھی ہتھال نہیں کیا۔ آخری عمر میں ان کی خوراک بہت کم رہ گئی تھی جب وہ چلنے  
پھرنے سے بڑی تنگ ماری ہو چکے تھے تو ان سے ان کے لئے دن کو جو کھانا آنا تھا اس  
میں نوراج عاتقی کے بیان کے مطابق مندرجہ ذیل چیزیں ہوتی تھیں :-

(۱) پاؤں میں گوشت کا قورمہ، ایک پیالے میں بوتیاں دوسرے میں شورہا۔

(۲) ایک پیالے میں پھینکے کا چھلکا شورہے میں ڈوبا ہوا۔

(۳) ایک پیالے میں کبھی کبھی ایک انڈے کی زروئی۔

(۴) ایک پیالے میں دو تین پیسہ بھردھی۔

شام کو کسی قدر شامی کباب یا رخ کے کباب۔

غالب خود مسٹر ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں اپنی غذا کے متعلق فرماتے ہیں:-

میں کچھ سات یا دھام کا شیرہ کے ساتھ دھیر کر سیر کر گوشت کا کھاڑا پاتا،

قریب شام کے کبھی کبھی تین تے ہوئے کباب چھ گھڑی سات گھنٹے پانچ روپے ہر شام کھاتا

اور اسی قدر دق شیرہ

دوسرے ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں فرماتے ہیں:-

غذا: چنانچہ دو برتن سفوف و لحم میں کچھ بان سات یا دھام کا شیرہ، بدلتے بکے گوشت

شام کو چار تے ہوئے کباب ہیں آگے خانا نام۔

لاہور نش | شراب کے متعلق کچھ عرض کرنا یا کوئی عذر پیش کرنا بال فضل ہے۔ یہ علت ابتلائے

شراب کے ان کی زندگی کا لالچ تھا کہ جبرون بھی تھی اور آخر دم تک نہ چھٹی۔ ان کے خطوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ وہ تریاویہ تو لایق شراب پیتے تھے جس کا نام ان کی اصطلاح میں "میں" تھا۔

غدر کے بعد لایق شراب بہت گراں ہو گئی تھی چنانچہ وہ بارہ گندھسائے سے کاس نکلیں اور

اولیٰ نام کا بیج پوچھتے ہیں۔

ایک خط میں فرماتے ہیں:-

فیکر ایک انگریزی شرب پانی ہے قورمہ کی بہت لطیف اور نکت کی بہت خوب اور

عمر کی اپنی مٹی صاف کہ قورمہ تھا۔ فیکر اس نکت کے مٹی کسی فردنگ میں ہوتا۔



غراب جانی نکلتے ہیں کہ شراب سوتے وقت پیتے تھے۔ جو مقدار ضرور کھلی تھی۔ اس سے زیادہ کبھی نہیں پیتے تھے جس کبس میں ہمیں ہتھی تھیں۔ اس کی کبھی واروہ کے واسطے تھی۔ اس کو سخت تاکید تھی کہ اگر عالم سبغوشی میں زیادہ پینے کا خیال ہو تو کبھی نہ دینا۔

غراب سلا میرالدین احمد خاں فرمانروائے لوارو سے مملوم ہوا کہ ہمیں ان کے پاس دھری رہتی تھیں۔ غراب صاحب مدوح اس زمانے میں کم سن تھے۔ اور اکثر غراب کے پاس جایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے والدہ محترمہ نے سخت تاکید کر رکھی تھی کہ غراب کی بڑوں کو کبھی ٹھنڈ نہ لگانا۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ شراب کی بوتلوں کے علاوہ ہمیں بادام بھی ہایک دو بوتلوں میں بھرے رہتے تھے جنہیں گزرک کے طور پر ہستمال کرتے تھے۔

غراب شراب میں عرق شیر یا گلاب ملا کر پیتے تھے وہ خود ایک نزل کے منتطع میں کھتے ہیں۔  
آسودہ بادو خاطر غراب کہ تھے دوست

آمین ختن بہ بادو صافی گلاب را

سے نوشی کا سوا | یہ نہیں کہا جاسکتا کہ غراب روزانہ شراب پیتے تھے یا کبھی کبھی بغیر پئے بھی گزارا کر لیتے تھے۔ لیکن ہے غدر کے بعد فطین کی بندش کے زمانے میں بھی انہیں کسی وقت شراب نہ ملی جو مملوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۳ء میں انہوں نے ۲۲ جولائی کے لے کر ۱۰ ارجولائی تک شراب کلیتہً سنوئی رکھی تھی۔ اس کی وجہ وہ خود بیان فرماتے ہیں:-

انکم تکیس جہا، چوکیدار جہا، اسود جہا، اسول جہا، بلی بلی جہا، ایسے جہا، شاگرد جہا، آد

دہی ایک سو باسٹھ تنگ آگیا، گزوں مثل جو گیا۔ روزمرہ کام بند رہنے لگا۔ سوچا کہ کیا کیا

کے کچھ گنچا پیش خالوں سے درویش برطان و رویش صبح کی تیرہ بیسروک۔ چاشت کا گوشت آدھا

رات کی مشروبے ملا بہ عرقوت۔ بیس باقیں۔ وہیہ سینا بچاؤ لمرہ کا فنج چلا یا۔ یا معل

پر چھا تیرہ مشروب کب تک دھبو گئے۔ کہ گیا کہ جب تک وہ نہ پئیں گئے۔ چوچھا نہ پو گئے تو

کس طرح چہرے، جو اب دیا کس طرح وہ جانیں گے، ہاں میں نے نہیں گوارا تھا کہ ہم بڑے  
 سے علاوہ وہ بھڑکی کے روپیہ اٹھیا، مرض منقطع ہوا، ہو گیا، شفیق، مافیہ و روح کی تہذیب، اس کی  
 شرب جاری ہو گئی۔ گشت پرانے لگا، چونکہ بجائی اور وہ اب امین الدین احمد خاں فرخ آباد  
 نے وہ جو قوتی و بجائی ہو چکی تھی، ان کو بجا رہا تھا دینا اور کڑواں کو بہت سلام پہنچا  
 نے یہ عزیزت شربت نامہ

دیکھ ہم کو یوں چاہتے ہیں۔

اسوں کا شوق امیوں میں سے وہ آم کو بے حد پسند کرتے تھے۔ آموں کی تعریفیں ان کی  
 مثنوی بھی اُردو و دیوان میں ہے۔ ان کے دوست و دور دور سے انہیں آم بہ طور تحفہ بھیجتے  
 تھے۔ وہ خود بھی دوستوں سے آم منگاتے تھے۔ ان کے فارسی حکایتیں میں سب پہلے  
 ذاب اکبر علی خاں طباطبائی سمزلی، امام باڑہ ہو گئی کے نام ہے اس میں آم طلب کرتے ہوئے  
 لکھتے ہیں :-

فحی شکم خندہ ایم و قد سے نقواں، ہم آرائش خواں جو ہم و ہم آرائش جان غروعا  
 خاند کہ ایں ہر دو صفت پادشہ اندر بہت۔ و اہل کلتہ پائند کہ قروا، خیر ہو گئی بندہ۔  
 ایک نخل کے قطع میں فرماتے ہیں :-

ہم اگر صیوۃ فرووس بہ خونت باشد  
 غائب آں انبیر چکا کہ فراموش مباد

سیلے نے یثربی سے آم بھیجے کا خیال ظاہر کیا تھا اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-  
 آم کی کو بہت مرغوب ہیں، مگر سے کہ غریب نہیں، لیکن میری اور صحت سے یہاں پہنچنے کی  
 کیا صورت؟ والدہ کا آم یہاں ولاجی اور پورندی کر کے شہر ہے، اچھا جو تاسے، مگر یہاں  
 کو ماں بہت اچھا چاہتا صحت سے ولی آم پہنچنا محض خوف ہے، روپے کے آم اور چار  
 سو پہ صحت ڈالک۔ ہر سو میں سے شاید اس پہنچیں، یہاں دوسری آم نخلی و قاصد سے



تھا۔ مثلاً کشتربی کی خواہش کے مطابق دو تینوں کے نسخے ان کے پاس لے کر گئے تھے۔  
 تو ساری میں گئے تھے۔ چنانچہ خود میر محمد جج کے نام کے خط میں صاحب کے ملاقات کی کیفیت  
 بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

میں نے کہا کہ میں حاضر ہوں۔ کہانسی جیون لال کو رو سے جاؤ۔ وہ اوصاحب اور سوار  
 ہو گئے ہیں اور سوار جو کراہنے مکان پر آیا۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

سببیت عظیم ہے کہ تادی کا کنواں بند ہو گیا۔ لال ڈنگی کے کنوئیں یک قلم بھاری ہو گئے  
 نیز کہانی ہی دانی پہنچے گرم دانی خفا ہے ہر سوں میں سوار جو کراہنے کا حال دریافت  
 کرتے کہا تھا۔

اگر ان کے پاس ساری نہیں جوتی تھی تو کسی بے تحلف دوست کے اس سے حرکت  
 تھے مثلاً ایک موقع پر نواب حسام الدین جید رھاں کے اس سے نہیں مل گئی تھی۔

عند میں جانے کا وقت | قلعہ میں بھی سوار ہو کر جاتے تھے صبح جا کر پہرہ دن چڑھے واپس آ جاتے  
 تھے۔ ان کے جانے کے بعد دو چار آدمی مکان پر رہتے تھے۔ ایک صاحب خاں بریلی  
 ملنے آتے تھے۔ لیکن ان کی آمد کے وقت خاں مکان پر موجود نہ تھے بعد میں انہیں معلوم  
 ہوا تو نڈل سکے پرائس اور معذرت کا خط خاں عبیدل بریلوی کو بھیجا اس میں فرماتے ہیں:-

صبح کو میں ہر روز قلعہ کو جاتا ہوں۔ تلا ہر ساری صاحب اول روز آتے ہیں گے جب سوار  
 ہو جاتا ہوں جب بھی دو چار آدمی مکان پر رہتے ہیں ساری صاحب بیٹھے۔ حقہ پیئے مگر قلعہ  
 جاتا ہوں تو پہرہ دن چڑھے آتا ہوں۔

قلعہ خود جاتے تھے | خاں غفلت کے نفاذ اپنے اہل قلعہ سے بنا پا کرتے تھے منشی فہرست  
 کو یہ واقعہ معلوم ہوا تو انہوں نے سمجھا کہ شاید ان میں نفاذ خیریت کی ہمت طاقت نہیں  
 ملے لہذا مقررہ اسی صفحہ ۲۴۔

اور لکھنا کہ میں غنائے بھجواتا ہوں اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

غنائوں کی خبر پہنچی، آپ نے کیوں تعبیت کی غنائے نامکمل کا بھلا ہے بھلا وہی کیا کرے  
بہر حال اب غنائے پہنچ جائیں گے ہر آپ کا شکریہ بجا لائیں گے۔

غنائے پہنچے۔ سعادت مند شاگرد نے غالب کی سہولت کے لئے غنائوں تہذیب مقام  
وہ مقام بتایا، گناہ کو غیر وہی چھوڑ دیتے تھے لیکن غالب اس قسم کی چیزوں کو اپنے نہیں فرماتے  
تھے، انہوں نے غنائے دوستوں میں بانٹ دیئے۔ منشی شہباز خان نے دوبارہ ایک پیکٹ  
بھیجا۔ غالب نے پیکٹ واپس کر دیا اور لکھا :-

بھائی میں اپنے مزاج سے لاپرواہوں۔ یہ غنائے اور مقام و تہذیب و ادب اور کوہ پند نہیں  
آئیں گے جو تم نے بھیجے تھے وہ بھی میں نے دوستوں میں بانٹ دیئے اب یہ غنائوں کا غنائہ  
اس مواد سے بچتا ہوں کہ ان کی عوض وہ غنائے جو از مقام اور دو مقام سے خالی ہیں میں بجا  
تم وہ اپنے خط بھیجا کہتے ہو کہ کو بیچ دو، دیدہ غنائے اس کے میں بہت سے لوگوں اس طرح  
کے غنائے نہ ہیں تو اس کی کچھ ضرورت نہیں۔

بیزنگ خط کا تادمہ | غالب اکثر خطوط بیزنگ بھیجا کرتے تھے۔ خصوصاً اہم خطوں پر ٹکٹ لگانا  
تو منافی احتیاط تصور کرتے تھے۔ اور اپنے دوستوں سے بھی یہی کہتے تھے کہ بیزنگ خط بھیجا  
کر، ایک خط میں گفتگو نہ لکھتے ہیں کہ بیزنگ خط بھیجو اس لئے کہ ڈاک والے بیزنگ خط کو جلد  
پہنچاتے ہیں سیف الٹی سیلج کو لکھتے ہیں :-

پیشہ کا کام کا نصف بھی ہوتا ہے، نظر اس بات پر کہ بیزنگ خط بھیجتا ہوں تاکہ ضائع نہ ہو  
کا احتمال قوی ہے۔

چوہدری عبدالغفور خاں مسرور ماہروی کو لکھتے ہیں :-

ایک تادمہ آپ کو بتا رہا ہوں، اگر اس کو خط لکھیں گے تو خط کے نہ پہنچنے کا احتمال اظہار جائے  
اور جہتی کا اور سر جاننا ہے کہ آدھ آدھ کسی ایک آدھ کسی ایک آپ بھی خط بیزنگ بھیجنا چاہیے اور

میں بھی جیڑ گئے تھو کہوں پہ نظر ڈالتے ہو جاتے ہیں۔ اس تمام سوسے کا بیساکہ میں دینے ہوا  
ہوں باوری دشمن کر سنے والا بھی ہوا اور یہ خط ہر گنگ بھیجا۔

شہرت نامہ سری کا جس | غائب ٹنگ ل اور ٹنگ عرصہ نہ تھے لیکن انہیں اپنی شہرت اور  
نامہ سری کا بہت احساس تھا۔ اور ان کی یہ جس بہت ناؤک تھی مگر کوئی شخص ان کے حکان  
کا پتہ نہ جانتا تھا۔ یا ان کے نام کے خط پتہ درج کرنے میں ذرا بد تقصیلات بیان کرتا تھا تو  
ان کے دل میں مٹا یہ خیال پیدا ہو جاتا تھا کہ انہیں گناہ نام یا کم شہر سمجھا گیا ہے۔ ان کے  
خطوں میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں مثلاً ایک خط میں فرماتے ہیں:-

میں گناہ آدمی ہوں مگر یہ اسی انگریزی خط میرے نام کے کتے جن اف نہیں ہوتے  
بعض نامہ سری خطوں پر لکھے کا پتہ نہیں ہوتا اور انگریزی خطوں پر تو ہوتا ہی نہیں صرف شہر کا نام  
ہوتا ہے۔

ایک اور خط میں لکھتے ہیں:-

میرے نام کا طاق نام شہر ہے چلے اسی شہر کے ڈاک گھر میں رو جانے تو رہ جائے عدولی  
کے ڈاک گھر میں پہنچ کر کیا حکان ہے کہ تلف ہو۔

فواب علامہ مالیدن احمد خاں نے حکان کا پتہ نہ جانتا تھا انہیں فرماتے ہیں:-

قسم شہری تھا کہ گناہوں کو ایک شخص ہے۔ کو اس کی فوت اور نام آدمی جیسے کے نزدیک  
مات بہت متفق ہے۔ اور تم جانتے ہو مگر جب تک اس سے قطع نظر کرو۔ اور اس سوزے کو گناہ  
دو ذیل ذکر نہیں ہیں نہ انے کا پچاس برس سے دلی میں رہتا ہوں۔ ہزار خط اطراف شہر  
سے آتے ہیں بہت لوگ ایسے ہیں کہ میرے نہیں لکھتے ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں کہ میرے سابق  
کا نام لکھ دیتے ہیں حکام کے خط نامہ سری و انگریزی میں ایک کو ولایت کے آئے ہوئے  
صرف شہر کا نام اور میرا نام یہ سب مراتب تم جانتے ہو۔ اور ان خط کو دیکھ چکے ہو اور پھر  
لوگ سے پوچھتے ہو اپنا سکون بتا مگر میں تمہارے نزدیک میرے نہیں دہی ہل حرف سے بھی

نہیں ہوں۔ کہ جب تک ہمارا درختانہ دکھایا جائے۔ ہر کام میرا چند پاسے آپ صرف  
دلی تھک کر بیروں ہم کھو دیں گے۔ خطہ کے پہنچنے کا میں خاص۔

ذہب | آفتاب کی خورشید میں شہیت کی جھلک نمایاں ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی  
شہیت محض تفضیل تک محدود تھی۔ ان کا خاندان جس حد تک میں معلوم کر سکا ہوں مبنی تھا۔ ان کے  
سسرال کا ساما خاندان بھی مبنی تھا۔ میرا خیال ہے کہ ان کی شہیت ان کی آبرویت سے  
پیدا ہوئی۔ خاندانی زبان کے تعلق بھی ان کی روش وہی تھی جس پر بعد میں اہل ایمان شدت  
اور غلو کے ساتھ کاربند ہوئے۔ یعنی عربیت سے بعد مبنی چیز نے آفتاب میں آبرویت کے نشا  
خاص شہیت کی پیدا کردی تھی۔ اور غالباً اسی یگی کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کے مذہبی عقائد بھی ایرانی  
رنگ میں رنگے گئے۔

تصرف | مقصود کے انہیں خاص مناسبت تھی وہ بقول خواجہ خانی اہل حال میں سے تھے۔  
لیکن عرفا اور صوفیاء کے کلام سے پروری طرح واقف تھے۔ اور توحید و وجودی یا یہ اصطلاح عام  
وحدت الوجود کے قائل تھے۔ ایک خط میں لکھتے ہیں :-

یہاں لاسرود و اللہ کے بارہ تاب کا رمل گرس چڑھاتے ہوئے اور کفر و اسلام اور  
دنار کو مٹاتے ہوئے بیٹھے ہیں ۔

کافر و کفر و کفر و کفر و کفر و کفر

سوی اللہ و اللہ و اللہ و اللہ و اللہ و اللہ

ایک اور خط میں لکھتے ہیں :-

وہیہ کے نہیں کے توفیق کو چسکا کر دی مشہور ہونا اور مسائل جو ضیفہ کو دیکھنا اور مسائل  
میں و خفا میں غلطیاں اور ہے اور خدا کے کلام سے حقیقت و وحدت و جو کو اپنے دل  
کنا اور ہے بشرک وہ ہیں جو جو کو واجب و لیکن میں شرک جانتے ہیں شرک وہ ہیں  
جو سب کو نرست میں ختم الہیوں کا شرک کر دیتے ہیں۔ شرک وہ ہیں جو سب کو ہلاک

کا ہمسرا بنتے ہیں۔ یعنی ان لوگوں کے واسطے ہے جس کو وہ خاص اور نیکو کار  
ہوں زبان سے لا الہ الا اللہ کہتا ہوں اور دل میں لا سوج ولا شدا اور لا موشفی لا سوج ولا شدا  
کھگے ہوئے ہوں اور قیاساً سب وہ بے تسلیم اور اپنے وقت میں سب غرض العافیت  
عربیہ السلام پر نبوت ختم ہوئی یہ ختم المسلمین اور حقہ للعالمین میں مطلع نبوت کا مطلع ناما  
اور راستہ کا جہاں بلکہ کن انتہی ہے۔ اور امام من اللہ علی علیہ السلام ہے ثم من ثم حسین  
عربی موجود علیہ السلام ع

یہی کریمتم ہم ہیں بجز تم

اس اتنی بات اور ہے کہ اباحت و زنا کو مردہ و شراب کو حرام و راپے کو مامی  
سمت ہوں اگرچہ کہ وہ فحش ہیں گئے تو میرا جلانا مقصود نہ ہو گا بلکہ میں اصح کا ایندھن  
ہوں گا۔ مرد و فحش کی انگ کی تیر کوں گانا کا شکر گین و شکر گین نبوت مصطفوی و راست  
مرتضوی اس میں ہیں۔

مسلمانوں سے محبت اگرچہ عمل کے اعتبار سے حقیقی اور پرہیز گار نہ تھے بلکہ خاص اسلامی حیات  
کے بھی پابند نہ تھے لیکن اسلام و مسلمین سے انہیں بدرجہ غایت محبت تھی۔ اور مسلمانوں  
کی فدا سی دولت پر بھی زہر اٹھتے تھے۔ خواجہ حالی فرماتے ہیں ایک مرتبہ خود غائب گنا  
بھرم کوئی بات مسلمان کی نہیں پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی کثرت پرچہ کہ کیوں نہیں  
ناجیخ و ناسف ہوتا ہے۔

نصیب باطل پاک تھے اس کے باوجود وہ درجہ صلہ عمل اور منصب و نادر و اداری سے باطل  
پاک تھے چہندہوں مسلمانوں کے ساتھ ان کے گہرے تعلقات تھے تفقہ یا منشی یا لالی  
یا منشی شریذاتن یا ہمسرا سنگھ و جہاں سنگھ یا ان کے والد داسے جمیل کے ساتھ انہیں جتنی محبت  
و الفت تھی ان کا کوئی مسلمان شاگرد نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس کے ساتھ مذکورہ بالا افراد کے  
مقابلہ میں زیادہ محبت کرتے تھے وہ ایک خط میں لکھتے ہیں :-



میں تو بلی آدم کو مسلمان یا ہندو یا نصرانی فرق نہ کرتی ہوں۔ اور اپنا بھائی گناہا ہر طرح  
ساتنے لگتا ہے۔ سنا بھائی رہی وہ خود وہی جس کو اہل دنیا قزاقیت کہتے ہیں اس کو قزاق  
قات اور مذہب اور طریق شرط ہے اور اس کے مراتب و درجے ہیں۔

ہاں اس کے متعلق خطوط و تحریرات سے تحقیقی طور پر کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ لہذا دوسرے  
ملا ہر ہوتا ہے کہ کھلا پا جامہ، لمبا چنڈ اور پوست کی کھلا پہنتے تھے، ایک مرتبہ ٹوپی خراب  
ہو گئی تھی تو سر کے لئے پٹا دی لنگی بھی منگائی تھی منگائی جو ابھر سنگھ کو لکھتے ہیں :-

کھے اندر پوست بہہ دھنم اس راکرم خود و سرم بے کلاہ ماڈ لگرچ کھنے جو ہم لنگ لنگی  
چنگا کو دیشا وہ ملاں سا نہ دہ میدان اس قلمو ہر سر چنڈ سے خاہم اما لنگے کہ نگہائے شرف  
خوشا نہ باشندہ حاشیہ شیخ ہر وہ معذہد از اسے تاکہ دھڑا نہ اسے قزو اہت باشندہ تاکہ اسے  
خود سیم را حق صرف نہ کرد باشندہ۔

پھر ایک نرو و خط میں لکھتے ہیں :-

کیوں صاحب وہ بدی لگی اب تک کیوں نہیں آئی بہت دن تجر بہ تم نے کھا تھا کہ  
اسی جتنے تجھوں گا۔

جانوروں کا شوق | یہ نہیں کہا جاسکتا کہ غائب کو جانور پالنے کا شوق تھا یا نہیں لیکن ان کے  
گھر میں مختلف قسم کے جانور رہتے تھے۔ مثلاً طوطی تھا جس کے متعلق یادگار غائب میں ایک  
طیفہ بھی درج ہے تو میاں شہو ترادے د جورو نہ بچے تم کس فکر میں سر جھکائے بیٹھے ہو۔  
رام پور کے سفر کے دوران میں جو خط لکھے گئے ان میں سے ایک میں ذکر ہے کہ باقر علی خاں  
اور حسین علی خاں رام پور سے ”منج“ لے کر ولسلی سعادہ ہوئے۔ ایک مرتبہ نواب علی الدین صاحب  
خاں والی وارو سے برسات کے لئے مکان مستعار مانگا تھا لیکن پھر اس میں منتقل ہوئے  
کا ارادہ ترک کر دیا۔ اس سلسلے میں نواب صاحب ہر صورت کو جو خط لکھا تھا، اس میں نور  
مکبوتر، وند، بکرتی اور گھوڑوں کا ذکر ہے لکھبات نظم فارسی میں ابک قلمداری کی تعریف ہے۔

دارم به چہاں گریہ پاکیزہ نہامے      کز بال پر چاد بود بچ ریم او  
 سرست ادا چوں بنیں باز خواند      از خاک و دغخہ نقش قدم او  
 چوں صورت آینه ناز و لطف      آید بہ نظر بچہ او از شکم او  
 ہر شیر زیاستے کہ بہ بیٹی بگلستاں      دارو سرور دیوہ خستش از دم او  
 گر جاذبے مودہ را بندہ سرا ہے      از پاکی طہنت نغز و خیر غم او  
 ہر بچہ کہ کنج شک بوسے باز سپارد      در پرورش او نغز جبر قسم او  
 آرسے بروا از غریب و انداز خواہش      بر کبک تدوہست اگر خود ستم او  
 رخشندہ او تیمقش از لطف زبانش      گوئی بہ افتاب سہیل است غم او  
 جوش گل و بالیدگی موجب شکست      دم لایہ کستاں آمدن و مہدم او  
 در عہدہ چربندہ ز دم باز کش آمد      لڑو شکن طرہ خواباں ز جسم او

تمامہ کوش صفحہ افلاک بود سر

بادا کف است من و پشت شکم او



# تیرھواں باب

## تصانیف

بد بگم گم بہ صورت انگدیاں وہ ہم غائب  
بہ دارالملک معنی کے گنہگار نہ ہوتا

مداول تصانیف | غائب کی تصانیف بہ صورت موجود حسب ذیل ہیں :-

(۱) کلیات نظم فارسی جس میں قطعات، ترکیب بند، تریخ بند، نوحہ جات، ثنویاں، قصائد، نثریات اور رباعیات شامل ہیں۔

(۲) کلیات نثر فارسی جو پانچ آہنگ، تہذیب و تمدن، وراثت و تہذیب پر مشتمل ہے۔

(۳) دیوان اردو جس کے مختلف ایڈیشن اور مختلف نسخے موجود ہیں۔

(۴) اردو کے معنی اس کے بھی مختلف ایڈیشن ملتے ہیں۔

(۵) عود ہندی جس میں نامہ غائب بھی شامل ہے۔

کیا ب تصانیف | جو تصانیف آج کل بہت کم ہیں۔ اور غائب کی وفات کے بعد دوبارہ شائع نہیں ہوئیں، ان کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) قاطع برہان جو غائب کی زندگی ہی میں دوسری بار رد و فاش کاویانی کے نام سے شائع ہوا تھا۔

(۲) تسبیحیں جس میں غائب کا وہ فارسی کلام چھاپا گیا تھا جو کلیات نظم فارسی کی جگہ کے بعد سے لے کر غائب کی وفات سے تھوڑی مدت پیش تک لکھا گیا یا جو پہلے

لکھا گیا تھا لیکن کسی وجہ سے کلیات میں شامل نہیں ہو سکا تھا۔

(۳) تاریخ تیرہ جس میں قاطع برہان پر اعتراض کرنے والوں کے جوابات دیئے گئے۔

۱۴) نکات و تفصیلات غالب جس میں فارسی زبان کے چند اصولی قواعد مثل اُردو زبان میں بیان کئے گئے تھے اور ان میں پنج آہنگ کے آہنگ چہلم میں سے غالب کے چندہ فارسی کا تیسرا شال کر دیے گئے تھے۔

۱۵) ثنوی ابرگر باب یثنوی بہ حالت موجودہ کلیات نظم فارسی کے حصہ ثنویات کی آخری ثنوی ہے لیکن ایک الگ نسخہ بھی کلیات نظم کی اشاعت کے بعد ۱۳۸۸ء میں چھپا تھا۔ اس میں غالب کے چند فارسی قصیدے اور تفصیلات وغیرہ بھی شائع ہوئے جو درتعداداً ان کلیات نظم فارسی میں شال ہو گئے اور نہ سب میں گئے۔  
۱۶) قاور نامہ اس کتاب کا ایک نسخہ ۱۸۷۲ء کا چھپا ہوا ہے جس نے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیکھا ہے۔ پیشہ کا دعویٰ ہے کہ یہ کتاب غالب کی تصنیف ہے لیکن مجھے اس دعویٰ کی صحت میں شک ہے۔ یہ خالق باری کے دماغ میں پل کے مضامین کی کتاب ہے جس میں سہولت خط کے لئے متضاد الفاظ نظم کئے گئے ہیں اس کا پہلا شعر یہ ہے

قادر القدر و ریزاں ہے خدا

ہے بنی مرثیہ سپہ رہنا

اس کا نام قاور نامہ غالباً اس وجہ سے رکھا گیا کہ پہلے شعر کا پہلا لفظ قاور ہے (۱) اگلے شعر کا غالب نے اپنے عزیز دوست مولوی سرسج الدین احمد کی فرمائش پر اپنے اُردو اور فارسی کلام کا ایک منتخب مجموعہ اس نام سے مرتب کیا تھا اور اس کے دیباچہ اور مختصر کی شریں فارسی زبان میں لکھی تھیں جو ان کے کلیات شریں فارسی میں موجود ہیں لیکن جس حد تک معلوم کر سکا ہوں یہ مجموعہ کبھی شائع نہیں ہوا اور نہ اس کا کہیں سے چھٹل سکا ہے

غالب کی اُردو اور فارسی شریں فارسی میں اُردو دیوان، کلیات نظم فارسی پنج آہنگ اور نظم

کے حالات کم ملتے ہیں۔ قاض برٹن اور سٹینڈ کے حالات زیادہ ملتے ہیں۔ ہر حال جو کچھ حکم  
یہاں ویج کیا جاتا ہے۔

اس کی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب کی نظم و شرعہ ان کے پاس کبھی جمع نہیں ہوئی ان کے  
بعض دوستوں اور نیاز مندوں نے ان کی تحریرات کے جمع کرنے کا اہتمام کیا تھا جن میں  
سے نواب ضیاء الدین احمد خاں شیریں لوہارو اور ذوالفقار الدین حیدر حسین مرزا خاص  
طور پر قابل ذکر ہیں۔ نواب ضیاء الدین احمد خاں نے غدر سے قبل غائب کی سب تحریرات  
اہتمام کے ساتھ جمع کر کے ان کی پر مختلف جلدیں بند حوالی تھیں لیکن یکجہے غدر میں لگتے  
تھے۔ غائب منشی شیونائین اکبر آبادی کو لکھتے ہیں :-

ضیاء الدین خاں جاگیردار اور دیوبند سیدی بھائی اور میرے شاگرد و شاگرد ہیں نظم و شرعہ میں  
جو کچھ کما انہوں نے لیا اور جمع کیا۔ چنانچہ تعلیمات نظم و شرعہ جیسا کہ چوتھوں نے فرمایا اور سچ آجنگ  
اور تکرار نہ اور اتنا بکثرت سب لکھ کر سو سو سوزہ سقا اور مذہب اور مذکورہ ہی ابری کی  
جلدیں کوئی ڈھڑھو اور سو سو کے مرتب ہیں بنوائیں میری خاطر کی کورسہ اہتمام سب کیا  
فرام ہے۔ ہر ایک شہزادہ نے اس پر نظم و شرعہ کی نقل کی اب دو جلدیں اہتمام اکٹھا کر لیا  
سے یہ نظم و شرعہ ہم پر اور شرعہ اور دو نوں جگہ کا کتاب خانہ خانہ بن گیا۔ ہر چہ چوتھوں  
آوی روٹاتے کہیں سے ان میں سے کوئی کتاب اخذ ذاتی وہ سب قلمی ہیں۔ غرض اس  
تحریر سے یہ ہے کہ قلمی غازی کا تعلیمات قلمی جندی کا تعلیمات قلمی چچ آجنگ قلمی اور تکرار  
انگوں میں سے کوئی نسخہ کہتا ہر اتفراتے قرائی کو میرے واسطے خود کر لیا اور جگہ کو اطلاق کن  
میں قیامت بھیج کر دیکھا اور لکھا۔

یہ جنوری ۱۸۵۵ء کا کتبہ ہے اپریل ۱۸۵۵ء کے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :-

مرد کے وہاں کے چھاپے ناقص ہیں بہت غزلیں اس میں نہیں ہیں قلمی دیوان جو  
اتر و اکل تھے وہ لٹ گئے۔ یہاں سب کو کہہ رکھا ہے کہ ہاں کہتا ہوں وہ فراموش کر گئے۔

یہ ہر حال ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ:-

(۱) غالب کی تحریرات ان کے پاس جمع نہیں ہوتی تھیں۔

(۲) جو چیزیں مختلف دوستوں کے پاس بالخصوص نواب ضیاء الدین احمد خاں کے پاس جمع تھیں۔ وہ قمار خدیں نہ گئیں۔

خدا کے بعد جو کچھ جمع کے چھا پا گیا۔ اس میں بلاشبہ انتہائی ہتمام کیا گیا ہو گا کہ کوئی چیز باہر نہ جاتے۔ غالب کی موجودہ شائع شدہ تحریرات میں اگرچہ کوئی ایسی شہادت نہیں ملتی جس سے ثابت ہو کہ بعض چیزیں چھپنے سے روک گئیں لیکن ان کا وزیر مملوہ کا نام نسخہ حمیدیت کے علاوہ متفرق طور پر ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ اس کا اچھا خاصہ حوالہ صلیبی طور پر خد سے پیشتر کا مملوہ ہوتا ہے۔ البتہ یہ کتنا مشکل ہے کہ وہ فراہم نہ ہو سکا۔ یا غالب نے اسے خوفناک قابل اشاعت سمجھ کر نظر انداز کیا۔

آر دودویہ ان تصانیف میں سے ہم سب کے پہلے آر دودویان کو پتے ہیں جو غالب کی موجودہ عظمت و عظمت کا حقیقی مدار ہے۔ اگرچہ غالب اسے اپنے بھی کما حقہ کا صحیح منظر نہیں جانتے تھے بلکہ اسے ہاٹ ننگ دیکھتے تھے۔

اپریل ۱۸۵۹ء کے جس کتب کا حوالہ دیا جا چکا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۹ء سے پیشتر غالب کا آر دودویان ایک نیا وہ مرتبہ جو چھپ چکا تھا غالب سید بدر الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

دوان اگرچہ تیرے کا منتخب کہتے ہو تو وہ اس عرصہ میں دلی اور کان پور دو جگہ چھاپا گیا۔ اور تیرے جگہ اگر وہ میں چھپ رہا ہے۔

لے وہ خود ایک خط میں دلی کو غالب کہتے ہوئے فرماتے ہیں:-

راست سے گو کہ میرے اندر بہت سرخروا کشید ہر دو رنگا رنگت بن رنگ من بہت  
نادر میں تو بیانی نقشہ دے رنگ رنگ بگذا دو مجموعہ کو بی رنگ من بہت

اس خط پر تاریخ مبن نہیں لیکن بعض خطوں سے جن کے اقتباسات آگے چل کر پیش کئے جائیں گے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان اردو لاہور درجنی ۱۸۶۶ء اور ۳۳ جرنی ۱۸۶۷ء کے مابین اگر وہ میں منشی شیونرائن مالک مطبع سفید غلامی کے پاس چھپنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید بدر الدین والا خط ۳۳ جرنی ۱۸۶۷ء کے بعد لکھا گیا تھا۔ ۱۰ جنوری ۱۸۶۸ء کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ میں دیوان کی طباعت میں تاخیر ہو جانے سے غائب کیے یہ سمجھا تھا کہ منشی شیونرائن دیوان چھاپنا نہیں چاہتے اور اس وجہ سے انہوں نے وہی میں دیوان چھپوایا تھا اس سے ظاہر ہے کہ سید بدر الدین والا خط جرنی ۱۸۶۷ء سے بعد کا اور ۱۰ جنوری ۱۸۶۸ء سے پہلے کا ہے۔

میں دیوان کی بنیاد | اپریل ۱۸۶۵ء والے خط سے جس کا حوالہ دیا جا چکا ہے، یہ بھی ظاہر ہے کہ وہی اور کان پور دونوں جگہ کے چھپے ہوئے دیوان ناقص تھے۔ ان میں تمام قرین نہیں آتی تھیں۔ ۱۰ دسمبر دیوان جو اتم و اکمل تھے وہ غدر میں لٹ گئے تھے ۱۸۶۷ء میں کل اردو دیوان چھاپنے کا خیال پیدا ہوا اس کی تحریک میرٹھ کے ایک تاجر کتب عظیم الدین صاحب کی طرف سے ہوئی۔

غائب کی ۱۸۶۵ء میں اپنے اردو دیوان کا ایک نسخہ نو خط لکھو کر نو اب مسد علی خاں کے لئے رام پور بھیج دیا تھا۔ جنوری ۱۸۶۵ء میں وہ رام پور گئے تو غائب ضیاء الدین احمد خاں تاکید کی گئی کہ اس نسخہ کی ایک نقل لے کر کچھ اوی جائے۔ غائب نے یہ فرمائش پوری کر دی تھی رام پور کے قیام ہی کے دوران میں انہیں عظیم الدین میرٹھ کی طرف سے ایک درخواست موصول ہوئی جس میں دیوان کے چھاپنے کی اجازت طلب کی گئی تھی غائب نے اس کا کچھ جواب رد کیا جب وہ رام پور سے واپس ہوتے ہوئے میرٹھ پہنچے تو وہاں مسد علی خاں شفیقہ کے مکان پر منشی ممتاز علی صاحب میرٹھ عظیم الدین کے سفارشی بنے اور اصرار کیا کہ دیوان پھیلنے کے لئے دے دیا جائے۔ غائب مسد علی خاں صاحب شفیقہ مرحوم نے کا پانچویں کافر لکھا

غائب راہنی ہو گئے اور وہی پہنچ کر وہی سخن بزرگاب ضیاء الدین خاں کے پاس راسخ سے  
 بیجا تھا بزرگاب صاحب کیا اور بزرگاب مصطفیٰ خاں کے پاس میرٹھ بھیج دیا غلام الدین  
 نے دیوان کا چچا پا ابھی شروع نہیں کیا تھا۔ اسی اثنا میں غائب کے عزیز دوست نشی شہزاد  
 صاحب نے اصرار ڈھرنی کر دیا کہ دیوان نہیں دیا جائے وہ خود اپنے مطلع میں اسے اہتمام  
 کے ساتھ تھا ہیں گئے غائب نے تھا خدا کے دیوان غلام الدین سے واپس لیا اور اگر نشی  
 شہزادوں کے پاس بھیج دیا۔ وہاں بھی اس کی اشاعت میں تاخیر ہوتی تو وہی بھی حین خاں  
 صاحب کے مطلع احمدی واقع شاہدہ میں دیوان تجھوایا۔  
 میرٹھ میں جہات کا ہتھام | غائب نشی شہزادوں کو لکھتے ہیں۔

میں اسم پر میں تھا کہ ایک ملا پہنچا میرٹھ پہنچا تھا عرضہ غلام الدین احمدی مقام میرٹھ  
 واقع ہوا اگر میں جانا ہوں کہ غلام الدین کن ہے اور کیا پیشہ لکھا ہے معلوم ہو کہ کہندی دیوان  
 اپنی سو گری اور خاندانہ غلام کے واسطے چھاپا جاسکتے ہیں۔ غیر چھاپا جاسکتے ہیں۔ اسم پر  
 سے میرٹھ کا جہاتی مصطفیٰ خاں صاحب کے ان اترادہ ان نشی متذلل صاحب میرٹھ دوست  
 قریب مجھ کو ملے انہوں نے کہا کہ پناہ دو کہ دیوان مجھ کو بھیج دیکھو غلام الدین ایک کتاب نشی  
 اس کو چھاپا جاسکتا ہے۔ اب تم شہزادوں نے اپنے حق و کمال کہاں تھا۔ اس میں نے خدا سے  
 اپنے کھسک کر غائب پر جہاتی غلام بہادر کو رام پور بھیج دیا تھا۔ اب میں ملے سے رام پور چلا  
 گیا کہ رہا فیضیاء الدین نے مجھ کو تکیہ لکھ دیا تھی کہ تم غائب صاحب کی سرکوت سے دیوان کر  
 اس کو کسی کو بھیجے کھسک کر مجھ کو بھیج دینا میں نے نام پر میں کا بھیجے کھسک کر دیوان لکھ دیا  
 خاں کو وہی بھیج دیا تھا ہم ہر دو ملے سابق اب پر نشی متذلل صاحب مجھ سے کہا۔  
 ترجمہ یہی کہتے ہیں کہ اگرچہ دیوان میں فیضیاء الدین احمدی خاں سے لے کر بھیج دیوں گا  
 لکھ دیا کی بھیجے کہ خدا کن کرنا ہے وہ غائب مصطفیٰ خاں نے کہا کہ میں اب کہہ میں کیا کہن لکھ  
 اگر فیضیاء الدین اس سے دیوان لے کر ایک آدمی کے ہاتھ غائب مصطفیٰ خاں کے پاس بھیج دیا





میں اس قسم کی باتوں پر نہیں آتی ہے۔ یہ وہ دن جو میں نے تم کو بھیجا ہے، تم وہاں سے  
وہ اور کون سی دو چار تحریریں ہیں جو مرزا دوست علی خاں قزاق کے پاس ہیں اور اس دن  
میں نہیں۔ اس طرف سے آپ اپنی خاطر رجحان رکھیں کہ کوئی مصرعہ یا اس دیوان سے باہر نہ

دلی میں طباعت لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے منشی شیونراق کی طرف سے بھی دیوان کی  
طباعت میں تاخیر ہو گئی اور غالب نے دیوان دلی میں چھپوا دیا۔ ۱۰ جنوری ۱۸۶۷ء کے  
ایک خط میں منشی شیونراق صاحب کو لکھتے ہیں:-

دلی میں ہندی دیوان کا چھپنا پہلے اس سے شروع ہوا ہے کہ حکیم حسن احمد خاں قندھار بھیجا  
ہوا فرستادے دیں اور وہ جو میں نے یہاں کے مطبع میں چھاپنے کی اجازت دی تھی یہ کب کوئی  
تھی کہ اب قندھار اور اس کے چھاپنے کا نہیں۔ جو کہ دیر بڑے چھاپے خانے والے محمد ضمیم  
ضمیم (ابن) نے کسی عجز و اصرار سے دیر نہ دیا تھا اور میں نے فکر قندھاری خوشی پہ چڑھ کر  
پھیر لیا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا تھا کہ اور کہ چھاپنے کی اجازت دیں۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی شیونراق صاحب بھی طباعت شروع کر چکے تھے نہیں  
کہا جاسکتا کہ انہوں نے چھاپا مکمل کیا یا نہیں کیا۔

اس باب میں ایک عجیب امر یہ ہے کہ جب اس نسخہ کے سوا جو غالب نے رام پور سے  
نقل کرا کے نواب ضیاء الدین خاں کے پاس بھیجا تھا۔ دیوان کا اور کوئی نسخہ موجود نہیں تھا  
وہی نسخہ نواب صاحب کے مستعارے کے سر پر قندھار سال کروا دیا تھا بعد ازاں اسی کو وہاں لٹاکر اگر مرزا  
تھا، تو وہی واسطے مطبع میں کون سا نسخہ چھاپا؟ یہ معلوم ہے کہ غالب نے منشی شیونراق کو بھیجا ہوا نسخہ  
وہاں نہیں لیا تھا بلکہ اسے منشی صاحب ہی کے پاس رکھنے دیا تھا۔ تو کیا دلی والے مطبع کے  
لئے رام پور کے نسخہ کی دوبارہ نقل حاصل کی گئی تھی یا نسخہ کو منشی شیونراق کے پاس بھیجنے سے  
قبل اس کی کوئی نقل رکھی گئی تھی یا غرض کے گم شدہ نسخوں میں سے کوئی منقول لیا تھا؟

غائب کی تحریرات میں مجھے ان سوالات کا کوئی جواب نہیں ملا۔

عبدان ۱۲۰۰ تصنیف پاؤں | دلی میں جو دوران چھپا تھا۔ اس کا چھپا پابست بنا تھا۔ نیز اس میں غلطیاں بہت رہ گئی تھیں۔ غائب خود میر تقی کو لکھتے ہیں :-

دوران چھپ چکا ہے۔ دیکھو کہ چھپنے والے میں کادور میں چھپا ہوا ہے۔ کوہستان چھپ چکا  
میں غائب نے اتفاقاً ذکر چھپا دیا۔ دلی پہ اس کے پانی پاماس کے چھپے چھپتے۔ صاحبان  
کوس طرح یاد کن بیٹے کوئی کہتے کہ ہاروے۔ ہر کوئی دیکھتا رہا ہوں۔ کوئی لکھا اور تھا تو سطور  
کوئی میرے پاس لایا کرتا تھا۔ اور تھا۔ اب جو دوران چھپ چکا ہے تصنیف ایک جگہ کو  
فریکتا ہوں تو وہ مضامینوں کے قوس ہیں۔ یعنی کوئی لکھتے ہیں۔ چار غلطیاں لکھا  
چھپا ہوا حال خوش و غامض کئی جلیں مولوں کا..... میں خوش ہوا۔ تم خوش ہو گے۔  
اور جو کہ لکھتے ہر پاس خریدنا چون قیمت لکھ بیچو میں دلاں نہیں بیٹھ سکتے ہیں۔ بیچ احمدی  
کے ہاتھ جو ہیں غائب بیٹھ مرزا احمد جان۔ مطلع شاہد میں لکھتے ہیں غائب دلی شہر دہانج کے  
کو ہے ہیں۔ مصوروں کی غلطی کے اس بہت کتاب پر آئے۔ اصول ڈاک خرید کے غائب۔

نما سننے کی نیز نگیاں دیکھو کہ جس مجموعہ اشعار کے غائب نے ہمارے زمانے میں دو دو سو روپے  
میں فروخت ہو چکے ہیں۔ اس مجموعہ کا حق تصنیف غائب کو صرف ایک نسخہ ملا تھا جس کی  
قیمت اس مبلغ ناما شرط طبع صرف چھ آئے تھی۔ اور انہیں اپنے دوستوں میں منے تقسیم کر  
کے لئے بھی خود خریدنے پڑے تھے۔

غائب منیا الدین احمد غائب نے مطلع احمدی والے ایڈیشن کی تاریخ بنانے کی بجائے  
اور بتیان کی بجائے "غالبی تھی بدست علی غائب نے لکھا تھا۔  
لکھی عزیز خستہ سے تاریخ انطباع  
حاصل کے کہ کو کاشکتے دوران بخیر"

۱۲۰۰ میں دوران کی غائب | مطلع احمدی والا خود ۲۰۰۰ میں ۱۲۰۰ کو چھپا تھا۔ لیکن جو لکھو وہ جو غائب چھپا تھا۔



تھیں کچھ اشعار دیوان غالب مطبوعہ طبع نفاذ میں چھپے ہیں کچھ اشعار اتنی صاحب نے  
 مکمل شمع کلام غالب میں چھاپے ہیں لیکن بعض اشعار ان وقت تک منظر عام پر نہیں آئے۔  
 ایک قلمی نسخہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک کتب گری میں غالب کی ایک فیروز  
 نزل کا حوالہ دیا تھا جو میرے علم کے مطابق آج تک کہیں نہیں چھپی تھی۔ حضرت مولانا نے نقل  
 کی نقل ذاب سعید الدین احمد خاں غالب مرحوم کے ملوک نسخہ سے حاصل کی تھی۔ میں نے حضرت  
 مدوح سے اس نزل کی نقل مانگی تو انہوں نے تحریر فرمایا کہ نقل آملال کے دور اول میں  
 حاصل کی گئی تھی، اور بنرض اشاعت دے دی گئی تھی۔ لیکن دفعہ آملال بند ہو گیا، نقل ضائع  
 نہ ہو سکی اور دوسرے مسودات کے ساتھ یہ بھی ضائع ہو گئی۔ میں اس کتاب کو مکمل کر کے  
 کاتب کے حوالے کر چکا تھا۔ اپریل ۱۹۳۶ء میں ایک ضروری کام کے لئے دہلی گیا۔ تو مولانا، خط لکھ  
 صاحب شیر کوئی نامک وایڈیرالان" وودعت کی وساطت سے میں نے ذاب غالب  
 مرحوم کے بعض نریزوں سے ملاقات کی اور ذاب صاحب مرحوم کا ملوک نسخہ دیوان غالب  
 دیکھنے کے لئے مانگا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا لیکن ایک صاحب ذاب  
 شجاع الدین احمد خاں تالابی مرحوم کی بیگم صاحبہ کے پاس سے ایک قلمی نسخہ دیوان غالب  
 لے آئے۔ جو بظاہر رام پور واسے قلمی نسخہ کی نقل معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے کہ اس کے آخر میں  
 ذاب ضیاء الدین احمد خاں کی لکھی ہوئی غارسی تقریباً یہی شامل ہے جس میں بیان کیا گیا ہے  
 کہ سامے دیوان میں ایک ہزار چھ سو نوے اور کچھ اشعار ہیں۔ اس کے حاشیہ پر جاوہر  
 اشعار مرحوم تھے جو غالب کے فیروزہ دار اشعار کیے جاتے ہیں میں نے ان تمام اشعار کی نقل  
 لے لی۔ ان میں سے بعض چیزیں ضائع ہو چکی ہیں مثلاً

کیوں کہ اس جسکے رکھوں جان عزیز  
 کیا نہیں ہے مجھے ایمان مسزینہ

یا

ہست سی تم گنتی شراب کم کیا ہے  
غلام ساقی کو ڈھروں بھر کو تم کیا ہے

یا

میں ہوں مشتاق جابلو چھا اور سی  
تم جو بیدار سے خوش اس سوا اور سی

بعض چیزیں "الہام" سے یا دوسرے رسائل کے حوالے سے دیوان قاسم کے نسخہ  
تلا ہی ہیں چھپ چکی ہیں۔ مثلاً دلی رام پور کے غنیمت محل آندو قصیدہ، دو تین قطعات اور غزل تیس  
تسلیق بخت دلی غزل۔

غیر ملاحظہ | مولانا قاسم خاں کے بقیہ غیر منبجود مآثرا میں ذیل میں دیچ کرنا ہوں۔

اپنے صنیٰ ہنس رہا ہے تو سی	یہ بھی اے حضرت ایوبؑ کا تو سی
بچے طاعت سواہر تو نہ چنیں کیوں کر	خوب ہیں غزلی تسلیم و رضا ہے تو سی
بے قیمت کہہ آمید گزرتے کی	نہے داد و مکر و دغا ہے تو سی
دوست ہی کوئی نہیں جو کہے چاند گلی	نہی نیا قتلے دعا ہے تو سی
غیر سے دیکھے کیا خوب بنائی اس نے	نہی ہم سے پاس بت میں غلام تو سی
نقل کرنا ہوں اسے نامہ حال میں	کچھ نہ کچھ دعا دل تم نے لکھا ہے تو سی
کبھی آجائے گی کیوں کہ ہر جلدی فنا	شہرہ تیزی شمشیر قضا ہے تو سی

خدا کے واسطے پروہ نہ کہہ کا آٹھا وا غلا  
کسیں ایسا نہ ہو یاں بھی دی کافر سنم غلے

لے دی غزل اور دوسرے غزلہ ۲۰ پر جو وہ لکھا دوسرے غزلہ ۲۰ کے، اپنی تالیف میں تلا ہی میں شہرہ تو

مسجد کے قریب یہ اک ٹکڑ بنایا ہے  
یہ بندہ کیسے جہاں خدا ہے

\*\*\*\*\*

مکن نہیں ہے ہول کے بھی آئیدہ ہل  
میں دشت غم میں آہوئے صیایدہ ہل  
ہوں درد مند ہر جو یا خستہ ہوں  
گناہ کشیدہ گرا خاکِ بیکیدہ ہوں  
جاں اب پائی تو ملی نہ شیریں دہن  
از بسکہ تھنی غمِ جہاں چشیدہ ہوں  
مے سجدے علاؤ اللہ ساغر سے پہلے  
میں عرض مثال میں تو بریدہ ہوں  
ہوں خاکسار پر کسی سے جو کچھ کو لاگ  
نے حلقہ قنارہ ہوش و ام حیدہ ہوں  
جو چاہتے نہیں وہ مری قدر و منزلت  
میں یوسفِ چقیت اول خریدہ ہوں  
ہرگز کسی کے دل میں نہیں جو مری جگہ  
ہوں میں کلامِ تنویر سے ناشنیدہ ہوں  
دلِ مع کے حلقے میں ہر چند مہنِ قیل  
پر عاصیوں کے نمر میں میں گنبدہ ہوں  
ہانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طبع آہستہ  
ڈرتا ہوں آئندہ سے کہہ دو گزیدہ ہوش

عاشیہ اور زن کے علاوہ اس قلمی نسخہ کے اول و آخر کے بعض اوراق پر چند اشعار اردو اور فارسی کے موجود ہیں جو میرے علم کے مطابق آج تک کہیں شائع نہیں ہوئے یہ مثلاً یہ اشعار جو غالب اور اردو والوں کی طرف سے تصانیفِ شریفِ آوری کے جواب میں کہے گئے۔

خوشی ہے یہ آنے کی بسات کے      یئیں باوہ تاب اور آسم کھائیں  
سروِ غار و موسم میں آہو می جہنم      کہ دلی کو چھوڑیں لڑاو کو جہانیں

لکھا یہ نظم ایک مرتبہ مجدد آس بھی شائع ہوئی تھی جبکہ جدیدہ مذکورہ شروع شروع میں نام نہادوں سے تھا تھا جس زمین میں غالب نے ابتدائی دور میں رد و قائل کی تھیں جو خود مجدد آس میں موجود ہیں اور جن میں سے وہ شروع شروع میں بھی پسند فرمایا۔ فرمودہ یہ ہے میں یہ وہ شعر اس قلمی نسخہ کے عاشق پہ بھی موجود ہیں جس سے میں نے مستندہ بالا اشعار نقل کئے غالب و دمنظر ہیں سے غالب نے صرف یہی دو شعر قابلِ اندراج سمجھ کر نسخہ نکالے تھے۔

سوانح ہے جو کہ مطلوب جاں نہواں آسم پائیں نہ انگور پائیں  
 ہر اسکم باد چہیوں کو کہ اں ابھی جا کے پرچہ کو کل کیا بچائیں  
 وہ کھٹے کھاں پائیں اہلی کے پھل وہ کرٹے کر لیے کھاں سے ٹکائیں  
 فقط گوشت سو بھیڑ کا ریشہ وار  
 کسوا کی کیا کھا کے ہم خدا ٹھائیں

.....

خواتین بسوئے خوش مذاقی کر مہم دانی کہ مردہ لادہ و رسم خرام نیست  
 تے شج سد و ام قد الکوش ترگ من از عالم جنابت و مرگ حرام نیست

.....

دو شعر سرے کے ہیں جو ذاب شباب الدین احمد خاں ثاقب کی شادی کے موقع  
 پر کہے گئے تھے ۔

بہنمیں ہمارے ہیں وہ چاند شام لائے خاں بہنم شادی ہے خلک کا کشاں ہے کھڑ  
 ان کو لڑیاں نہ کہو بھر کی موبیں بھو ہے تو کشتی میں دے بھر دواں ہے کھڑ  
 ماراچہ الور نے ٹھکٹاں کا ایک نہایت عمدہ قصیدہ میر پنج بخش سے لکھوایا تھا اور بہت  
 مدد پس کی تدرین بہ صرف کیا تھا ایک فارسی قطعہ تاریخ اس خزانہ کی نگین سے مستحق ہے ۔  
 ایک قطعہ مثنوی کا انداز اسطورہ نظامی کے صفحہ ۷۷ پر ایک فیضیہ مرفوز صبح ہے جس کا قطع یہ ہے

اب ہے دلی کی طرف کوچ بہارا ثاقب

آج ہم حضرت ذاب سے بھی مل آئے

جناب نظامی فرماتے ہیں کہ ذاب سے ذاب یوسف علی خاں دانی رام پور کی طرف

اشارہ ہے ۔

یہ وہ قول ہے جو رام پور سے رخصت ہوتے وقت لکھی گئی ہے کہ وہاں اس وقت مرتب



ہو کر چپ چہ تھا۔ اس نے دیوان میں شامل نہیں ہوئی۔

خائب خائب پر سفت ملی خاں کے زمانے میں تجزیہ مشاعرے میں ماسم چور گئے تھے اور ماہچ مشاعرے میں وہیں آتے تھے۔ دیوان کی طباعت کے جو حالات اور پریدان کئے جا چکے ہیں۔ انہیں پیش نظر رکھتے ہوئے نہیں ماسم جاسکتا کہ ماہچ مشاعرے میں دیوان تب ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ اس وجہ سے یہ غزل شامل دیوان نہ ہو سکی۔ بلکہ دیوان اس سے کم پیش چڑھ کر برس بعد شائع ہوا۔ دوبارہ فرید میں ماہ بعد چھپا۔ میرا خیال ہے کہ خائب سے فوجیہ مضامین خاں کی طرف نہیں بلکہ خائب سلب ملی خاں کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ غزل مشاعرے میں نہیں بلکہ مشاعرے میں طباعت دیوان سے دو تین برس بعد کی گئی۔

بہر حال خائب کا اردو کلام ابھی تک بہت متفرق حالت میں ہے۔ اس بات کی بھی کھنت ضرورت ہے کہ تمام چیزوں کو یکجا کر کے بہ صورت کتابیات چھاپا جائے اور اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ سارا کلام سامنے رکھ کر اس کا ایسا انتخاب مرتب کیا جائے جو خائب کے رنگ کا صحیح منقح ہو۔

ان بعد کا تیب | خواجہ حالی مرحوم نے لکھا ہے :-

مرزا مشاعرے تک ہمیشہ فارسی میں خطوط بہت کرتے تھے مگر سنہ ۱۲۸۰ کو میں پیدا  
وہ تاجیک ذہنی کی خدمت پر مامور کئے گئے اور بعد میں قریب دو لاکھ تھیں مصروف تھے  
اس وقت بہ خدمت ان کو اردو میں خطوط بہت کرنی پڑی ہوگی ..... قیاس جاہتا ہے  
کہ انہوں نے غالب مشاعرے کے بعد سے اردو زبان میں خط لکھنے شروع کئے ہیں۔

مجھے اس زمانے سے اتفاق نہیں۔ اس لئے گراول مرزا فرید کوئی بڑی کتاب نہیں  
جس کی ترتیب میں خائب کے اوقات کا بیشتر حصہ صرف ہوتا ہو گا۔ یہ کتاب انہوں نے کم و بیش  
پانچ برس میں مرتب کی ہو جو وہ طلبہ و محدثین میں اس کے ۱۱۸ صفحے ہیں۔ اس سے ظاہر  
کہ ہر اعتبار و وسط وہ سال بھر میں زیادہ سے زیادہ پچیس صفحات لکھتے رہے اور یہ خائب جیسے

قادر اصطلاح اور شاق نثر پھر کے لئے کوئی بہت بڑا کام نہیں ہے جس کی تکمیل کی خاطر انہیں فارسی خط و کتابت ترک کرنی پڑی ہو۔ دوسرے خط و کتابت میں ان کا عام انداز ہے اور ابجھا ہوا نہ تھا بلکہ جو کچھ لکھتے تھے عموماً بلا تعلق لکھتے تھے اردو خط کی طرح فارسی خط میں بھی تعلقات سے آزاد و گی ہر مقام پر ظاہر ہے انہوں نے خود پہنچ آہنگ کے آغاز میں نثر نگاری کے جو خاص بیان کئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ ابتدا ہی سے صحیح راستہ پر گامزن تھے۔ اور یہ نہیں کہا جاسکتا کہ فارسی خط کے لفظ لفظ پر گھنٹوں مصروف فکر رہتے تھے۔ دوسرے ان کے فارسی حکایتیں ایک غلطی جو آہنگ جو پھر کے نام ہے جس میں سر کے لئے نگلی کی قرینہ کی ہے۔ اس خط کے انہیں مطبوعہ پہنچ آہنگ میں کم و بیش مطابقت حاصل ہوئی ہے۔<sup>۱۸۸۵</sup> ثبت ہے۔ جری اور عیسوی تاریخ میں مطابقت نہیں ہوتی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کم از کم ایک تاریخ ضرور غلط ہے۔ اگر تاریخ ہجری کو ۱۲۵۰ء کے بجائے ۱۲۵۱ء رکھا جائے تو عیسوی تاریخ درست ہو جاتی ہے۔ میرزا خاں ہے کہ یہی صحیح ہے۔ ان کے اردو خط کے ایک خط میں بھی غلطی جو آہنگ کے نگلی کا تقاضا موجود ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

کیوں صاحب وہ ہماری نگلی اب تک کیوں نہیں آئی؟ بہت دن ہوئے جب تک لکھا تھا کہ اسی جتنے ہیوں گا۔

یہ دونوں خط لاڈلہ ایک دوسرے سے قریب زمانے میں لکھے گئے ہوں گے میرزا خیال ہی ہے کہ غالب ۱۸۸۵ء سے قبل اردو خط و کتابت شروع کی تھی لیکن چونکہ اس زمانے میں اردو نثر کو اہل علم زیادہ بلند پایہ نہیں دیتے تھے۔ اس لئے وہ خط مختصر و خورہ کے لیکن جیسے جیسے اردو کا رواج بڑھتا گیا اور فارسی کا رواج کم ہوتا گیا۔ غالب کی خط و کتابت فارسی کے بجائے اردو میں زیادہ ہوتی گئی۔

اردو کتابت کی ابتدا ۱۸۸۵ء کے شروع ہوا ہے کہ ۱۸۸۵ء تک اردو کا تیب کا اچھا ذخیرہ مختلف دوستوں کے پاس جمع ہو گیا تھا۔ اور وہ انہیں چھاپنے کا قصد کر رہے تھے۔ یہ پہلے

# شد جانشینی بنام نواب علی الدین خان علی

به دست



دانشها رسد و اندیشه را سار به فرگاه نگار و الله عز و جل با نداد و اند  
 جز اینها که آنچه چه اندیشه یا همه است در دیده و دست هر چه می دانستند  
 دیده و نگشاده اند خرد که آفرید نخستین شاه سز که همه گشت و همه بین  
 هر آنچه هر چه پس از تو چه چنگاه پیدایشی شناسد این توانا سرش بگوئی آن  
 را چه دیار تواند شد سخن در آنست که آن هست بود را که بشنید و در بود است  
 چگونه تواند شدت چون خرد فرو مانده تر از است مگر خرد اندک بخشی از خرد دنیا  
 و در آنست خرد و آفرین چون فرو نمانیم جا مانین نه پس چه که خدا را آفریدگار  
 خدا را در آفرینش سخن که بر تویی از شکستنی خرد تواند بود هم بهر از اندک  
 خرد را به تر از تو سخن سخیم و سخن را بهنجا خرد و آنچه از گفتار است و در  
 دانش است همه است که قوه و امیسی از دانش است با اینها و در بایست که این کار  
 آموختن فرست است از تو زکا و به پر تو راه پند چو بدین راه گفتار نمی گوی که  
 هر از زاده نامور شعل را نگه میرزا علی و الله عز و جل در به خراب خرد و در  
 راه سخن به بهنای سخن رفت و در به بین و بر نای خوشی به نرست سخن گستر  
 من از من گرفت اینک چنانکه در خوشا و چه و چنانگی مردم چشم چنان  
 منتهی به چارالش نرست و فرزانگی جانشین من است این گفتار به نرست  
 اندیشه آن تو بخواه و گوید که مرا بهر دل در گرو



منشی شیروخان اکبر آبادی نے غالب کو لکھا کہ اردو سکاتیب شائع کرنے کی اجازت دیجیے غالب ۱۸ فروری ۱۸۷۷ء کے ایک خط میں منشی صاحب کو لکھتے ہیں :-

اردو کے خطوط پر آپ چھا جا چاہتے ہیں۔ یہی بات ہے۔ کوئی رقم دیا جاتا ہو تو  
تعمیم بحال کر دیا دل لگا کر لکھا ہو گا۔ ورنہ صرف حق میری ہے۔ اس کی شہرت میری شہرت  
کے منافی ہے۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اردوں پر  
ظاہر ہیں خاصہ یہ کہ ان کا چھاپنا میرے خلاف طبع ہے۔

غالب اپنے نادسی رقعات کو چھاپنے کے خلاف دیکھتے حالانکہ وہ بھی زیادہ تر  
ایسے معاملات سے متعلق تھے جنہیں ان کے اوردان کے دوستوں کے آپس کے معاملات  
کہنا چاہئے۔ اردو سکاتیب کی اشاعت سے گریز کی حقیقی وجہ یہی تھی کہ اس زمانے میں  
اردو شکر کوٹھنوری کی شہرت کے منافی سمجھا جاتا تھا۔ آپس کے معاملات والا عذر غلط  
نہ تھا۔

موجودہ تیب کی ترتیب | لیکن معلوم ہوتا ہے کہ دوستوں کے کہیم، صراحت کے باعث ان کی رائے  
بدل گئی تھی۔ چنانچہ ۱۲/۱۱/۷۷ء مطابق ۱۸/۱۱/۷۷ء میں چودھری عبدالغفور خاں سرود مارہروی  
نے غالب کے تمام رقعات "نور غالب" نام سے جمع کر لئے۔ اوردان کا ویساچہ لکھ کر غالب کے  
پاس بھیج دیا۔ غالب نے اس ویساچہ کی داد دی۔ یہ جو منشی ممتاز علی خاں کی تحریک پر مرتب  
ہوا تھا۔ منشی غلام غوث خاں نے تجویز خرید رقعات کی ترتیب شروع کر دی۔ غالب نے خط میں  
منشی صاحب لکھتے ہیں :-

کوئی صاحب ڈپٹی کمشنر نہیں لکھتے ہیں۔ مولوی عبدالغفور خاں ان کا نام شروع ان کا تخلص ہے  
میری ان کی ملاقات نہیں۔ انہوں نے اپنا ویدان چھاپے کا موسم ۷۷ء کو بڑے شال بک کر رکھا۔  
اس کی رسید میں یہ خط ہیں۔ ان کو لکھا۔ چوگر یہ خط جو غفور خاں کے لافن ہے۔ آج کے پاس

مسائل کا جواب۔

اس خط سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہی منشی ممتاز علی خاں صاحب جو دوسری مجلسِ حضور خاں کے پاس بارہ ماہ پہنچے تھے۔ اور جو وہ خطوط کی ترتیب کی ترتیب فرما چکے تھے اس مجموعہ کو چھاپ رہے تھے اور خواجہ غلام غوث خاں پیر کتب کی ترتیب و تکمیل میں منشی صاحب کے معاون تھے۔ غالب خواجہ صاحب کہتے ہیں :-

اں منزلت وہ مجھ کو پہنچا ہوا نسخہ چھاپنا تھا جس کا پختہ چھاپ چکا ہے تو فی تصنیف کی تھی جلدیں منشی ممتاز علی خاں صاحب کی بہت انتہا تک تھیں۔

ایک اور خط میں خواجہ غلام غوث خاں کو لکھتے ہیں :-

مب یہ مہلت جو تم کو لکھ رہا ہوں۔ یہ لائقِ شمول مجھ و شہزادہ و کہاں ہے یقین جانتا ہوں ایسی شہزادوں کو آپ خود بھیج دے گے۔۔۔۔۔ چاہے کس صاحبِ بادشاہ و فرما دے اس فریضے شمال کا یا جو وہ دم شریفِ شاہ مجھ کو آجائے اور وہ اب ان کے نامور کا حال پر چھا تھا اس کا جواب لکھ بھیجا تھا مگر شہزادہ و طلب کی غرضی مجھ کو نظم بھیج دیا۔ شہزادے باب میں قضا نام نہیں لکھا مگر یہ لکھا کہ میں نے اب اس کو جو بھیجا یا جاتا ہے۔ بعد انظیل و حصولِ اطلاع و ماں سے متناظر بیچ دیا گیا۔

وہ ہندی کی کیفیت بہتر حال منشی ممتاز علی خاں نے مختلف رقعات جمع کرائے سرور سے اپنا مجموعہ خود مقدمہ لکھ کر منشی صاحب کے حوالے کیا خواجہ غلام غوث خاں صاحب پیر نے بعض اور خطوط جمع کروائے۔ اس وقت تک یہی خیال تھا کہ تمام خطوط شائع نہ کئے جائیں بلکہ صرف وہ خطوط شائع کئے جائیں جن میں علمی رنگ نمایاں ہو۔ اس لئے غالب خواجہ غلام غوث خاں کو لکھتے ہیں :-

مب یہ مہلت جو آپ کو لکھ رہا ہوں۔ یہ لائقِ شمول مجھ و شہزادہ و کہاں ہے۔

لیکن بعد ازاں جتنے خطوط اس کے پیر شال مجھ و کروائے گئے اور وہ ہندی

میں ایسے خطوط بھی موجود ہیں جن میں عبادت کی کوئی خاص خوبی ہے اور کوئی علمی نکتہ  
 غالب دیا چکا ہے۔ ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ غلام غوث خاں خود ہندی کا دیباچہ  
 غالب ہی سے لکھوانا چاہتے تھے۔ غالب لکھتے ہیں :-

محمود نشتر، دو کاغذوں پر لکھے گئے دیباچہ پر موقوف ہے۔ تو اس پر غور کیا جا

جائے۔ بالمشق میرا ہے چاہتا۔ بلکہ محبوب جانا باختم جاوے گا ہوں۔ ہمدی مدد لڑتے فرماتے ہیں :-

رحم بہت کہ اہلکان تشریر

آؤ کہ سنند بندہ سپر

آپ بھی اسی گروہ یعنی اہلکان تشریر میں سے ہیں۔ ہر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے۔

فنی متاویں خاں کا بیان [فنی متاویں خاں خود ہندی کے دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ غالب کی  
 ہندی تصانیف تربت چھپ چکی ہیں۔ مگر کلام اردو نے سوائے ایک دیوان کے  
 ترتیب و پائی علائکہ غالب کی اردو نشتر و دوسروں کی فارسی سے بہتر ہے۔ مدت سے  
 میر خیال تھا کہ اردو نشتر بھی مرتب کی جائے :-]

سیرے عنایت فرما اور میرزا صاحب کے شاگرد کیا چہ دوسری عبد الغفر صاحب سرور تخلص

یہ ذکر آیا تو انہوں نے جتنے خطوط میرزا صاحب کے نام آئے تھے سب کو ایک جاکے

اور اس پاک دیباچہ لکھ کے وہ مجموعہ عنایت کیا۔ جو مذکور سرگرم تلاش رہا۔ جا بجا ہے۔

تشریر میرزا صاحب کی بہم پہنچا تھا۔ بڑی محنت و غنائی تبت تفتاب برائی ..... خواجہ غلام غوث

خاں بہادر تخلص چہ چاہتے تھے۔ غالب غوث گور بہادر مالک مغربی و شمالی کے میر تخلص اور

میر بہت خدمت خاص، اور حضرت غالب صاحب کے تخلص یا انقاس میں ہیں، اس تلاش میں میرے

مصیبت اور مددگار رہے۔ مدت کچھ فیروز خان کی جو دلت بہم پہنچا اس کتاب کی دو نسل اور ایک

خاتمہ ہے۔ پہلی نسل میں چودھری صاحب کے مرتب کئے ہوئے خطوط اور ان کا لکھا ہوا دیباچہ

دوسری نسل میں میرے لکھے ہوئے رقعات اور علامہ میں چند خط ہیں جو غالب نے

اوروں کی کتابوں پہترے فرمائی ہیں۔

تو دہندی کے جتنا نام کی عبارت بطور تقریظ حکیم غلام سولا صاحب قلع ساکن میرٹھ نے لکھی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ منشی ممتاز علی خاں رو سا میرٹھ میں سے تھے۔ تاہم یہ وہی جرنگ تھے جنہوں نے سفارشی بن کوٹرو کا دیوان منشی فطیم الدین صاحب کتب فروش کو بخرش طباعت دلا یا تھا۔

دہندی کی عبارت کو <sup>۱۸۶۵</sup> اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ دہندی کب چھپی؟ میرزا محمد عسکری حسنا مولف دہلی خطوط غائب فرماتے ہیں کہ دہندی سب سے پہلے علی محبتانی میرٹھ میں <sup>۱۸۶۵</sup> ۱۲ میں یعنی غائب کی وفات سے سات برس قبل چھپی تھی۔  
میں نہیں سمجھ سکا کہ میرزا محمد عسکری صاحب کے اس دعوے کی بنیاد کیا ہے۔ لیکن میری رائے میں یہ دعوے ناقابل تسلیم ہے۔ اس کے درجہ ورج ذیل ہیں:-

(۱) تو دہندی میں نامہ غائب بھی شامل ہے۔ اور نامہ غائب <sup>۱۸۶۵</sup> ۱۲ میں لکھا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ دہندی <sup>۱۸۶۵</sup> ۱۲ تک نہیں چھپی تھی۔

(۲) غائب کے خواجہ غلام غوث خاں بچھر کو مولوی عبد الغفور خاں نسخ کے دیوان دفتر بمشال کی تقریظ بھی دہندی میں شامل کرنے کے لئے بھیجی تھی اور اس میں لکھتے ہیں کہ جو منشروں میں اس کا نام اس وقت تک تجویز نہیں ہوا تھا سچے گایا چھپے گا یعنی اس تقریظ کی ترتیب تک تو دہندی نہیں چھپی تھی۔ اور تقریظ میں غائب اپنی عمر ایک کہتر بتاتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ تقریظ <sup>۱۸۶۵</sup> ۱۳ (مطابق ۱۸۶۵) میں لکھی گئی تھی۔

(۳) دہندی میں ایسے سکا تیب موجود ہیں جو یقینی طور پر <sup>۱۸۶۵</sup> ۱۳ کے بعد لکھے گئے مثلاً خواجہ غلام غوث خاں صاحب بچھر کے نام کا وہ مکتوب جو دہندی کے <sup>۱۸۶۵</sup> ۱۳

۱۵ دہلی خطوط غائب صفحہ ۳۵۷ اور دہندی کے صفحہ ۱۱۰۲ ۱۱۰۳ دہندی خط ۱۳۔

ہر وجہ پر اس میں غائب مجبور نہ قرار دے کے دیکھنے کی شکایت کرتے ہوئے پرنس  
 لکھتے ہیں کہ لارڈ کیننگ کی وجہ میں قصیدہ لکھا تھا۔ وہ سکریٹری صاحب نے یہ کر دیا ہے  
 کہ یہ کہ تم ایام غم میں پادشاہ کے صاحبزگے پھر لارڈ کیننگ کی وجہ میں قصیدہ لکھنا  
 آخر میں فرماتے ہیں کہ جب لارڈ کیننگ وائسرائے بنے تو ۱۳ فروری ۱۸۶۶ء  
 کو ان کی خدمت میں قصیدہ بھیجا۔ کج تک کہ ۲ مارچ ہے اس کا جواب نہیں آیا  
 اس سے ظاہر ہے کہ ۲ مارچ ۱۸۶۶ء تک خود ہندی نہیں چھپی تھی۔

دہم، خواجہ غلام غوث خاں کے نام کے ایک خط میں جو ۷ جولائی ۱۸۶۷ء کا لکھا  
 ہوا ہے۔ نواب کلب علی خاں دہلی مراد پور کی وجہ میں ایک قصیدہ بھیج رہے ہیں۔ یہ  
 معلوم ہے کہ نواب کلب علی خاں اپریل ۱۸۶۶ء میں سندھ نشین ہوئے تھے۔  
 ظاہر ہے کہ جولائی ۱۸۶۶ء تک خود شائع نہیں ہوئی تھی۔

عزیز احمد ایڈیٹر | غائب کی تحریرات کو سامنے رکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ خود ہندی ان کی  
 زندگی میں شائع نہیں ہوئی تھی اس لئے کہ اس کی اشاعت کا کہیں ذکر نہیں لیکن میں لاہور  
 واپس آیا تو میرے محترم اور فاضل دوست مولانا محمد شفیع صاحب سنبھل اور شیل کالج لاہور نے  
 بعض دوسری ضروری چیزوں کے علاوہ مجھے اکتوبر ۱۹۳۵ء کا رسالہ ہندوستانی بھی مرحمت  
 فرمایا جس میں محمود کی ترتیب کے متعلق نقشی ہمیش پشاد صاحب مولوی فاضل بنارس یونیورسٹی  
 کا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ خود ۲۸ مارچ ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۶ء  
 کو یعنی غائب کی وفات سے ٹھیک چار ماہ قبل شائع ہوئی تھی۔ لیکن اس میں بہت سی  
 غلطیاں رہ گئی تھیں۔ اور غائب نے اسے مکمل قرار دیا تھا اس مضمون سے خود کے متعلق جو مزید  
 معلومات حاصل ہوئیں۔ انہیں خلاصہ یہاں پیش کرتا ہوں۔

(۱) چودھری عبد الغفور خاں صاحب سرور ساہیوالی کے مجموعہ کے علاوہ خواجہ غلام غوث  
 خاں سحر نے مختلف خطوط کے جمع و ترتیب میں سخت محنت اٹھائی تھی لیکن انہیں



زیادہ تر خطوط صرف ان مسطور کے جو سرکاریات متحدہ میں رہتے تھے مثلاً لاہی کے  
نواب، نور الدولہ، انور کھنہ پور کے عبدالرزاق خاں، شاہراہ گڑھ کے عاقلم علی بیگ،  
بریلی کے قاضی عبدالغنیل۔

(۲) خواجہ صاحب نے پورا مجموعہ مرتب کر لیا، اہل اپنے پاس رکھا، اور اس کی نقل ۱۸۶۶ء  
میں ہنزہ طباعت منشی متاؤ ملی خاں کے پاس بھیج دی یہ بھی لکھا کہ طباعت کے  
قبل مسودہ غائب کر دکھایا جائے۔

(۳) پوری کتاب چھپ گئی لیکن طابع صاحب نے قطع تاریخ کے انتظار میں آخری صفحہ  
روک رکھا، ۱۸۷۱ء کتاب بدستور نامہ تمام پڑھی رہی۔ اخبار جلد و طوڑ مراد آباد کے مہتمم  
نے اسی حالت میں پچیس جلدیں لیں۔ خواجہ غلام غوث خاں صاحب کو تحفیت  
معلوم ہوئی تو انہوں نے منشی متاؤ ملی صاحب کو لکھا کہ قطع تاریخ فرض نہیں  
اس کا انتظار کیجئے اور کتاب مکمل کر کے شائع کر دیجئے۔

(۴) یہ نسخہ سرٹ میں چھپا تھا اگرچہ غائب بھر رہے تھے کہ یہ مطبعہ لاہ آباد میں چھپ چکا  
(۵) اس کی قطع  $9 \times 6$  (۶) تاریخ منشی کاغذ سیندھ تھا اور حجم ۸۸ صفحہ تھا۔

مرد کا مختلف ایڈیشن | منشی ہمیش پرشاد نے خود ہندی کے مختلف ایڈیشنوں کی تفصیل بھی بیان  
فرمادی ہے۔ جسے میں یہاں درج کرتا ہوں :-

(۱) مطبعہ میرٹھ ۱۵ اگست ۱۸۶۶ء (۲) رجب ۱۲۸۵ھ

(۳) مطبعہ ناراینی دہلی ۲۳ فروری ۱۸۶۷ء (۴) صفر ۱۲۸۵ھ

(۵) مطبعہ زکشنور کان پور ستمبر ۱۸۶۷ء (۶) رمضان ۱۲۸۵ھ

(۷) مطبعہ مفید غلام آگرہ مئی ۱۹۱۰ء

(۸) مطبعہ زکشنور کان پور ۱۳۱۳ھ (۹) بار چارم

(۶) مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۳۷ء

(۷) فٹیل پریس آرا باور ۱۹۳۹ء

(۸) مطبع انوار احمدی آرا باور

(۹) مطبع کرمی لاہور

(۱۰) مطبع گلزار ہند شمیم پریس لاہور

فشی صاحب کا اندازہ ہے کہ اس وقت تک مختلف مطابع میں خود ہندی کے بارہ ہزار نسخے شائع ہو چکے ہیں۔

پانچ ۱۹۳۶ء میں مجھے دہلی کے ایک کندہ فروش سے خود ہندی کا ایک نسخہ ملا جس کے اول و آخر کے چند صفحات غائب تھے نشی ہمیش داس نے خود کے پہلے ایڈیشن کی کیفیت بیان فرماتی ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے میرا خیال ہے کہ یہ خود کا پہلا ایڈیشن ہے۔ اس میں دو جگہ حاشیہ پر بعض جہاتیں موجود ہیں جو خطوط کے بعض حصوں کی تفسیر کے متعلق ہیں اردو سے سننے کی ترحیب | خود کی طباعت میں تاخیر ہو گئی تو غالب کے بعض غرض شاگردوں نے دہلی میں اردو مسکاتر کے چھاپنے کا ارادہ کر لیا۔ غالب و اب علاء الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں:-

مطبع کل المطابع میں چند اصحاب میر سے مسودات اردو بھی کرتے اور ان کو چھپا دیتے پر

آباد ہوئے ہیں۔ بھو سے مسودات لیا کرتے ہیں اور احوال و جوائیز فراہم کئے ہیں میں نے

خمس رکعت جو لکھا وہ جہاں بھیجا ہوا بھیج دیا انہیں ہے کہ غلام میرے قلم سے اس بہت ہوں گے

انگوں کا ایک پارس جاکر کہیں ڈاک بیچ دو گئے۔ یا آج کل میں کوئی اور کرتے والا ہوس کو

دے دو گئے تو موجب میری فشی کا ہوا۔

اس خط پر کوئی تاخیر نہ ہو جس سے معلوم ہو سکے کہ دہلی میں ترتیب مجموعہ کتاب کا کام کب شروع ہوا۔ غالب علاء الدین احمد خاں نے غالب خطوط کے بھینچنے میں تامل کیا انہیں پھر لکھتے ہیں:-

مستوحضاتی۔ اگر ان خطوط کا تم کو خطا نظر ہو، درحقیقت منافی طبع ہر توہرگز دیکھو جسے تم سمجھو  
اور اگر ان کے کھٹ ہونے کا اندیشہ ہے تو میرے کھلی خطوط اپنے پاس سہنے دو اور کسی  
مصدقہ سے نقل آؤ کہ کہہ جاؤ کسی کے اقد یا میری سبیل پائل ارسال کرو۔

نواب صاحب نے خطوط بھیج دیئے تو انہیں لکھتے ہیں :-

خطوط کے ارسال کر کر کے لکھنا اور مطالعہ نہ تھا۔ مطالعہ کے ذوق کو حسرت پاک میں تھوڑا  
برنگیا تھا جس سے ایک سبیل اقتدا وی اور طالب کتب کا سودا گہ ہے۔ پچاس فقہان سودے  
کا طاقت بہت کو جہانے گا میں سودا کو مستمر سمجھا تھا اور یہ خیال کیا تھا کہ یہ چھوٹے کا تین  
رحہ ایک جگہ سے کران کر لیجیے، اس کی وجہ میں تقریباً انہوں نے طلبہ قعات مختلف  
سودا گر لکھی اور اس سودا کو مستوفی کر لکھا۔ خطا ہر کتاب میں لے کر کہیں گیا ہو گا۔۔۔۔۔ یہ نہیں سمجھا  
اور بہترین خطوط دستور میرے پاس موجود دیکھو خطا ہیں گے اگر سودا بہ تھا طالب  
کہ ان خطوط کی نقلیں اس کو ارسال کر لیج دوں گا۔ ورنہ تم سے لیجے ہوئے کا ختم  
پہنچ جائیگی گے۔

اس خط پر ۲۴ مئی ۱۸۶۲ء کی تاریخ ثبت ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہی ہیں

مجموعہ خطوط کی طباعت کا ارادہ ۱۸۶۲ء میں ہوا تھا۔

آئندہ سے کئی طباعت [وہی وہی مجموعہ کا نام] آروے سے ملے قرار پایا میرمدی بھرتی نے اس کا  
ویاچہ لکھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ منشی جواہر سنگھ جوہری کو کششوں سے فراہم ہوا  
تھا۔ غائب کی زندگی میں اس کی طباعت مکمل المطابع میں نغز الدین کے زیر اہتمام شروع  
ہو چکی تھی۔ خاتمی عبارت قربان علی بیگ صاحب لکھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غائب  
مجموعہ کی طباعت مکمل ہونے سے قبل وفات پا چکے تھے۔ ساتھ ساتھ تاریخ طبع کسی اس کا خزی  
شعبہ تھا۔

سہ ہجری سال طبع سال وفات کچھ ان کا سخن تمام ہوا

غائب کی اپنی تحریر | غائب نے اردو سے ملنے کو حق ملکیت تکیم غلام رضا خاں کے نام کر دیا تھا۔ ان کی پہلی تحریر جو صرف پہلے ایڈیشن کے ساتھ چھپی تھی یہ ہے۔

پیکر ہے روح و دواں خیر و سدا شفاں غائب نفس بیچ ماں کہتا ہے۔ اور کلمہ دہتا ہے کہ یہ اردو سے ملنے تصنیف خیر صلیح اکمل المطلق و بلیس جہاں ہوا۔ سوس ملے اندر و دروہیتا پنا حق ہامیت خیر شہرہ قبال نشان تکیم غلام رضا خاں کو بخش دیا ہے۔ اور اس حق کو غلام رضا نے ہی کیا ہے اور کوئی صاحب اگر ملک اکمل المصلح تکیم غلام رضا خاں کے ہے، مصلح اور ملے کے چھپنے کا تصدیق کریں تو سوا اندر سے محو نہ رہیں گے اور قوراج سب نشا۔ تافرج بیچم غلام رضا خاں میں گئے۔

تو دہندی کی طرح اردو سے ملنے کے بھی مقدمہ و ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں بعض ایڈیشنوں میں غائب کے مزید رقعات شامل کئے گئے ہیں لیکن میں مساکر ایڈیشن ترجیح میں کر سکا اس لئے ان کی تفصیل نہیں بنا سکتا۔

نجات و رقعات | اردو کی بقیہ تصانیف میں سے "تیر کا ذکر قاطع بران" کے ضمن میں آئے گا۔ اس لئے کہ وہ قاطع بران کے سلسلے کی ایک کڑی ہے البتہ نجات و رقعات کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ اگرچہ یہ کتاب فارسی زبان کے بعض اصحاب قزاق سے نقل کی گئی ہے اور اس میں رقعات بھی سب کے سب فارسی ہیں لیکن اصل کتاب اردو میں ہے۔ خود غائب فرماتے ہیں کہ یہ پنج آہنگ کا اردو ترجمہ ہے۔

اکثر برس کا تازان آدمی دنیا میں رت ادا کرتے ہیں نجات کا طالب ترک بلوئی سدا شفاں غائب کہتا ہے نہیں ہیں چھپے میں نے اپنی نثر میں صریح نہیں کیا اور اس کا نام پنج آہنگ رکھا ہا میں برس کی قریب وہ سدا لکھا۔ اب انیس برس کے بعد یاد آ رہا ہے کہ پنج آہنگ کی چوتھی آہنگ جس میں فارسی کی صرف کامیاب ہے اس کا اردو ترجمہ کیا جانے کا کوہ اوراق

۱۔ ہر تیرتہ موجودہ آہنگ چارہم نظر میں و غیرہ شکل ہے۔ اور سدا و غیرہ کا بیان پنج آہنگ کی جگہ نام میں

حضور پروردگار جل جلالہ کے حضور، اور کتبہ مال اقامت نائب مسیح علیہ السلام جامع وائش ووداد کے  
مرلی اور دعا کے آئندہ جہان کے انتاب میگوڑا صاحب بہادر فرما کر دے وسیع ملک پنجاب کا  
نواب نصرت گورچا بہادران کا خطاب اور فی شخصیت سلطان ملک کش چل رکاب کی تہ  
کئے ہوں۔ خدا کے بعد حکم جہاں کا بیان حضرت کے پندائے۔ اور جو سالان کی زبان سے  
نکلتا ہے "کتاب کا نام ہے۔

۱۸۶۶ء

لیکن میری رائے میں اسے ترجمہ قرار دینا صحیح نہیں۔ ہر حال یہ کتاب فروری  
میں پیارے لال صاحب ہسٹسٹ اسٹورڈ رسوہلی نے چھپوائی تھی۔ اس کے میں  
صغیرات نجات کے لئے وقف ہیں۔ سر اسٹورڈ میں پندرہ خطوط چھپے ہوئے ہیں ایک  
خط نامہ لال صاحب کے طرف پانسونے چھپے تھے۔ دوبارہ یہ کتاب نہیں چھپی۔

اردو کی کتاب | ہنری اسٹورڈ ریڈ صاحب نے غالب نشی شیروان کی وساطت سے فراہم کی  
تھی کہ غالب اردو کی ایک کتاب لکھ دیں۔ غالب نشی شیروان کو کہتے ہیں ا۔

جانب ہنری اسٹورڈ ریڈ صاحب کو میں نے خود نہیں لکھ سکتا۔ ان کی فراہم ہے اردو کی  
نثری۔ اچھا ہے کہ اس کے ساتھ ان کو خط لکھوں مگر جہاں قم فرما کر اردو میں اپنے  
قلم کا ذکر کیا صرف کروں گا۔ اور اس عبارت میں صافی لاکر کہیں کہ جہاں۔ سوچ رہا  
ہوں کہ کیا لکھوں۔ کون سی بات، کون سی کہانی لکوں۔ مضمون تحریر کروں۔ تمہاری رائے  
میں پکا آئے۔ ترجمہ کو بتاؤ  
پھر لکھتے ہیں :-

جانب ریڈ صاحب صاحبی کہتے ہیں میں اردو میں اپنا کمال کیا بنا کر دکھانا چاہتا ہوں  
گنجائش عبارت کی کہاں ہے۔ بہت جگہ تو یہ جگہ کریمہ اردو پر نسبت اردو کے  
اردو کے فصیح جگہ۔ خبر ہر حال کہہ کر دے گا۔ اور اردو میں اپنا ذوق و فہم کھادیں گا۔

یہ ۱۸۶۸ء ستمبر ۱۸ء کی تحریر ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے اردو نثر کی کوئی

مستقل کتاب نہیں لکھی۔ البتہ برہم کے دیگر خزانچہ دار اس نے اردو زبان کی ابتدا کے متعلق ان سے جو تحریر حاصل کی تھی وہ خدا جلے کیا ہوئی۔ کاش اس تحریر کا نسخہ لکھیں سے لے سکے۔

فارسی زبان | فارسی قصا بیض میں سے ہم سب پہلے نظم کو لیتے ہیں غالب ۱۸۶۳ء کے ایک مکتوب میں سید بدیع الدین کو لکھتے ہیں :-

فارسی کا دیوان میں کبھی برس کا درجہ ہوا چھاپا تھا پڑ نہیں چھا۔

۱۸۶۳ء سے لکھیں برس غفلت دیتے جائیں تو ۱۸۳۳ء باقی رہتے ہیں اگر غالب بتائے ہوتے تھیندہ کو صحیح سمجھا جائے تو نتیجہ نکلتا ہے کہ فارسی کا دیوان پہلی مرتبہ ۱۸۳۳ء کے ٹک جھگ چھاپا تھا۔

غالب کے یہی بھائی میرزا علی بخش خاں رنجور پنج آہنگ کے دربار میں لکھتے ہیں کہ ۱۲۵۳ھ میں ذاب شمس الدین احمد خاں والی فیروز پور جھگر پر قضاے آسمانی سے آفت نازل ہوئی کہ خدا کسی کو نہ دکھائے۔

بھائی جھگ دربار جھگم ان سے چھ درجہ دہلی رسید وہ کاشاد بدو لا نشان قانع  
مہربان مرادنا غالب داد انصار و قزو آدم چوں دریاں یاسم و بان نہیں غلظت کو سسٹے پھینچانہ  
آمنہ وقت تازہ فرو ہم آدہ و پیرایہ اتنام پوشیدہ آنچہ و نشر و داں چاہوں بھی نہ صریحت در تمام  
و جنت ہمدانیہ نہ دست دلائے آں خضر و کلیم غمخیزی نوالہ دم۔

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۵۳ھ (مطابق ۱۸۳۳ء) میں غالب فارسی دیوان مکمل ہو چکا تھا اور کلام خاندان و رکھا گیا تیرایہ اتنام پوشیدہ سے یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ دیوان چھپ چکا تھا اور یہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ چھپنے کے لئے مکمل ہو چکا تھا۔ یہ ہر حال میں سے ظاہر ہے کہ غالب کا فارسی دیوان سب پہلی مرتبہ ۱۸۳۳ء اور ۱۸۳۳ء کے درمیان شائع ہوا۔

غائب نے فارسی دیوان کے خاتمہ کی خبر میں سال تحریر ۱۲۵۳ھ لکھا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں چھپا۔

کلیات نظم کی عبارت | اوپر عرض کیا جا چکا ہے کہ ذاب ضیاء الدین احمد خاں نے کلام غائب جو مجموعہ ادبیات نام کے ساتھ مرتب کئے تھے وہ سب قدیم ٹکٹ گئے۔ غدر کے بعد ذاب صاحب مرحوم نے پھر بڑی محنت سے یہ نامور ذخیرہ فراہم کیا۔ اور ۱۲۶۱ھ میں منشی ذکثور نے مسودہ منجگا کر چھاپنا شروع کیا۔ غائب لکھتے ہیں :-

منشی ذکثور نے شباب الدین خاں (دو ذاب ضیاء الدین احمد خاں) کو نقد کر رکھا ہے غائبی جو ضیاء الدین خاں سے طر کے بعد بڑی محنت سے جمع کیا تھا۔ منجگا کیا اور چھاپنا شروع کیا۔ وہ پچاس جلد ہیں یعنی کوئی مسودہ میرا اس سے خارج نہیں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ منشی ذکثور کے مطبع نے تنگیں طباعت میں کافی دیکر دی تھی۔ غائب سرمدی جبرج کو ایک خط میں لکھتے ہیں :-

کلیات کے چھاپے کی قیمت سو۔ سات صفحے چھاپے گئے تھے کہ بروی ادبی کی رقم بیاہر ہو گئے۔ کوئی نوٹیں بخشی اپنے گھر گیا۔ اب وہ کیسے کب چھاپا شروع ہو۔ ایک خط میں ذاب علامہ الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

کلیات کے اٹھل کا اختتام اپنی ذہانت میں مجھ کو تو نہیں آتا۔  
تسیر ۱۲۸۱ھ میں منشی ذکثور دہلی آئے اور غائب کے بھی ملے۔ اس سے قبل وہ غائب اور وہ اخبار میں غائب کے کلیات نظم فارسی کی طباعت کا اعلان کر چکے تھے۔ اور اس کی قیمت سو دین سو روپے مقرر کی گئی تھی۔ لیکن بعد میں پانچ سو روپے کی قیمت کا اعلان کر دیا۔ غائب ذاب علامہ الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

شہینش کرم و طبع بجز منشی ذکثور صاحب سبیل ڈاک میاں آئے جو سے اوڑھنا سے  
چھاپا ذاب ضیاء الدین احمد خاں اور شاہ سے چھاپی شباب الدین احمد خاں سے ملے خاں

ان کو زہرو کی صورت اور خستہ کی سیرت ملا کی ہے۔۔۔ قیمت میں نے کچھ دیکھا تھا، وہ  
کلیات کے دس جلد کی قیمت پچاس روپے مان لئے تھے، اب ان سے (خشتی ڈکٹو سے)  
جو ذکر آیا ہے، انہوں نے پہلی قیمت خستہ و انجاء میں قبل کی یعنی سو تین روپے فی جلد اس وقت  
میں دس جلد کے ساڑھے تیس روپے میں دس اور ساڑھے تیس روپے رقم دو تہائی چوبیس  
روپے مبلغ ادا وہ انجاء میں پہنچائے ہیں۔ میں دسمبر یا سال کی دسویں گیا، جس کو اب ہر  
کو ساڑھے تیس روپے ملی ہیں، کو سے دوں کو کھنڈ بیچ دوں۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ کلیات ۱۸۶۳ء میں جا کر گنل ہوا۔ خائب سید بدرالدین کو  
۱۸۶۳ء کے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

اب مناسب ہے کہ وہ کلیات، چھپ کر تمام جرحیات روپے کی لکڑیوں میں اٹھا آجائے تو  
پیشتر بیچ کر میں جدید نکلواؤں۔ جب آجائیں گی ایک آپ کو بھی بھیج دوں گا۔

۱۸۶۳ء کو ایک مکتوب میں نواب علار الدین احمد خاں کو لکھتے ہیں :-

ہر قسط بعد دار علی حسین خاں بعد کلیات غلہ کی پہلی۔ قیمت ہے کہ چار روپے چار آنے  
قیمت کتاب کتاب (علاج میں) کہ پانچ روپے قیمت ادا پانچ آنے حصول قرار۔ چار روپے  
خیر خواہ سوداوں سودا میر علی خاں میں ادا کرنا حال مجھے معلوم ہے۔

ہیں ہم اندہ عاشقی باہانے غنائے دیگر

ایک چٹے میں شاید دس سکوں، تو جسے حال ۱۸۶۳ء میں پچاس روپے قرار ہے  
پاس پہنچ جائیں گے۔ انشا اللہ تعالیٰ۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ شروع میں کلیات کی قیمت تین روپے اور حصول  
ڈاک ہار آنے قرار پایا تھا۔ لیکن بعد ازاں چار روپے کی قیمت کا اعلان ہو گیا، اور کتاب  
چھپی تو اس کی قیمت پانچ روپے اور حصول ڈاک پانچ آنے قرار پایا۔ خائب کے ساتھ وعدہ  
یہ تھا کہ انہیں سوا تین ہی روپے میں کتاب ملے گی لیکن بعد ازاں انہیں بھی پانچ روپے



دینے پڑے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ ستمبر ۱۸۶۶ء میں خائب کے پاس کلیات کا پہلا طبو نسخہ آیا تھا۔ اسی مہینے میں انہوں نے ایک نسخہ مولوی محمد الودین خاں کی وساطت سے ذرا بڑا ہلالک سر سالار جنگ اول وزیر اعظم حیدر آباد کے پاس بھیجا وہ منشی حبیب اللہ خاں نوکا کے نام کے ایک مکتوب درجہ ۲۵، ۲۶ ستمبر ۱۸۶۶ء میں مولوی الودین خاں کے بزرگوں اور اپنے بزرگوں کے گھر کے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اب آپ (آپ) سے یہ جانتا ہوں کہ آپ مولوی صاحب میں اعلان کو بخلائے نام دکھائیں اور میری طرف سے بعد سلام میرے کہات کے پارسل کھان کے پاس پہنچاؤں گے ذریعہ عنایت سے اس جلد کا صحت ملک و صحت ذرا بڑا ہلالک بادی کی نظر سے گزرا اور جو کچھ اس شخص نے کے بعد وہ جو وہ بابت کر کے بے صلے نہایتیں۔

کہات کے اطباء کی جتنی تاریخیں لکھی گئیں ان میں سے یہ مولوی بھڑوچ کی تاریخ ۱۲۷۰ھ کی ہے بقدر سب تاریخیں ۱۲۷۰ھ کی ہیں۔ ایک تاریخ ۱۲۷۰ھ سے ۱۲۷۱ھ تک ہے۔

شمس الدین بٹہ بٹہ | خائب نے شاہ نامہ اور سکندر نامہ کی کچھیں غزوات بنویں کو نظم کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ لیکن وہ صرف تمیذات و مقدمات ہی مکمل کر سکتے اور گہرا تاریخی تمیذات و مقدمات کا نام ہے۔ ان کے کہات کا پہلا ایڈیشن نہیں مل سکا۔ اس لئے نہیں کر سکتا کہ کہات کی طباعت کے وقت شمسی مکمل ہو چکی تھی یا نہیں اور کہات کے پہلے ایڈیشن میں ہے شامل کیا گیا یا نہیں کیا گیا میرا خیال ہے کہ اگر یہ شمسی کہات میں شامل ہوتی تو اسے ملحدہ چھاپا کی ضرورت نہ تھی شمسی کا جو ملحدہ نسخہ میرے پاس ہے۔ اور ۱۲۷۰ھ (۱۸۶۶ء) کا چھاپا ہوا ہے یہ بھی مکمل المطاوع نہیں چھاپا تھا۔ اس میں شمسی کے علاوہ خائب کے دو قصیدے۔ تین قطعے اور دس رباعیات بھی ہیں۔ اس نسخہ کے متعلق خائب کی متداول تحریرات میں ان کے ایک حرف بھی نہیں مل سکا۔

تسبیحاً یہ فاتحہ کے ان فارسی اشعار کا مجموعہ ہے جو کلیاتِ اوثنوی ابرگسپار کی طباعت کے بعد لکھے گئے یا ذرا ب ضیاء الدین احمد خاں کے فراہم کئے ہوئے اس مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکے تھے۔ ہونشی نو لکھنؤ کے مطبع میں بغرض طباعت بھیجا گیا تھا۔ غالب خود اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں :-

تسبیحیں تیسویں۔ اگرچہ کہ یاد ان موسم بہارِ خوار سے ماند و چون آں ماہِ چہند شاخسار  
ہے ہر ماند ہر آستانہ آفتابیں انا نظریں کلیاتِ فارسی گفتہ شد و آفتاب دارانِ اندر میں مسودات  
و ششہ دمن ائیں خبرِ خوشنم و ایک ہر من ہرماند و راقِ جدا کا ز ضبط کردہ شد۔  
و توں را تسبیحیں نام نہاد ام -

آخر میں لکھتے ہیں :-

اکثر کہ ہر کس نام نہاد دل نہ ملک و کف و فغان شد و ہم ہیں اگر سخن و زمانہ پیش  
خارج شد و توں اس منو زہد گشت۔

باقریلی خاں کاکل کے نام کے ایک خطِ مرقومہ ۱۸۶۷ء سے معلوم ہوتا ہے کہ صدارتِ الہور کی خدمت میں تسبیحیں کا ایک نسخہ ذمہ نشین ۱۸۶۷ء میں بھجوا دیا گیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تسبیحیں ۱۸۶۷ء میں جمعی تھی ہیں۔ تسبیحیں کا جو نسخہ اپنے محترم دوست جناب شیر علی صاحب سرخوش (لاہور) کی عنایت سے دیکھا تھا۔ اس کا سرورق غالب تھا۔ اس لئے مطبع و غیرہ کے متعلق میں کچھ معلوم نہ کر سکا۔

پنچ آہنگ | پنج آہنگ "فاتحہ کلیاتِ شرعی" پہلی کتاب ہے۔ اس کے پانچ حصے ہیں۔ اس لئے اس کا نام پنج آہنگ رکھا گیا۔ حصہ اول میں آداب و القاب وغیرہ میں حصہ دوم میں غلامی و عنایت کی مصطلحات و مصاویز میں حصہ سوم میں دیوانِ فاتحہ منتخب اشعار ہیں جو خط لکھتے وقت مختلف مقامات کے اہلکار کے لئے مطلوب ہو سکتے ہیں۔ حصہ چارم میں فاتحہ کی لکھی ہوئی تقریریں اور مختلف نثریں ہیں۔ حصہ پنجم میں فارسی مسکاتیب ہیں۔

پنج آہنگ کے دیباچہ کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۲۳۱ھ (۱۸۱۲ء) میں جب انگریزی لشکر بھرت پور پر حملہ کرتا تو آداب احمد بخش خاں مرحوم کے دستے کے ساتھ غالب احمد بخش علی بخش خاں رنجور بھی تھے۔ میرزا علی بخش خاں نے غالب اور غوث کی کہ آداب و غالب متاثرہ مرید ہوتے سمجھتے، افغان لشکر و لشکر و شادی و غم باہم پہنچتے ہوتے اور کھارن و نورگل رجز سے ساختہ آید۔

غالب اپنے انداز تحریر کے متعلق فرماتے ہیں :-

چند کلام اعلیٰ بہ گفت گیرم مکتوب الیہ۔۔۔ جتنے کو ذرا غور حالت اوست و سرور غافل و آواز ہم و زور و سناج دعا گو دم غائب و آداب و غیرت گوی و عاقبت جوی و مشورہ پست و تہنیک و شرم و غصہ۔۔۔۔۔ لیکن خاطر نگاہ و ہندہ و نیز علی بخش خاں (فرید و قریش ازاد و گوش بہ دل و سیاق)۔

گویا اس کتاب کا پہلا دور دوسرا حصہ میرزا علی بخش خاں کی فرمائش پر مرتب ہوئے قریباً دو چوتھا حصہ خود میرزا علی بخش خاں نے مرتب کئے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے شربن حج کر لی تھیں۔ اور سب کو مدون کرنا چاہتا تھا لیکن فرصت دل سلی تکمیل یعنی الیون جن خان کی ان کی ترتیب چھرتکے زیر نگین خیال آیا کہ اگر یہ تمام چیزیں یکجا ہو جائیں گی تو میرا بیٹا غلام غفر الدین ان سے فائدہ اٹھائے سکے گا۔

فد سے پیشتر پنج آہنگ دو مرتبہ چھپ چکی تھی ایک مرتبہ بادشاہی چھاپہ خانہ میں دوسری مرتبہ فشی ذوالدین کے چھاپہ خانہ میں۔ غالب منشی شیونزاق کو لکھتے ہیں :-

پنج آہنگ تم نے سرل سلی اچھا کیا۔ دو چھاپے ہیں۔ ایک بادشاہی چھاپہ خانہ کا ایک منشی ذوالدین کے چھاپہ خانہ کا پلانا تم سے ہے۔ دوسرا سر غلط ہے۔

صاحب عالم مارہروی کو لکھتے ہیں :-

۱۰ پنج آہنگ مسطورہ

چھاپے کی پانچ آٹھ گیس اب بھی بکتی ہیں اور عجیب بہ دو عجیب ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو بعد از انجمن از قلم شہر تہرہ چلا ہے وہ اس میں نہیں دوسرے کا پی نہیں لے وہ اصل میں شہر کو دی ہے کہ میراجی جانتا ہے۔ اگر کہوں کہ فی سطر علی سے خالی نہیں تو ذرا جیجے رہتا ہے کہ کوئی صفحہ اندھ سے خالی نہیں۔

موجودہ پینچ آٹھ گیس کے خاتمہ کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ فنی نوک شہر دہلی آئے تھے تو وہ مجبوراً شہر میں خرابی اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

تہرہ نوک | بہادر شاہ ثانی کی تیوری خاندان کی تاریخ مرتب کرانے کا ارادہ کیا تھا لیکن انہوں نے خاں واقعات جمع کرتے تھے اور خائب اس خدمت پر مامور ہوئے تھے کہ کلید ہر باب کے فراہم کر دے واقعات کو اپنی بہادر شاہین جلدت کا لباس پہنا دیں قلعہ کے ساتھ خائب کے تعلقات ملازمت کا آغاز اسی سے ہوا تھا۔ پوری کتاب کا نام تہرہ نوک " رکھا گیا تھا۔ اور اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا حصہ اول میں ابتدا سے لے کر بہادر شاہ کے انتقال تک کے حالات لکھے تھے حصہ دوم میں اکبر کی تخت نشینی سے لے کر بہادر شاہ ثانی تک کے حالات لکھنے کی تجویز ملی لیکن دوسرے حصے کی تسوید بھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ خاندان غلیہ کی بساط سپینٹی گئی۔ ذوالضیاء الدین احمد خاں نے تہرہ نوک کی جو تاریخ لکھی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ۱۲۶۱ھ مطابق ۱۸۵۵ء یا ۱۸۵۶ء میں شائع ہوئی تھی۔

چونکہ تہرہ نوک میں "ماہ نیم ماہ" کا بھی ذکر تھا اس لئے شائقین "ماہ نیم ماہ" طلب کرتے رہتے تھے۔ خائب لکھتے ہیں :-

اکثر صاحب اطراف و جوارح "ماہ نیم ماہ" کے بچے کا حکم بیچتے ہیں اور میں بھی اس میں کہ جب تہرہ نوک کی عبارت نہیں ہے تو "ماہ نیم ماہ" کو لے کر کیا کریں گے جتنا تہرہ نوک دینا چاہیں اس لئے کہ وہ اسے کوئی کتاب کا نام پڑھتا ہے اور اس کے

دو جہوں میں پہلی جہوں ابتداء خلقت عالم سے جہوں کی عظمت ملک کا ذکر وہ سرے  
میں اکبر کے بعد شافعی کی عظمت کا بیان اپنے سے کا نام میں خود وہ سرے سے کا نام  
تاہم وہ پہلا سر جہاں کا جہاں صیحا تھا۔ قصہ تھا جہاں الدین اکبر کے حالات لکھنے کا سر  
حک کا نام و نشان میں تھا

دستبرد آؤستین کے متعلق خاتب کے کاغذ میں سب سے زیادہ ذکر ہے۔ بالخصوص گفتہ، سر شہزادین  
کا نام طبع مفید غلامی اگر وہ دشمنی بنی کنش حقیر کے نام کے خطوں میں۔ جیسا کہ میں کیا جا چکا  
یہ کتاب ندر کے دونوں میں ندر کے حالات کے متعلق لکھی گئی تھی اور اس میں التزام کیا تھا کہ  
عربی کا کوئی لفظ نہ آئے۔ اسے ندر کی مستقل تاریخ نہیں کہا جاسکتا۔ بلکہ اس میں صرف وہ لفظ  
درج ہیں جو غالب کو اور ان سے علاوہ رکھنے والوں کو پیش آئے یا خاتب نے سے وہ خود لکھتے ہیں  
”میں مشتہد کہ جہاں قدامہا میں سے اسی دن سے گھر کا وہاں نہ پیدا ہوگا جانا سر  
کو پیدائش ملے نہیں ہوتی۔ اپنی سرگزشت مکمل شری کی جو تھا وہ بھی نہیں سرگزشت کا  
ندر کے بعد وہی میں کوئی طبع باقی نہیں رہا تھا اس سے خاتب نے دستبرد کو اگر وہ میں  
چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ وہ دشمنی ہر گروہاں کو لکھتے ہیں:-

میں نے آغاخان زادہم میں مشتہد سے ۳۱ جولائی ۱۸۸۸ء تک دو دو دفتر اور اپنی  
سرگزشت دستبرد میں نے کا حال میں لکھا ہے اور التزام اس کا کیا ہے کہ وہاں  
کی جہاں میں پہلی ہی تحریر لکھی جاتے۔ اور کوئی لفظ عربی نہ آئے۔ جو نظم اس میں پہنچ ہے  
وہ میں نے آمیزش لفظ عربی ہے۔ اس شخص کے نام نہیں دے۔ وہ عربی، انگریزی  
ہندی جو میں لکھ رہے ہیں۔ مثلاً تمام نام ہر گروہاں ہے۔ مثلاً لفظ عربی ہے نہیں لکھا گیا  
اس کی جگہ شہزادہاں لکھ دیا ہے یہی سر خط جیسا اس وقت کا ہے یعنی: پھر وہ ان گنجان  
اوراق ہے سطر پر اس طرح کسی صفحہ میں سطر کسی میں یا جس سطر کسی میں نہیں سطر  
آئے۔ ہاں میں صفحہ میں ہیں ورق ہیں۔ اگر کہیں سطر کے سطر کے کوئی گنجان لکھے تو

شاید وہ جرم میں آ جاتے جیساں کوئی صلح نہیں ہے۔ منتا ہوں ایک ہے۔ اس میں  
کاپی نگار فرشتوں میں نہیں اگر اگر وہ میں اس کا چہرہ ہر سکے تو مجھ کو اطلاع ہو۔ اس حیدر شاہ  
اور بے نوائی میں نہیں کام میں بھی خریدار ہو سکتا ہوں لیکن صاحب مطلع اتنے چکیوں  
ماتے نکلا ماہر ایت چاہے کہ اگر خبر نہ ہوں تو پانسو روپے تو چھاپی جاتے یقین ہے کہ  
پانسو روپے کی صورت میں سو ادین آئے جاتے قیمت چڑھے۔ کاپی تو  
ایک ہی ہوگی راکا کاغذ وہ بھی بہت ننگے گا لکھائی میں کی تو اب کہ معلوم ہر جتنی حالت  
پراپتہ نہ سکے معنی لکھے جائیں گے۔ بہر حال اگر کوئی خبر تو اس کا کھنکھارہ اور اسے معلوم  
کھنکھارہ کو لکھو۔

قربانِ افضالِ دل کو بھی ایک خط میں قریباً ہی صفحوں کی اطلاع دی ہے اور کہتے ہیں کہ چندہ سطر کے سطر سے چار جزو کی کتاب بنے گی۔ اور مطبعِ مہینہ خلاق آگرہ میں جو گئی ہے اس کتاب کا رسمہ لکھنے اور اس خط میں تفتہ کو لکھنا تھا کہ اگر کوئی غنجان لکھے گا تو کتاب دو جزو میں آجائے گی۔ لیکن آوازِ دیہی بختی کہ ترجمہ زیادہ ہو وہ تفتہ کو رقم فرماتے ہیں :-

میں نے ہرگز نہیں لکھا کہ یہ عبارت دو جزو میں آجائے میں نے یہ لکھا تھا کہ عبارت اس قدر ہے کہ دو جزو میں آجائے لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ ترجمہ زیادہ ہو۔

طباعت میں بہنام | غالب جانتے تھے کہ کتاب ابھی چھپے۔ اور اس باب میں نقض کے علاوہ منشی بنی بخش صاحب حقیر و میرزا حاتم علی بیگ ستر کو بھی طباعت کے بہنام میں شریک کر دیا تھا ان کے اپنے الفاظ ہیں گویا گوشنعل بناوی محلی منشی بنی بخش صاحب کے ذمہ کاپی دیکھنے کا کام لگا یا گیا تھا۔ حکام کے لئے چند عمدہ مجلد نسخے مطلوب تھے اس لئے مجلدوں کے باب میں تفصیلی بیانات بھیج دیئے تھے اور یہ کام منشی حقیر کے صاحبزادے منشی عبداللطیف صاحب کے سپرد کیا تھا۔ بہنام کا یہ عالم تھا کہ اگر نقض کو ایک

۱۰۲ صفحہ ۲۴۵ اور ۱۰۳ صفحہ ۲۰۷۔

بات لکھتے تھے تو وہی بات قرآن و حدیث اور فطری شہادتوں تک پہنچ کر بھی لکھتے تھے ایک خط میں تفتہ کو ارشاد فرماتے ہیں :-

ماہر بھی دیکھی میرا کام تم سے آہستہ ہے اور پھر کام کیا میں میری جان بھی بھرتی ہے۔ اور میں نے اس کو اپنے بہت سے مطالعے کے حصول کا ذریعہ سمجھا ہے۔ خدا کے واسطے پہنچنی دیکرو۔ اور بدل تو جو فرماؤ گا اپنی کی تصحیح کا ذریعہ بھائی دفعتی خیراً چرکیا ہے پھر جلد کی آمد شکی کا ذمہ پر غور دار عبد اللطیف کا کرو۔ میری طرف سے دعا ہے کہ اس کام میں تمہارا جو ملحقہ اور نفس چلا ہوں نصیب بھائی اور توفیق تم کو۔ کتنا ہوں گے نہیں جانتا تیرے جن کیوں کر کی جائے متنا ہوں کہ چھاپے کی کتاب کے وزن پر پانی کی قلم پھر دیتے ہیں تاکہ حرف روشن ہو جائیں۔ یہاں قلم سے جو دل بھی کھج جاتی ہے پھر جلد بھی پختہ ہو سکتی ہے۔ - نتیجے کی خوشکاری اور صناعی اور ہشیاری میرے کس دن کام آئے گی۔

صناعی اور نقاشی | تفتہ نے غالباً لکھا تھا کہ صناعی اور نقاشی اپنے سامنے دلی میں کر لیتے اس کے جواب میں غالب نے لکھا :-

میرزا تفتہ تم پیشے سے دور ہو۔ دلی کی تباہی پر تم کو رحم نہیں آتا۔ بلکہ تمہیں کوڑا جاتے ہو۔ میدان نیچے بند ہو نہیں سکتا۔ اور نقاشی کہاں۔ شہزادہ ہوتا تو میں آپ کو تحفہ کیوں دیتا ہوں سب دہشتی میری آنکھوں کے سامنے ہو جاتی۔ جلدوں کے متعلق پھر فرماتے ہیں :-

یہ عبارت فتنی عبد اللطیف کو چڑھا دو میں تو ان کے باپ کو اپنا حقیقی بھائی جانتا ہوں اگر وہ مجھے اپنا حقیقی چچا جانیں اور میرا کام کریں تو کیا جیسے۔ دور وہ ہے فی جلد اس سے زیادہ کا سزاور نہیں۔ جب چکر لکھ کر گئے ہندوئی بیچ دوں گا پھر روپے آٹھ روپے اس روپے عیارہ روپے میں کو سمجھا دینا کسی کی طرف ڈگریں چڑھا دو۔

تیب کا تیب | غالب نے جو مسودہ بھیجا تھا، اس کی حمد یہ عبارت میں یہ فقرہ تھا:

آہے خداوند چنانکہ نیست، راستی وہ، راستی ہستی پذیرفتہ، نیست سائنہ تیرے اندر،  
انکہ حمد، ایک دم بہ نوریہ شو اکھ، پذیرفتہ وہ، اگر وہ، دیگر تیب، مباحث (نیست حمد)  
بمذہب، ہر کہ راست کا نہ چون و چرا، دم نہ۔

تیب "عربی لفظ تھا۔ غالب مسودہ بھیجنے کے بعد اس پر مطلع ہوئے تو ان کے  
دل میں اس غلطی پر بڑا اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے فوراً تیب کی جگہ "توا" کا لفظ بنایا، "توا"  
لکھا کہ کافی میں اسی طرح درست کر دی جاسکے۔ غلطی کو لکھتے ہیں :-

میں غلطی نہ کر کے صبح لکھ چکا ہوں تیسرا صفحہ کے آخر پر جسے صفحہ کے اول  
یہ جو ہے، اگر وہ دم، دیگر تیب مباحث نہ تیب کی جگہ "توا" لکھا دیا جائے تیب  
غلط رہی ہے، اگر وہ "توا" لکھا تو گم بھ پڑا، مباحث کریں گے۔ تیرا قوی ترک سے  
تیب کا لفظ چھینا جائے، اور اسی جگہ "توا" لکھ دیا جائے،

غلطی نے غالب لکھا تھا یا غالب نے غلطی کی تخریب سے سمجھا تھا کہ تیب "توا" سے درست  
چھپ چکا ہے۔ فرماتے ہیں :-

تیب "توا" سے دو دوسے چار سوہوں پان سوہوں سب بد لڑاؤں کا لڑاؤ ہو گیا  
جو مجھ سے سنگو این، اس غلطی کے رہ جانے سے ماری کتاب بھی ہو جائے گی، اور  
میرے حال کو دھجک جائے گا، یہ غلطی ہے، ہر چند مسودہ میں بنا دیا تھا، لیکن  
کاتب کی غلطی رہ گیا۔

پھر فرماتے ہیں :-

تیب "توا" سے ماری کتاب بھی ہو جائے گی، اور

مزید روایات | مزید روایات دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

واحد ہے سادہ لکھا ہے کہ بھائی غلطی ہوئی، مباحث میں بد لڑاؤں کا لڑاؤ ہو گیا



اس خط میں سہو کا تب سے غلطی واقع ہوئی ہو تو اس کی بھی صحیح کریں گے۔۔۔۔۔ خدا کرے، انجام کسی بھی قلم کی یہ خطا ایسی طرزِ قبیح پر مبنی ہے جس سے پہلے سے کسی صورت اور دوسرے مسئلے کی حق بھی خدا چاہے کہ تو دل پسند اور منظورِ سیدِ عالم کی کاغذ کے باب میں یہ طرزِ عمل سے کہ فریخ کا نفا چھوٹے، چھ جلدیں جو منظورِ حکام ہیں وہ اس کا نفاخ ہوں اور باقی چار ہر شیوہ عام پر ہی اور چاہو نیچے کا نفاخ چھوٹے۔ اہلِ بات کو وہ جلدیں جو ولایت جاسنے والی ہیں وہ اس کا نفاخ چھوٹے چھوٹے جلدیں، اہلِ باقی شیوہ عام پر ہی یا نیچے کا نفاخ بیکھٹ کھل ہے وہاں کے حاکموں نے کہا ہے کہ ان کی فہم کی کتاب میں نیچے کا نفاخ ہوں مگر چاہیسا ہی صرف اور خفیہ رائے نہ پڑتا ہو تو خیر وہ جلدیں اس کا نفاخ اور چار جلدیں شیوہ عام پر ہی ہوں باقی جلدوں میں نہیں اختیار ہے۔ ان صاحبِ اگرچہ تو کا بی کی سیاہی فلا و سیاہ اور خشتہ ہوا ورا خشتہ رنگ نہ دے۔

جلدوں کی ترتیب | مسئلہ جو تھا ہے کہ مرزا اترنے جلدوں کی آرائش کا نقشہ غالب کے پاس بھیجا تھا۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :-

بھائی! متعجبوں کی ترتیب کے باب میں کیا ابھی غلطی ہے۔ میرے دل میں بھی ایسی ہی ابھی باتیں تھیں یقین ہے کہ متل شاہراہ ہو جائے گی اور مرہ اگر چہ جائے تو صرف قرب چمک جائیں گے۔ اس کا خیال ان چار جلدوں میں ہے مری بارہ سو ہے کی جلدوں کی پہنچنے ہی دویہ وصول کر کے مجھے اطلاع دیجئے گا ورنہ میں مشورہ نہیں۔

ملکہ و کشمیر کا قصیدہ | غالب نے اس دوران میں ملکہ و کشمیر کی طرح میں ایک قصیدہ بھی لکھا تھا پہلے ان کا خیال تھا کہ قصیدہ علیحدہ ملکہ کی خدمت میں بھیجا جائے اور کتابِ مغلنہہ جائے پھر پینڈیاں جو اگر قصیدہ بھی کتاب کے ساتھ چھپنا چاہتے۔ میزِ اقرار لکھتے ہیں :-

میں نے حضرت ملکہ خاتون کی حق میں ایک قصیدہ ان دنوں ہی لکھا ہے شکل بہ نسبتِ نفع و ملکہ کی شاہی سا قدسیت ہے مگر وہ تو کتاب کے ساتھ قصیدہ

ایک اور کا نذرتب پر لکھ کر بیچوں بھر یہ خیال آیا کہ اس سطر کے مسطر پر کتاب لکھی  
گئی ہے یعنی چھاپا ہوئی ہے یہ چھ سطر یعنی تین ورق اور چھپ کر اس کتاب کے آغاز  
میں شامل جلد نہ جائیں تو بات اچھی ہے آپ اور فشی بھی بخیر اور میرزا تقی فشی شیراز  
سے کہہ کر اس کا طود دست کر رہے ہیں کہ لکھیں دیں تو میں روادہ کے پاس بھیج دوں  
میرزا قمر نے غالباً لکھا تھا کہ کیا اسے نشر کا ویسا چرنا دیا جائے؟ اس کے جواب  
میں فرماتے ہیں :-

قصیدہ کا شعر سے پہلے لکھنا اذراء اگر کام دہ قرآن ہے ورنہ نشر میں اور جنت اور  
نظم میں اور نماز ہے یہ اس کا دینا چاہیوں ہو؟ بلکہ حدیث ان دونوں کے اچھا  
کی ہوں ہو کہ سرشتہ بزم نش توڑ دیا جائے اور قصیدہ اور دستبند کے بیچ میں ایک  
ورق سادہ چھوڑ دیا جائے۔

مسدود حق | فشی شیرازی مالک مطبع نے اسی زمانے میں غالب کو خط لکھا تھا جس کے  
مغادرہ پر نام کی جگہ میرزا نوشہ صاحب نائب مرقوم تھا۔ غالب اس پر بہت پریشان ہوئے  
اور دوسرے لوگوں کو کہے کہ سرود حق پر بھی نہ چھاپ دیں۔ تقی کو لکھتے ہیں :-

آپ کی آجنگت یا سرخوردہ جملہ کی کوئی کتاب اس شعر میں اگر وہ جس میں نہیں  
جو وہ فشی شیرازی، میرزا نامہ دیکھتے؛ صرف اپنی لذت و عجب و عداوت کی نہیں  
ہے بلکہ سب سے پہلے کوئی کے حکام کو تو عرف اس طرح ہے مگر حکایت و ولایت تک و ذرا  
کے چھوٹے، ورنہ مالک کے حضور میں کوئی اس ناگوار حرف کو نہیں جانتا اگر صاحب  
نے میرزا نوشہ صاحب نائب لکھ دیا تو میں نہایت ہرگز نہ کہ بائید میری محنت و انھیں  
معنی کتاب اولی ہو گئی۔

کتاب کا اشتراک | غالب کو کتاب کے اشتراک کا بھی خاص خیال تھا لکھتے ہیں :-

ہمارے فشی شیرازی صاحب اپنے محلہ کے اخبار میں اس کتاب کا اشتراک کریں

نہیں چاہتے تاکہ وہ خود تیس فریاری کی فزہم ہو جائیں؟

کنا کے مصارف اور کے ایک واسے امید سنگے تھے۔ جنہوں نے دستنبو کی پچاس جلدیں خریدنے کا وعدہ کیا تھا، اور فرمایا تھا کہ صرف پچاس جلدیں نہیں دی جائیں، بقیہ جلدیں غالب اپنی خوشی کے مطابق اپنے دوستوں میں تقسیم فرمائیں یہی فریاری حقیقت میں دستنبو کی عبت کا ذریعہ بنی تھی۔ غالب کے مکانیہ میں دستنبو کے سلسلے میں واسے امید سنگے کا نام بار بار آیا ہے مثلاً میر محمدی کو کہتے ہیں :-

میاں کیا باتیں کہتے ہو میں کہ جس کہاں سے چھوڑنا، رفتی کھلنے کو نہیں شرب  
چنے کو نہیں..... خوشی امید سنگے اور واسے دلی آئے تھے، رہا بقدر عزت مجھ سے نہ تھی  
ایک دوست ان کو بہتے گھر لے گیا، انہوں نے وہ خسرو کیا، چھوڑنا کا قصد کیا، لگے  
میں میرا شاگرد وہ شادی ہو کر ہال فقہ تھا، اس کو میں نے لکھا، اس نے اس، جہانم کو اپنے  
ذمہ لیا مسودہ بھیجا، آٹھ آئے قیمت ضروری پچاس جلدیں خوشی امید سنگے نے لے لیں  
پچیس روپے چھاپے خانے میں بطریق ہندوئی مجھ روئے، صاحب طبع تھے ہارمل سی  
خوشی ہو کر ہال فقہ چھاپنا شروع کیا، لگے کے حکام کو روکنا، اجازت چاہتے ہے حکام  
نے ہر کمال خوشی اجازت دے دی، پانسو جلد چھاپی جاتی ہے، اس پچاس جلد میں سے  
پچیس جلد خوشی امید سنگے کو دیں کہیں غریبوں میں، ہانت دوں گا۔

مہانت شیخ کا اعلان غالب کو کہتا ہے کہ حقوق مسخ کرنے کا بھی بڑا خیال تھا، چنانچہ لکھتے ہیں  
خانہ کتاب پر مہانت شیخ کا اعلان لکھ دیا جاتے، پھر فقہ اور شیوخ حق کی فرمائش پر انہوں نے  
خود یہ عبارت تجویز کر بھیجی۔

نامہ نگار غالب خاکسار کا یہ بیان ہے کہ یہ دوسری سرگزشت کی داستان ہے، اس کو  
میں نے طبع ہندوستان میں چھپا دیا ہے، دوسری باتیں اس کا قصہ یہ تو یاد ہے کہ اور کیا  
طبع مہانت شیخ سے طلب نصرت لکریں، نے طبع میں چھاپنے کی جرات نہ کریں۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسے امید لگنے سے شری میں غائب کو پھینک دیں دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بعد میں کہا کہ غائب چالیس جلدیں لے لیں چنانچہ غائب گفتہ کو نکلتے ہیں۔ کل ہجرت کے دن ۱۲ رجب ۱۸۵۷ء کو ۳۳ جلدیں بھیجی ہوئی برخودا شیوہ ذات کی منجھیں سات کتابیں جو میرزا قاسم علی بیگ صاحب کی تزیل میں ہیں۔ وہ بھی پھینک دیے گئے۔

منقول و ملاحظہ | میرزا قاسم علی بیگ صاحب کی تزیل میں رکھی گئی تھیں وہ منجھیں غائب بہت خوش ہوئے۔ فرماتے ہیں :-

بیگانی جان کل جو جہود و مبارک و سعید تھا۔ گویا میرے حق میں اور عید تھا۔ وقت شام سات جلدوں کا پارسل پہنچا  
وہ کیا خوب مجلس پہنچا

..... میری آرزو ایسی تھی کہ وہ ہرگز نہ وہم و خیال ہے یہ جہاد تو میرے قصور میں بھی نہیں گزرتا تھا۔ میں تو صرف اس قدر خیال کرتا تھا کہ جلدیں جلد ہی ہوتی ہوگی تو میں بھی اور پہنچ رہیں۔ یا تو مسلم کی ہوں گی ورنہ اگر قصور میں بھی گزرتا ہو کہتا ہیں میں نہ کہ ہوں گی۔

دستنبط کماں کی | بہر حال غائب نے دستنبط کی جلدیں حکام میں اور دوستوں میں تقسیم کیں، ایک مکتوب سے جو اپریل ۱۸۵۷ء کا مرقعہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک دستنبط کا پورا دستنبط ختم ہو چکا تھا۔ غائب نے فشی شیوہ ذات سے یہ بھی پوچھا کہ دستنبط زیادہ تر کن لوگوں نے خریدی اور خود ہی مائے نفاہ کی تھی کہ یا تو انگریزوں نے خریدی ہوگی یا چچا کے رہنے والوں نے فشی شیوہ ذات نے جب، خلل دی کہ لاہور کے ضلع میں زیادہ کی۔ تو غائب نے لکھا۔  
میرا بھی یہی گمان تھا کہ لاہور کے ضلع میں گئی ہوگی۔

چچا آہنگ، تہ نہیر و ذرا دستنبط تینوں کا مجموعہ اس وقت کلیات نظر فارسی ہے۔ جس کا تیسرا ایڈیشن نوٹسور کے ضلع میں شائع کیا تھا۔ غائب اس کے بعد کوئی

ایڈیشن نہیں چھپا۔

تاریخ برائن اور عرض کیا جا چکا ہے کہ قند کے دنوں میں غائب خانہ نشین ہو گئے تھے اس  
ہنگامہ کے فرو ہوئے کے بعد شہر والوں بالخصوص مسلمانوں پر بدت تک پہنچیں اور انہیں  
سلطہ میں ان کا نقشہ بھی قند کے باب میں پیش کیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں  
غائب دو ستروں سے گونا گویا قطع تھے۔ اور زیادہ وقت تنہائی میں گزارتے تھے۔ وہ کچھ مدت  
تک دستبردگی ترتیب میں مصروف رہے۔ اس سے فراغت پائی تو مسلمانوں کے سود وقت گزار  
کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ان کے پاس صرف برائن قاطع تھی جو فارسی مناسبت کی ایک  
مشہور کتاب ہے۔ اس کے مؤلف محمد حسین ہیں۔ جو تبریزی مشہور ہیں۔ اس لئے کہ ان کے آبا و  
اہل و تبریز سے ہندوستان آئے تھے لیکن وہ خود ہندوستان میں پیدا ہوئے اور دکن میں  
ان کی ساری عمر گزری۔ اسی وجہ سے غائب ان کو جاسچا کوئی نہ لگتے ہیں۔

ہر گاہ قلم تنہائی دوتا وہ دوسے برائن قاطع نامک سے چلے آں سفید گفتار سے کلمہ  
داشت و دروہا نہا سے ہر دوں آئین آموذ گاری داشتیم بہر زبان نورم دل سوخت  
جادہ خنایں ساختہ سے را بہر چونید۔

غائب نے اپنی کتاب کا نام قاطع برائن رکھا اور پچیس ۱۲۵۶ھ مطابق سنہ ۱۸۴۰ء میں  
مکمل ہوئی۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ

یافت چوں گوشتال نہیں تھو آئندہ برائن قاطع نام است  
شد سستہ بہ قاطع برائن ورس الفاظ سال ہنام است

اردو کے ایک خط میں قند کا ذکر کرتے ہوئے صاحب عالم ہارہروی کو لکھتے ہیں  
اس زمانہ کی کے دنوں میں چھاپے کی برائن قاطع سیرے پاس تھی۔ اس کو میں دیکھا  
کر تھا۔ ہزار لغت غلط۔ ہزار بیان لغو، جملہ پرچ ۱۰ شارت باور ہوا میں نے  
سوخت کے الفاظ کو کہ ایک جگہ دیکھا ہے اور قاطع برائن اس کا نام رکھا ہے پھر

کا مقصد وہ تھا۔ مسودہ کا حجب صاف کر دیا ہے اگر کو تو پہلے ستارہ بیچ روں ہم اور  
چودری صاحبؒ جو ان کے شناسا و مصنف ہوں اس کو دیکھیں اور پھر میری کتاب میرے  
پاس پہنچ جائے۔

تالیف کی عبارت [تقاطع بران ۱۳۲۷ء میں مکمل ہوئی۔ لیکن ۱۳۲۷ء میں بھی ایک خط سے معلوم  
ہوتا ہے کہ کتاب برصغیر میں خاں بہادر والی رام پور نے تقاطع کی طباعت کے لئے دو سو  
روپے مہارت فرمائے تھے۔ لیکن تقاطع بران کے خاتمہ پر خود خاں نے بطور تفریہ و مہارت  
لکھی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب بخشی نو کشور کی توجہ اور مہربانی سے چھپی تھی۔  
اگر اس پر مزید بیدار پستیں شہزادہ اوداق پریشان دہا تھے، کاغذ مسودہ کا  
بران لگاؤ کا اندازہ ہو سکے گا تو کیا غشتہ فرد کوشتے یا سرمد فروش خریدے، پھر اس کا  
ہر حال تقاطع بران ۱۳۲۷ء (مطابق ۱۸۶۶ء) میں نو کشور کے مطبع میں چھپی اور  
ایک روپیہ قیمت قرار پائی۔ خاں نے جروج کو لکھتے ہیں:-

تقاطع بران کا چھاپہ ختم ہوا۔ ایک جلد بطور خیرہ آگئی جس نے پچاس جلدوں کی دستا  
پہ سے دے رکھی ہے۔ اب پچاس روپے بھجوں تو پچاس جلدیں ملناؤں۔ دیکھتے  
تو سن تیرکب میر سے اور ادھاکا بند ہے۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب برصغیر میں خاں نے خود دو سو روپے پر طباعت  
تقاطع بران کی بجائے تھے وہ دوسری ضروریات میں صرف چھ تھے کتاب بخشی نو کشور نے  
پچھاپ دی اور خاں کو پچاس جلدیں خریدنے کے لئے دو پیسے متعلق تشریف جوئی۔  
تقاطع کی مخالفت کا نشانہ ہندوستان کے عام قادیانیوں کے متعلق خاں کی رائے  
نے ان کے خلاف لکھتے ہیں جو جنگ مرہرہ پاکیا تھا۔ وہ تقاطع بران کی اشاعت پر زیادہ  
خفت، زیادہ تندی اور زیادہ وسعت کے ساتھ دوبارہ اہل پڑا اور خاں کو تا دم  
صلح آمد و گئے یعنی سفر ۱۱۳۔

اس سے نجات دہی خواہر حالی نے ہائل صبح لکھا ہے کہ عقیدہ بعض مذہب میں بلکہ ہر مذہب میں ہر کام اور ہر چیز میں اس درجہ ضروری ہو گئی ہے کہ تحقیق کا خیال دلو کسی کے دل میں غلبہ کرتا ہے اور کسی دوسرے کو اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ وہ سلف کے خلاف کوئی بات بات پر لائے "چنانچہ قاطع برائن" کے مشابہتے ہوئے ہی جاہل خیال متقدموں کے لشکر کا بجا ناسکے خلاف جوش میں آگئے کسی کے سامنے یہ بات نہ تھی کہ ناسکے کیا لکھا ہے اور تحقیق کرنا چاہئے مگر اس کی حقیقی حیثیت کیا ہے۔ بسکے جوش مخالفت کا محرک محض یہ امر تھا کہ ناسکے کو صاحب برائن قاطع کے خلاف زبان کشا ہونے کی جرأت کیوں کی ہوئی؟ اس سلسلے میں غریب ناسکے کو چھوٹے پیمانے پر وہ تمام جہتیں اور اذیتیں برداشت کرنی پڑیں جو عقیدہ وجود کے نام راستے سے الگ ہو کر ہر چلنے والے کو ہر دور ہر عہد اور ہر حال میں ہمیشہ پیش آتی رہی ہیں۔

قاطع کی داد کے لئے بائیں | ناسکے ایک ٹکڑ لکھا ہو کہ جس شخص میں پانچ باتیں ہوں گی۔ وہ قاطع برائن اور صاف کی ضرورت کی داد دے گا۔ وہ عام آدمی محض برائن قاطع کے نام پر جانیں قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں گے۔ وہ پانچ باتیں یہ ہیں:-

(۱) وہ عالم ہو۔

(۲) فن لغت کو جانتا ہو۔

(۳) فارسی زبان کا کافی علم رکھتا ہو اور اس زبان سے اسے لگاؤ ہو۔ اس آئندہ

کافی کلام دیکھ چکا ہو اور اسے کچھ یاد بھی ہو

(۴) مصنف مزاج ہو نہ مست و محرم نہ ہو

(۵) اعلیٰ سلیم اور ذوق تحقیق رکھتا ہو سچا الذہن اور کچھ فہم نہ ہو۔

خاندان کے ابداعات | قاطع برائن کے چھپتے ہی مخالفت کا جو چنگ مار رہا ہوا تھا۔ اس کا نقشہ

سے یاد رکھو ناسکے سلفی ہم۔

نائب ان فنکاروں میں پیش کرتے ہیں :-

مستقدان بران قاطع یہ چھیاں اور تلواریں پکڑ پکڑ کے، ٹھکڑے ہوتے ہیں، جڑو دو، عرض بڑھ گئے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قاطع بران غلط ہے۔ یعنی ترکیب غلط تھی سے بران قاطع نہیں ہو سکتی۔ اور صاحب بران قاطع "صحیح" اور قاطع بران "غلط" ہوا قلع کی خالی ہو سکتی ہے اور قلع کا قلع آپ قبول نہیں کرتی۔ قلع بران میں جو بران کا غلط ہے غلط بران قاطع ہے۔ یہ ان قاطع کے، دو کو قلع کہہ کر قاطع بران، نام لکھا دیکھا گناہ ہوا۔ دوسرا یہ وہ ہے کہ باغیچہ پان ستر ہے جا۔ باغیچہ کا وزن غلط میں نہیں آتا ہیں پوچھتا ہوں خدا کے واسطے باغیچہ اور انگور کا وزن برابر، کمان کمان ہے۔ اگر ہے میں تو غلط شعر کے واسطے لغات عربی میں سکون و حرکت کو بدل ڈالتے ہیں، انکو باغیچہ کے وزن کو فہم کر دیا دیکھا گناہ ہوا۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں :-

قاطع بران کا ٹھکانا کیا ہے گویا باسی لڑھی میں، بال ایسا ہے ٹھکانا کیا ہے کہ سلام ملک کا ہدف ہوا کہ یہ تنگ ایسا سا رضی کا برصفت ہوا۔ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ قاطع بران کی ترکیب غلط ہے۔ عرض کرنا ہوں کہ حضرت بران قاطع اور قاطع بران کی ایک غلط ہے۔ یہ بران قاطع ہے کیا قصہ، خیر، نہیں کہ قلع کیا ہے جو آپ نے اس کو قاطع کا لقب دیا ہے۔ بران جب تک فیروز کسی بران کو قلع ذکرے کیوں کہ بران قاطع کا نام پانچویں بران قاطع کی صحت میں جتنی تعریف کیجئے گا وہ قاطع بران کی صحت ہونے کے کام آئے گی۔

۱۱ نائب قاطع بران کے آغا میں ترکیب کتاب کی سبکدشت بیان کرتے ہوئے غلطی کے دگر میں ایک غلط لکھا تھا جس کے ایک مصرعہ ہوا۔ عرض ہوا قلع بران ہے۔

چل کر سپاہ ہند در ہند      باغیچہ پان ستر ہے جا

تاریخ و قیام میں وقائع      واقع شدہ کہ ستر ہے جا



ناف و روفن کتابیں | قاطع بران نگہی مخالفت میں جو کتابیں ہمیں گئیں ان کی فہرست میری تحقیقات کے مطابق یہ ہے۔

(۱) قاطع بران ترجمہ میزا اور میر جگ

(۲) قاطع القاطع ترجمہ مولوی امین الدین شیلاری۔

(۳) قاطع قاطع ترجمہ سعادت علی

(۴) ترجمہ بران ترجمہ مولوی آغا احمد علی

(۵) تشریح ترجمہ ترجمہ مولوی عبدالحکیم علی۔

نائبے اور قاتل کے دوستوں اور سرداروں نے جواب میں جو رسالے لکھے ان کے

نام یہ ہیں۔

(۱) قلعہ نئی غریبیاں اور دغاں سیرج جس پر قاتل نے سیرج خیر صوفی کا خطاب کیا۔

(۲) دافع ہدیان ترجمہ مولوی نجف علی صاحب۔

(۳) رسالہ عبدالحکیم جس کے مولف قاتل عبدالحکیم صاحب نامی کوئی شخص تھے۔

(۴) نامہ قاتل ترجمہ قاتل

(۵) تیغ تیز ترجمہ قاتل

ان میں سے قاطع بران، قاطع قاطع، دافع ہدیان اور رسالہ عبدالحکیم کوئی

منصفانہ کہیں سے نہیں لے سکا سوائے مولفین صاحب پرنس اور ٹیبل کالج لاہور سے ایک کے تھے۔  
مناحق کار لندن میں ہڈانی کتابوں کے ایک تاجر کے پاس یہ سارا مجموعہ موجود تھا۔

قاتل کے حکایت میں ان کتابوں کا جہاں جہاں ذکر ہے اسے ذیل میں تھا۔

پیش کرتا ہوں جو کتابیں میری نظر سے گزری ہیں ان کی مختصر سی کیفیت بھی عرض کرتا جاؤں گا  
تیغ تیز میں جو کچھ لکھا ہے اسے الگ بیان کروں گا۔

قوت قاطع | قوت قاطع کے متعلق منشی حبیب اللہ خاں کا حیدر آبادی کو لکھتے ہیں:-

۱۰۔ آتھن قاطع کا جناح سے اس پرانچ

کاسے کو خاتمہ نہ خاشا شد یہ سہم

میں اس خانات کا جو بپ کیا لکھتا، لکھنا اس جن قسم بدستوں کو خاشا گیا۔ ایک صاحب نے  
خاموشی میں اس کے صوبہ ظاہر کئے دو طالب علموں نے اردو میں دو بار اسے جدا جدا لکھے  
اور ہر دو نصف ہو۔ ملحق کو دیکھ کر جان گئے کہ تعارف اس کا حق ہے اور جب وہ اپنی  
تاریخ پڑھیں "تسولات مجدد لکھنؤ اور اعلیٰ لغت فیہی کو پڑھ کر متعجب نہ ہوا۔ اور تعریف تو دوسروں  
توسلوم ہوا کہ بے بیابانی ہے۔ تاریخ پڑھیں "تسولات" و "تعارف فیہی" تینوں نسخے ایک  
میں اس خط کے ساتھ ۱۲ ہوتے ہیں یہ ہیں ہے کہ بتقدیم قنا حیدرہ منظور سے گزریں  
یہ خط ۲۰ فروری ۱۸۶۶ء کا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعریف قاطع اور اس کے  
جوابی رسائل ۱۸۶۶ء میں لکھے گئے تھے۔

تعارف تاریخ پڑھیں | نوکارتے قاتل کے خط میں ایک خط مولوی بہت علی صاحب تعارف تاریخ پڑھیں  
کے نام تعریف کیا تھا۔ اس پر دیکھ کر لکھتے ہیں :-

اں صاحب خط ویرانہ کے ساتھ ایک خط مولوی بہت علی صاحب کے نام کا جس میں  
حکم کے کو میں اس کو مولوی صاحب پاس پہنچاؤں میں سلا پایا حال یہ ہے کہ مولوی  
صاحب میری حالت نہیں صرف اتحاد سنوئی کے اقتضائے تاریخ پڑھیں لکھ کر دستوں  
نہی سن میں بلکہ مولوی ہے یعنی گزشتہ خط مولوی ایک ان کے شاعر وادیب کے آشنا  
ہیں۔ ان کو یہ خط بہت پسند آیا تھا کہ وہ مولوی بہت علی صاحب کو بھیج دیں گے۔ انکی  
انکار سے دریافت ہوا ہے کہ مولوی صاحب مرشد آباد چلے گئے ہیں۔ وہ اب حکم سے ذکر نہ  
تعارف تاریخ پڑھیں | میرزا جیمس صاحب تسلط برطان کے متعلق لکھتے ہیں :-

رحیم ٹیکہ کا اہل وطن سرودن ہے اور فی الحال میرزا میں تسلط برطان میں کا پیش ہے  
وہ آٹھویں برس سے اندھا نظر میں مولوی امام بخش مصباحی کا شکار اور خاموشی شکر ہے۔

سیاح کو لکھتے ہیں :

وہ جو ایک اور کتاب کا نام نے ذکر کیا ہے وہ ایک نسخہ کے پڑھنے والے ہوتے  
کتب دار کو خط ہے۔۔۔ درجیم بیگ اس کا نام میرٹھ کا رہنے والا کٹی جس سے انصاف  
پرچم ہے۔ اور جزائری کے احسن میں ہے۔ اس کی تحریر میں نے دیکھی۔ تم کو بھی بھلاؤ گا  
مگر ایک جیسے نسخے کی بات ہے کہ اس میں بیشتر وہ باتیں ہیں جن کو تلافی نہیں  
سکتے تھے۔ ہر حال اب اس کے جواب میں نکلے کرنا۔

یہ خط ۱۱ ستمبر ۱۸۵۶ء کا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تامل برٹن۔ تلافی نہیں  
اور تامل زبان وغیرہ کے بعد بھی تھی۔ اور اعلیٰ میں ہے کہ ۱۸۵۶ء کے ابتدائی حصہ  
میں طبع ہوئی ہو۔

مولوی عبدالرزاق شاکر کو لکھتے ہیں :-

تمہارا کتاب کا کتب ایب۔ درجیم بیگ نامی میرٹھ کا رہنے والا ہے۔ اس پر اس سے  
انصاف ہو گیا ہے۔ کتاب پڑھ نہیں سکتا میں جانتا ہے۔ جہاں لکھ نہیں سکتا لکھو اور بچا  
بکواس کے ہم وطن کہتے ہیں کہ وہ قوت عمل بھی نہیں رکھتا اوروں سے مددیتا ہے۔ اہل  
دہلی کہتے ہیں کہ مولوی امام بخش صاحبانی سے اس کو قلم نہیں ہے۔ چنانچہ متنبہ فرماتے کہ  
اپنے کو ان کا شاگرد جانتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ اسے اس پرچہ پر جس کو صاحبانی کا تخلص  
موجب غزوہ تھا۔

تاملی القاطع [تاملی القاطع] مولوی امین الدین پٹیاری نے لکھی تھی، اور ۱۸۵۶ء ۱۸۵۷ء  
میں چھپی تھی۔ اس کی طباعت کا مصروف تاریخ یہ ہے۔

شمشیر آہ اور زبان امین دین

اور جو اقتباسات پیش کئے جا چکے ہیں۔ ان سے ظاہر ہے کہ طبع ہریان مولوی  
خجف علی صاحب نے غازی میں لکھی تھی۔ اور تلافی نہیں سہل آج نے اردو میں مرتب کی تھی۔

تھانف خبیثی | تھانف خبیثی خائبے خود نہیں چھپرائی تھی۔ بلکہ صاحب مطبع نے جہاں تھی غالب فرماتے ہیں۔

میں نے اپنے در سے تھانف خبیثی کی جلدیں نہیں چھپوائیں۔ ایک مطبع نے اپنی بکری کو چھاپیں۔

یہ خط انجم شہانِ مشرق کا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ تھانف خبیثی <sup>۱۸۹۹ء</sup> میں چھپی تھی۔ اس کی قیمت آٹھ اٹے تھی۔ ایک خط میں غالب فرماتے ہیں۔  
تھانف خبیثی کی پندرہ جلدیں سات روپے آٹھ اٹے تمام بیچ کر منظرِ آج ہیں۔ یہ جو کچھ سیف علی تھانف دیا ہے۔ اپنی بیچ کا پتلا مقرر کیا ہے۔ تم میرے اقدارِ ہر قسم پر ہر دہرہ ہو۔ میرے نفع کی خاطر تمنا ہے اٹھ سے چھٹی رہے گی۔ تھانف خبیثی خائبے صاکی دجیلا آتا دیں۔

کتاب غالب کی تصنیف | تھانف خبیثی جو ایسے مطبع کا ایک رسالہ تھا جو اکل المطابع میں چھپا تھا۔ سردارِ حق پر یہ عبارت مرقوم ہے۔

ہر حق کو بہت رنگ تنگ سرچشمہ جو اپنے خویش

منت دینا کہ خوب کارِ حق دہی برائے دنوں میں انجانبِ بیف تھی اپنی بنی نہ شکوے بغاوتِ خبیثی  
جو اب بحق قاطع برائے چھت نام دسیں ادا کلامِ غنیمتیں بارہ دہ نام میر نور الدین دکنی  
دلی عرازِ انصافِ خیریت۔

رسالہ اُردو میں ہے۔ اس میں مختلف اعتراضات کا جواب میں مطبوع کی مشور میں دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اصل رسالہ یا تو کالاً غالب کا اپنا تصنیف کردہ ہے یا سیاح کی عبارت میں آنا صرف کیا گیا ہے کہ اسے غالب ہی کی تصنیف سمجھنا چاہئے۔ اس لئے کہ عبارت کی روانی اور اعتراضات کی شوخی میں غالب رنگ بہت نمایاں ہے۔ سیاح اس انداز کی عبارت نہیں لکھ سکتے تھے اور ان کی سیر

تسلیم جو غائب سٹٹ<sup>۱۸</sup> میں چھپی تھی اس امر کی گواہ ہے کہ ان کا انداز تحریر لطافتِ فنی سے بے اہل مختلف تھا۔

مثلاً فنی سعادت علی صاحب جامعِ محرق کی نسبت ارشاد ہوتا ہے :-  
 کوئی شخص ہے رعایائے دہلی میں سے کو بھی کسی زمانے میں کسی حکمرانگری کا سٹٹ  
 ہو گیا تھا۔ اور اب غائب سٹٹین ہے۔ موسوم پوشی سعادت علی غرض سے واقعاً نہ نظم ہے  
 اچھا نہ فعل کا سراپہ نہ علم کی دستک دہی کاں میں کسی سنی میں کسی گھمٹا پچس باٹ پر  
 اس بڑنگ کا نام کسی سے نہیں سنا۔

پھر ارشاد ہوتا ہے :-

اہلِ نظر قاطع و تحرق کو باہم دیکھیں گے تو قاطع کی عبادتِ سرتی کی لڑیاں نظر آئیں گی  
 اور تحرق کی نظریاں قاطع کی لڑیاں نظر آئیں گی۔ ہمارے فنی صاحب اندوے علم و فنی فنی  
 نہیں ہیں اندوے پیشہ و حرفت فنی میں بیسے فنی بیروں ناتھ اور فنی ٹیڈ ایل  
 لطیفہ دوم میں فرماتے ہیں :-

اے صاحبانِ فہم و انصاف عبادتِ تحرق قاطع پر ان کو دیکھا جائے غلط بحث اٹھا  
 علی و سرتو کیسے تباہی اور مذہب و فنی فہم اس سے کچھ کا فہم میں۔ بھلا عامیہاں صبح  
 کی شرارت کیسے ہوگی۔ غرض اللہ یہ بتاؤ کہ یہ مناظرے یا جھگڑا صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک  
 دوجہاں یاں بیکار گایاں دیکھنے یا ایک لڑی کو کسی نے چھین دیا ہے وہ فنی بک راکر

کتاب میں بعض مطالب ایسے آئے ہیں جن کے تعلق صحیح و فہمیت صرف غائب  
 ہی کو ہوتی تھی۔ مثلاً فنی سعادت علی نے ایک موقع پر لکھا تھا یا عرق میں چھپ گئی تھا۔  
 تن میں خود نظم راجہ سو و اس کے جواب میں لطافتِ فنی مناظرے کو نظم کے واسطے فرسودہ  
 ہوتا ہے۔ ذکرِ سرون یا ایک دوست نے کہا۔

فنی جی نے غائب کو نظم کو سرون کی مانند ہیں ڈال دیا۔ میں نے کہا کہ تن کی خبر سو و بھلا



دوسرے نزدیک بانٹ دی۔ کچھ ایک ٹہنی ہے پارل رواداد ہوگا۔ جتنے یہ شے سب سے ہیں  
پس کل نہیں بچاؤں گے۔

یہ خط ۱۸۶۳ء کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا تلب ۱۸۶۵ء ہی میں چھاپا گیا ہوگا۔  
رسالہ تہذیب وستانی "بابت جنوری ۱۸۶۳ء (صفحہ ۱۰۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا  
ادوار اخبار کے دو نمبروں ۱۰۰ (اکتوبر ۱۸۶۲ء) اور ۱۰۱ (نومبر ۱۸۶۲ء) میں بھی شائع ہوا تھا۔ ایڈیٹر  
نے اس پر جو تصدیق عبارت لکھی تھی وہ ذیل میں درج ہے :-

جناب مولف (خائب) نے ایک کتاب قاضی برٹن میں اکثریات و عادات کے متعلق  
استمال کی تصویر اور خط کتاب برٹن کی بہ عہدیت دلچسپ مصلحت فرمائی۔ اس پرچہ میں  
کوتہ اندیش نے پختہ خانے کو بہ اعلیٰ جہلی اور نیز امید اس کے کالیسے کال لکھن علی پرکے  
مضامین ہیں کہ ضروری ہیں ہر ایک کے تمام کا اتمام کی تلوں میں کسی طرح سرخوئی حاصل  
کرنا بھانے داد کے بیہ اد کیا کرتہ و کلام بہ فست نظام میں محنت بجا آٹائی لکھ لطف  
بہلج میں اس دلوں صاحب مداح نہیں یہ خط پہلا صاحب نہیں سہل سے ان تھکات کو  
بہرہوں شائستہ رخ کیا۔ اسی طرح سیدنا رحیم ٹیک نامی کو بھی غل و لغہ ہر تھانہ کی مصلحت  
کے واسطے حضرت (خائب) سے غور و زہد فرمائی چنانچہ وہ کامرہ فست لکھن میں مجھے نسخہ ذیل :-

دوسری سے ہشتات | خائب مخالفوں کے جواب کے لئے خود بھی دستوں میں تحریک کرتے  
تھے مثلاً ذاب علاء الدین احمد خاں کو ایک خط میں لکھتے ہیں کہ شہاب الدین نے تھوڑے خط  
کا ایک خط میرے کہنے پر بچھا ہے اگر فرصت سادست کرے تو اس کی غلطیاں جمع کر کے لکھے  
- بیچ دو -

میرا ایک دوست ہے کہ وہ بھول حال الخلیفہ ابن ہفوت کا خاکہ لکھا رہا ہے نیز غلط

تھے اس کو دوسری ہے تم بھی بھائی مدد دو -

خادم غلام فرحت خیر خواہ | خائب اس زمانے میں بہت مشغول تھے اور بے حد کی محنت ہو گئی

تھے کسی نے کہہ دیا کہ آپ کے عزیز شاگرد خواجہ غلام فرخٹ خاں تجیر قاضی برائے ان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ غائب ہے صاحب ہو کر فرماؤ خواجہ صاحب کو لکھا۔ کہ یہ کیا واقعہ ہو اہل خیر پامل غلط تھی۔ خواجہ صاحب نے اس پر غائب شکوہ کیا۔ اس کے جواب میں فرماتے ہیں۔

پیر و مرشد غائب نہیں ہو کر تھیں وہاں ملے باورو آ یا بیان تک تو میں سو نہیں ہو سکتا  
جنگ و دست و پا ہے کل ہنسنا وہ ہے کہ آپ کا دوست کتا ہے کہ ہر شئی صاحب غائب  
گورنر ہاؤس کے شاگرد ہیں اور قاضی برائے ان کا جواب لکھ رہے ہیں۔ وہ کیا یہ حال ہے وہ  
وہاں بے حال بہم اٹھیا کے یہ حکایت ہے شکایت نہیں۔ میں دنیا داری کے لباس میں  
تھیری کر رہا ہوں لیکن بغیر خدا ہوں، شیدا و تباہ۔

قاضی برائے ان کا جواب | غائب قاضی برائے ان کو دوبارہ چھپوے گا اما وہ کیا جواب پرست علی خاں  
نے لکھ بھیجا کہ اپرل ۱۹۱۸ء کی غزوہ کے ساتھ دوسروں نے مزید نہیں گئے لیکن اپرل کے  
آخری عشر میں نواب صاحب کا انتقال ہو گیا سیف الحسن سیاح کی وساطت سے نواب  
میر غلام بابا خاں سے امداد کی درخواست کی گئی نواب صاحب نے غلام بابا خاں کو  
دوبارہ لکھا تو وہ سربراہ کو نواب میر غلام بابا خاں نے سو روپیہ کی رقم بھیج دی۔ غائب  
کا غرض لکھا کہ کتاب چھپنے کے لئے دے دی وہ خود اکثر چھپتے ہیں نواب صاحب علی خاں بابا  
کی تحریک نشینی کے جن میں شرکت کے لئے رام پور چلے گئے کتاب دہلی میں مکمل الطبع میں چھپ  
رہی تھی مرزا شمس الدین بیگ، شہزادان کوہ پور چھپنے کے خطر میں رام پور سے نکلتے ہیں۔

قاضی برائے ان کا حال لکھا میں نے قس دہلی کی چٹائی دوسروں کی باقی انجیم دی ویکم  
غلام نجف خاں کو ایچ دی ہے حضرت نے رسید بھیجی نہیں تھی۔ ان سے رسید لکھو اب جو اور  
سب جوروں کے خیراتے بعد جائیں اور مرزا کا غرض دوزن طرف چلے جائے خیرات کی  
منجھ ہے بلکہ ہے جن سو محلہ کے تیار ہونے کی خبر اور بقید صاحب میرے پاس ایچ دی ویکم دی



بیچ دوں گایا اگر وہں تھا۔

طبع ثانی میں غائب کے کچھ فرائض بڑھا دئے تھے، اور اس کا نام قاطع برائن کے بجائے  
ورزش کا دیانی رکھا تھا، اس کی کوئی نسخہ مجھے نہیں مل سکا، عبد اللہ زائق قساکر لکھتے ہیں :-  
قاطع برائن میں اور صاحب جمعائے ہیں اور ایک دیباچہ دوسرے لکھا ہے "ورزش کا دیانی"  
اس کا نام لکھا ہے۔

غائب و جزوی قساکر کو رام پور سے واپس آئے تو ورزش کا دیانی تیار ہو چکی تھی  
سبز کو لکھتے ہیں :-

ابھی اس میں سیف مکن اور مہر سے اگر تین سو جلدیں ورزش کا دیانی کی تیار ہائیں نہ  
میر غلام بابا خاں کے صاحبزادہ کو ڈیڑھ سو جلد کا قسار بنا دیا۔ اس پر شاہ پشوریا ٹاک سنگھ جویا  
سنگری ٹاک دالوں سے ہرگز اس کا پھرینا قبول نہ کیا۔ ٹھیکے والے پخت و دستہ بیل والے غلط  
اس کے سال سے انکار کرتے ہیں کہ یہ قصہ درو پ میر غلام بابا خاں کو چڑھاؤ۔ اور اس باب  
میں ہر وہ فرائض لکھو۔

توسید برائن غائب کے پاس ۱۸۶۷ء میں پہنچی تھی۔ وہ طوطا کا کو ۱۳۰ باب چھٹے ۱۸۶۷ء کے  
ایک خلیص لکھتے ہیں :-

توسید برائن میرے پاس بھی لگتی ہے، اور میں اس کی غزوات کا حال بہ قید شمار و مقرر  
لکھ رہا ہوں وہ قسار سے پاس بھیجیں گا، شرط و مدت، بشرط انکہ جاتی دہری ہو و باقی ہو چھپ  
کو میں ہوں یا دہری قسم اس کا جو، پ ضرور دو مہینے بچے ہوئے ازالہ جلیں جاس مناسب  
سمجھو دین کر وہ۔

تختہ تر برائن کے بعد غائب نے اردو زبان میں تیجہ دینر لکھی تیس صفحے کا ایک مختصر سا رسالہ  
ہے جو مکمل لکھی نہیں چھپا۔ اس کی تہذیبی عبارت میں غائب نے تخریق قاطع و تطائف غیبی  
سطح برائن و قسار غائب، اور قاطع القاطع کا ذکر کیا ہے، حرف تخریق کے متعلق فرماتے ہیں :-



لکھنؤ میں لکھا جاتا ہے۔ بادشاہ کی سرکار سے انجمن اہل حدیث کے گورنمنٹ کے دفتر میں خلیفہ  
 بیار مردان دودستان، غائب کے میں گورنمنٹ خاں صاحب لکھتی ہے اس کو مٹھی اور گناہ  
 گھما کبوں کر کھوں فی حقیقت یہ دلیل بخواتین قریب افہام انت الحوائی گورنمنٹ ہما  
 کی توہین اور بیخ و شریف ہند کی مخالفت ہے۔ یہ کیا بگڑا مولوی نے اپنا باپ بن لکھا  
 میں نے مسلم امین بے دین کو شیطان کے واسے کیا، اور مولوی کے الفاظ مذہم سے قطعاً  
 کیا اور ان کے مطالب میں کاجواب اپنے ذمہ لیا۔

اس کے بعد اہل کتاب شرعی ہوتی ہے جو سترہ ضلوع پر مشتمل ہے۔ ان ضلوعوں مختلف  
 و ترغیبات پر مشتمل ہے، اور ان کے جوابات دینے میں آخر میں مختلف اعتراضات  
 کو مختلفا کی شکل میں کر سولہ سوالات مرتب کئے ہیں اور ہر سوال کے ساتھ جواب مصطفیٰ  
 خاں شیعہ کی طرف سے جواب دیا ہے۔ تمام جوابات میں غائب کی تائید کی گئی ہے آخر  
 میں خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم مولوی محمد سعادت علی مدرس گورنمنٹ اسکول دہلی۔ اور  
 ذاب ضیاء الدین احمد خاں نے عجیب یعنی ذاب مصطفیٰ خاں شیعہ کے جوابات کی تصدیق  
 و توثیق کی ہے۔

منقولہ کتاب کا ترجمہ برائے سلسلہ خاتون غازی میں کہیں شہر کا ایک قلعہ بھی لکھا تھا جس کے چند شعروں پر دہلی کے  
 یا تو یہیں ہی لکھے گئے ہیں۔ اس قلعہ پر غلامات کی جنگ شروع ہو گئی مولوی احمد علی صاحب لکھ  
 "تو یہ بران" کے ایک شاگرد عبد الصمد صاحب کڈا سہنی نے غائب کی تیغ تیز کے جواب میں  
 ایک رسالہ "شیر تیز" کے نام سے مرتب کیا تھا جو ۱۸۸۱ء میں مولوی غلام نبی خاں کے مطبع  
 بوری میں عبد اللہ خاں کے زیر اہتمام چھپا اس رسالہ میں غلامات کی جنگ بھی موجود ہے اس میں  
 سب سے پہلے غائب کا قلعہ درج ہے۔ پھر اس کے جواب میں اسی زمین میں مولوی عبد اللہ صاحب  
 کا ایک قلعہ ہے اس کے بعد عبد اللہ صاحب کے جواب میں غائب کے دو شاگردوں باقر علی خاں باقر  
 اور غلام الدین حسین خاں تھن کے دو قلعے ہیں جو اسی زمین میں لکھے گئے۔ آخر میں عبد اللہ صاحب نے

ان دونوں تھکوں کا جو جواب دیا تھا وہ مریح ہے۔ اس طرح خاک کے قطعہ بہت اُس میں ہیں  
جواب اور جواب بھوک کے طرہ پر دو سود و شکر کسے گئے یہ چیزیں اب باہل نا پسید میں میری آرزو  
مٹی کر انہیں یہاں تھا بچ کر دوں میں گنجائش اجازت نہیں دیتی البتہ خاک کے قطعہ کا خدا  
خزندی ہے یہ سچ نہیں چھپا تھا دوبارہ کہیں شلخت نہ ہوا۔

### قطعہ

دوسرا سنگزاری و یاد آوری بہ عالی فصاحت جواب سوری، آغا محمد علی صاحب جاگیر گجری، منجاب

پڑھو، اسے راہ پر روی مسدود نہیں خاکشہی

سوری احمد علی احمد تخلص مستفہ	در خصوص گنگوٹے پاس نقش کرودہ است
کیچ و کراں مرا کو در سندھ است انرا یاں چلا	شائل تعلیم اریاں بے محایا کرودہ است
قوم ہوں گرا پاریانی شرداں وادہ غلط	حک ترکان سمرقند و بخارا کرودہ است
وہاں تو ام جو درویش و شقیل	پیشوائے خویش ہند و نادر کرودہ است
ہندیاں زورند باندائی مستم داشتہ	تاچہ اندر خاطر دلاکے او جا کرودہ است
خوش برآمدہ ہندوستان یا چ خوش	نکدیا گرسے ہر لادت گجہ او جا کرودہ است
ہر کہ بینی بازبان مولد خود آشتا است	سار نطق موطن اجداد بے جا کرودہ است
خواجہ را از صفائی بودن آباچہ سود	خافش و کشور بچکار پیدا کرودہ است
با تھیل و جامع بران دلالہ شیک چند	لا بہ و سو گری و لطف و مدارا کرودہ است
و اموی کاچہ بنا فرمود وروسے ہر نہ	منصف صدرا میں و صد علی کرودہ است
گر جنیں بابندیاں وارو تو لا درجن	من ہم از ہندم چرا ز من تیرا کرودہ است
سلا و باہر کسے از ہند و جنیش خامن	حیف و میلے بادو عالم شور و غوغا کرودہ است
کرودہ است از غیبی گفتار من قطع نظر	ظلم نہیں قطع نظر بر چشم مینا کرودہ است

سلطہ عزیز تہذیبی غم کنی زلف بران تاش کلاہ کا ایک چند ہمارا لطف جہاں ہم

مطلب از گفتن جن چیت گویانیک و  
 در چنین نبود چنان باشد که در غرض کمال  
 صاحب علم و ادب و نگه نفاذ غضب  
 در جمل و شناسم کار سوتیاں باشد و  
 اتحام جامع بران قاطع سے کشد  
 من سپاہی زاوہ ام گفتار من باید و  
 زشت گفتن یکے او بدگنجی داوہ ام  
 سے کند تادیب تہاں یکے بران پدید  
 سستی طرز خرام خامہ بران بخار  
 بہرین توہین جہر خوش متہیں جا بجا  
 آید میند ہر اند بہ کتاب مولوی  
 لغو و حسود لوئے بخش و این بیل  
 بگزرا ز معنی ہیں الفاظ را پرستہ میں  
 یا فتم از دیدن تار بکنائے آں کتاب  
 نازیاں ہمراہ خوش آوردہ از بہر جا و  
 جوش نواز نایت قمر و فضیلت و  
 بہ کش شمشے کہ سوز و صاحب رنجست

چرا باشد باعث تشنہ جز شکستہ

باد فاکب خستہ در گرفتہ پروا کردہ است



# چودھواں باب

## کلام طہریق اصلاح اور مشاعر

ہندو راند کن پیشہ گناہ سے بہت

اندیس دیکھن سے کہہ آٹا بہت

غائب اپنے دوست سرلیج الدین احمد خاں کی فرمائش پر اپنے منتخب اردو اور فارسی اشعار کا جو مجموعہ رچا کے نام سے مرتب کیا تھا اس کے ویباچ میں تیسری کی ہے کہ ابتدا میں اردو شعور کئے شرف کئے تھے۔ فارسی زبان کے غارت کی عبارت میں جو ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۳۳ء میں لکھی گئی تھی۔ فرماتے ہیں گیارہ برس کی عمر میں شعور کئے شرف کئے تھے۔ خواجہ حالی نے لار ہماری لالہ مستحق دشاد گرد غائب کے بیان کی بنا پر لکھا ہے کہ اگر کے ایک صاحب لار کنہیا لال جو غائب کے ہم عصر تھے ایک مرتبہ دہلی آئے اور ان رنگ نگاروں میں غائب کو یاد دلا دیا کہ آپ نے چنگ بادی کے متعلق ایک مثنوی اردو میں لکھی تھی اس کے آخر میں فارسی کا یہ شعر لاحق کر دیا تھا

رشتہ در گردنم آنگندہ دوست

سے بد ہر جا کہ خاطر خراہ دوست

لار کنہیا لال صاحب نے یہی کہا تھا کہ یہ مثنوی آٹھ ذہن کی عمر میں لکھی گئی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی شعور بھی کئے شرف کر دئے تھے خواجہ حالی فرماتے ہیں کہ ابتدائی زمانے میں انہوں نے ایک فارسی غزل بھی تھی جس کی ردیف "کرچہ" تھی۔ یہ غزل ان کے استاد شیخ معظم کے پاس پیش ہوئی تو شیخ نے ردیف کو کمال بتا دیا لیکن پہلو

لے لیا کہ نظر فارسی سطر ۱۰۰ لکھا تھا کہ نظر فارسی سطر ۱۰۰ یا دیگر کتاب سطر ۱۰۰۔



و نہ ہر جنگ فزائخان میں نہی آسا کلم و جہنم سے کھنکھارویش باشم و انما و اندہ سپہرم  
 ذوق سخن کہ اتل آدودہ ہمدونہی نگار و مواب دل و طبیعت کہ آئینہ ذوق و صورت سخن  
 خزون نیز کارغا بان بہت سلوکی و دوا نشری طریقت صری گری بجزار و بہ سخن گری  
 دوسے آواز گریہم چاں کدوم و سفینہ و بکر شوکر سواب بہت دواں کدوم قلم ملر شد و تیرا  
 شکست نیا کھان قلم یا تودہ اور گلا بدیدہ دوسے خبر و یا بود وین خبر وخت ۔

نواب شمس الامرا حیدر آبادی کے نام کے فارسی خطا میں لکھتے ہیں :-

شعر و خنیا کما کثرین پر بند و حافی بہت و غاسا نہد و نورت و گلا نشانی ۔ و تہ نال و تہ  
 گھنٹے وہ آرد و زبان نزل سلو برو سے نام پارسی زبان ذوق سخن و خفت و اناس وادی  
 حافی اندیشہ برماخت و یون مختصرے اورینتہ فراہم آدودہاں انگھست طاق لسیان کرد  
 کما بیش سی سال بہت کما اندیشہ پارسی لکھا بہت ۔

نواب علی بہادر خاں و الی باندہ کو لکھتے ہیں :-

و تودہ یاد پگھنٹے ریختہ شے کما ہم وہ پارسی سخن سے سلوہم یکن چوں رخا نے خاور  
 صورت نخل النی و لان بہت کما ہی گوئہ گفتار با سے حضرت ملک حضرت ارغمان ہمدونہا  
 ناچار کاہ نگارہ ریختہ سے کریم ۔

بہ ہر حال غائب کی تمام تحریرات کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں نواب  
 نے اردو میں شو کھنے شروع کئے تھے پھر فارسی میں لکھنے لگے چند سال کے بعد کلکتہ فارسی کے  
 کے لئے وقف ہو گئے جب قلعہ کے ساتھ ملازمت کا تعلق پیدا ہوا تو بادشاہ کی خوشنودی کے  
 لئے پھر اردو میں شو کھنے لگے ان کا سوچ وہ اردو دیوان زیادہ تر فارسی و درکاس ہے ۔

ابو بصرہ کی بہت کاثر امیر خیال ہے کہ فارسی پر غائب کی خاص توجہ علامہ محمد احمد کی صحبت کی توجہ  
 سے ہوئی جو ۱۲۵۸ھ میں آگرہ آئے اور دو برس غائب کے پاس رہے ۔ اس وقت غائب کی عمر  
 صرف چھ برس کی تھی ۔ اس کا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ غائب کے ابتدائی کلام میں فارسی بہت



زیادہ ہے۔ بلکہ باوری النظر میں ایسا معلوم ہو تو کہ ہے کہ وہ پہلے فارسی شاعر کہہ لیتے تھے۔ اس کے بعد کہیں کہیں اس میں فارسی الفاظ کی جگہ اردو الفاظ داخل کر دیتے تھے۔ پاکستان چاہئے کہ ان کی کچھ مثالیں فارسی میں شمرکت تھا اور وہ کا نظریہ تھا اسے اردو بنا لیتے تھے۔ عام طور پر کہنا جاتا ہے کہ ان کے ابتدائی اردو کلام میں فارسییت اس وجہ سے بہت نمایاں تھی کہ انہیں اردو اتنی دشمنی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ ان کی والدہ ماجدہ اگرہ کی رہنے والی تھیں لہذا ان کی مادری زبان لافا اردو تھی ابتداء کلام میں فارسییت کے غلبہ کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ ابتدا ہی میں زیادہ تر فارسی کلام دیکھنے لگے تھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کے دماغ پر تخیل کا اثر بہت زیادہ تھا اور اردو میں تخیل کے انداز کی پروری فارسییت کے زیادہ سے زیادہ بہتصال کے بغیر ممکن نہ تھی۔

عربی پنڈا، جلد ۱، صفحہ ۱۲۷ | خاتب کو پہنے اردو اشعار کے شوق بہت زیادہ حسن سخن نہ تھا۔ اور وہ فارسی شاعری ہی کو خدا و کائنات کی حقیقی نمائش کا جہتے تھے۔ اور حق یہ ہے کہ ان کے فارسی کلام کو جو مختلف فارسی زبان کے شاعر اساتذہ فنی کے برابر دیکھا جاسکتا ہے۔ پھر عام سادہ سادہ کسی کی ایک چیز اچھی ہوگی کسی کی دو چیزیں اچھی ہوں گی لیکن خاتب کے ذوق کی جامعیت اور برعری کی کا یہ عالم ہے کہ ان کی ہر چیز اچھی ہے۔ بشوئی، فخر، قصیدہ، قطعہ، رباعی، نظمیں و اقشاد نگاری، علمی بحثیں، افتخار و غرض ہر دامن میں وہ یکساں قابلِ قدر ہیں لیکن ہندوستان میں خاتب کی شہرت کا عام صرف ان کے اردو کلام پر ہے۔ بھرے کے باب میں ذوق کی غلط فہمی اور غلط اندیشی کے باعث جو صورت حالات پیدا ہوئی تھی۔ اس پر خاتب نے ایک فارسی قطعہ بھی ذوق کو مخاطب کر کے لکھا تھا اس میں فرماتے ہیں :-

اے کہ در بزم شہنشاہ سخن رنگین مستم	کے ہر گوئی فداں و شہر ہم رنگ سن
دست گشتی ایک سے دانی کہ نود و جان مین	کہ ترازو بگمٹ ہل کر نود و چنگ مین بہت
نیست نقصان یکے جزو ہستار سوز و آہ	کام و ذمہ ہر گے بخت ان فرہنگ سن
فارسی میں تا بہی نقشاے رنگ	بجز از نظیرہ آمد و کبے رنگ مین بہت

خاری ہیں تاہم اپنی کاندہ کا ہم خیال مانی وادارنگہ و اس نخواستہ رنگ میں است

\*\*\*\*\*

خوشی اہم فی شرط است و اس انی فرست اندر خود نمود سنانے کو صیغہ میں است  
در سخن چوں ہم زبان دہم نوائے سخن چوں است باج و تاب و اکت ہنگام  
دست گویم سے اندہ بہت منتر تر شد ہر جہ و گفتہ رفت است آن رنگ میں است

غالب کی یہ رائے اپنے اردو اشعار کے تعلق ہے۔ اردو کے صحابہ کے تعلق معلوم ہے  
کہ غالب ان کی قریب و شامت کو اپنی شہرت مخدوی کے منافی سمجھتے تھے لیکن یہی وہ  
جزویہ و ان رجحانہ ادبی منافی شہرت مخدوی کا تیب کج غالب کی شہرت کے علم کو اردو  
کے تمام خدمت کار شعاعوں اور شکر گاروں سے بددعا بلند تر خائے ہوئے میں بار بار بے وق  
اندازہ فرمائیں کہ جس شاعر کے تخلص بن فرہنگ کے تہنگ و ٹنگی باز بیت اور حق خوبی کا یہ عالم  
ہے۔ اس کے نقشہ نے رنگ و گہنہ اور اس کے نخواستہ رنگ کا کیا رنگ ہو گا لیکن نہیں  
کہ خاری کا ذوق بند و تن میں بہت کم ہو گا ہے۔ اور خلعت غالب کے کمالات کی اس حقیقت  
جو لکھو سے عام طور بہت کم و قشاسی حاصل ہے۔

توسیمیدہ | غالب نے ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء تک جب کہ ان کی عمر چوبیس تک نہیں برس کی  
تھی۔ اردو کا ایک اچھا خاصہ ادیب ان مرتب کرنا تھا۔ جو اسی زمانے میں ذاب نوٹ بخوناں  
دیں بھوپال کے فزندانہ ذاب نوٹ بخوناں کے پاس نقل ہو کر پہنچ گیا تھا نیز چند سال  
ہوئے میں اہل حضرت ذاب حمید امده خاں بہادر فرما رہا ہے بھوپال دستغیب علی  
حیات و حفظ بقائے کی خسروانہ قیامات گزی کی برکت سے نسخہ حمیدیہ کے نام سے شائع ہو گیا ہے  
نسخہ حمیدیہ کی تہمید میں مرقوم ہے کہ یہ نسخہ ۱۲۳۳ھ مطابق ۱۸۱۷ء تک کہ حافظ مصعب الدین صاحب نے  
لکھا تھا اس کے قارئین سے شکستہ ہوتا ہے کہ اس میں زیادہ تر کلام باطل ابتدائی و حکا

۱۲۳۳ھ نسخہ حمیدیہ منقولہ

ہے جبکہ غائب کی وقت پسند طبیعت تبدیل کے مطالعہ سے بہت کمزور رہتی اور وہ تبدیل کی ترقی میں تاہرک اور بلند مضامین پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن نہ کافی قوت کے باعث حاصل کیا تھا۔ غائبانہ بیان پر پوری قدرت و دستگاہ حاصل ہوتی تھی نیز جو یہ تھا کہ وہ تبدیل کے خاص مہذب و ترکیب کو بہ کثرت استعمال کرتے تھے، اور اسے اپنے ذہن میں تبدیل کی پیروی سمجھتے تھے جس طرح آج کل کے بعض فرمایا ہو کہ رافضی اسی کا بیٹا، اشار میں غائبی مضامینوں کے سفارہ ہستمال کو غائب کی پیروی سمجھ رکھا ہے اور صاف بات کو پیچیدہ، مبہم اور غیر فہم بنا دینا ان کے نزدیک غائب کا رنگ ہے۔

تبدیل کی بھی اس زمانے میں غائب پر تبدیل کا رنگ اتنا غائب تھا کہ انہوں نے متعدد فقروں کے تفصیل میں مختلف طریقوں پر تبدیل کا ذکر کیا ہے مثلاً

اسد ہر جان سے طبع باغ تادہ ڈالی ہو  
مجھے رنگ بہارا بجا دی تبدیل پسند آیا

.....  
مغرب دل سے مرے تانوس سے قاتل  
سارے بدستہ پے نسخہ تبدیل بانٹھا

.....  
مجھے، سخن میں خوف گرہی نہیں غائب  
صماتے خضر صواتے سخن ہے ناگزیر کا

.....  
آہنگ اسد میں نہیں جز نغمہ تبدیل  
عالم ہر افشاں، طالع و نامیہ سچ

اس زمانے کے کلام میں ان میں کوئی ہی غائبی نہیں ہیں بلکہ پورے مصرعے غائبی

کے چلے آتے ہیں مثلاً ۵

بسان جو ہر آئینہ زویرانی داس  
غبار کو چھائے موج ہے خاشاک ساحل

.....  
فغانِ نندہ گنِ ننگِ ذوقِ میثِ بے پروا  
فرختِ گدا آغوشِ دواعِ دلِ پسند آبا

.....  
پشگلِ تنگِ رموشاں و نظرتِ بشرا  
سرتاہِ نظر ہے رشتہِ تسبیح کو کہرا  
غالب اپنے شاگرد عبدالرزاق شاکر لکھتے ہیں :-

ابتداءً فکرِ سخن میں بیدار، آئینہ کے طرز پر پختہ کرتا تھا۔ چنانچہ ایک ناول کا قطع یہ تھا :-  
روزِ تہلیل میں بحیثیت لکھنا  
اسد اللہ قاسم قیامت ہے

پندرہ برس کی عمر سے پچیس برس کی عمر تک مضامین بنائی لکھتا گیا اس پس میں بچہ و بزرگ  
جمع ہو گیا۔ آخر جب قیدی بنی تو اس دوران کو دور کیا اور اسی کی قسم پاک کئے۔ اس چندہ شروع ہوئے  
خوشی کے دوران حال میں رہنے دیتے۔

یہی وہ دوران ہے جو نسخہ حمیدیت کے نام شائع ہوا

نسخہ حمیدیت کی تصحیح و ترمیم **نسخہ مفتی انوار الحق صاحب اہل نسخہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں**  
کہ اس پر جگہ جگہ مریاں فرہدار محمد خاں کی مہریں ثبت ہیں بعض مشعلہ کی اور بعض مشعلہ کی۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دوران کہہ سے کہ ایک ہمارا ملن ہے کہ چندہ یہ نسخہ نوام کی خوش  
سے خاکسبک پاس بھی گیا ہے۔ اور ان کی نگار سے گزرتا ہے اور انہوں نے خود اس میں ترمیم

ہلا میں کی ہیں کیونکہ اگرچہ ان ہلاحوں کا خلا بہت طراب اور گنت ہے لیکن ہر ہی اس  
میں اور خائب کی طرز تحریر کے سہجہ و سادہ ہیں ایک کو نہ مشابہت پائی جاتی ہے اور  
گوشہ اس کی بناء چنان کہ خائب کا قلمی قیام و نیا شاید درست و صحیح خود ان ہلاحوں  
کی قرینت ایسی ہے کہ ان کے صنف کے سوا کسی کے قلم کا لطف منسوب کرنا مشکل ہے  
کیونکہ ان میں سے اکثر ایسی ہیں کہ غلط کو کات کو اس کی جگہ و سزا مقرر کر دیتے ہیں۔ یا کسی  
کی کچھ سہولت دل دیتی ہے۔ بہت سی قرینتیں اس قسم کے حاشیہ پر پڑھائی گئی ہیں۔  
جن میں سے بیشتر مروجہ دیوان یا کائنات سے دور ہیں۔ بہت سی قرینتیں ایسی ہیں کہ ان میں دوبارہ پھر  
کچھ انتخاب ہوا ہے۔ اور بطور دیوان میں ان کے پورے شعر و شاعری نہیں ہوتے۔

نور محمد کبھی خائب | لیکن سیرے خیال میں منتہی صاحب کی یہ رائے محل نظر ہے۔ اس کے دوڑ  
کے پاس نہیں گب | اختصاراً درج ذیل ہیں :-

(۱) خائب ۱۸۲۴ء میں نکلتے تھے اور جاتے ہوئے نکلتے تھے تو کسی تہن میں ان کی

ایک قزل ہے جس کا مطلع یہ ہے :-

وہاں پہنچ کر جو عشق آتا ہے ہم سے ہم کو

صدور آہنگ نریں برس قدم ہے ہم کو

اس کے آخر میں ایک قلم ہے جس میں لکھتے کا ذکر ہے۔

لکھتے آئے کا یا مٹ نہیں لکھتا اپنی | بوس سیر و قاشا سوا کم ہے ہم کو

مقطع سلسلہ شرق نہیں ہے یہ شعر | غم پر غصہ و طوف حرم ہے ہم کو

لے جاتی ہے کہیں ایک توقع خائب | جادو رنگش کات کرم ہے ہم کو

قلم سے ظاہر ہے کہ یہ قزل یقینی طور پر لکھتے میں کسی گنتی تھی اور آخری شریف بتا رہا ہے۔

یہ لکھتے جاتے وقت کسی گنتی تھی لیکن بطور توضیح یہ ہیں یہ قزل خائب کے ہاتھ میں

شال جس کا کوئی ہم طرح شعر نہیں نظمیں موجود نہیں ہیں اگر یہ نسخہ غالب کے کلمتے تھے تو اس  
بعد فرض تصحیح و ترمیم ان کے پاس گیا اور انہوں نے تو انہیں حاشیہ پر بڑھا دیا تو اس  
گوئیوں حاشیہ پر نہ لکھا، اور آٹھ یا ایک یا تین فی طور پر چھپنے میں کسی گنتی تھی اور غرضی تھا  
وہ کو صحیح سمجھا جائے تو نسخہ حمید یہ ۱۲۳۵ھ (۱۸۳۲ء) اور ۱۲۶۱ھ (۱۸۵۷ء) میں  
یا ہرگز باطل ہے کہ کلمتے جانے کے بعد اس نسخہ کا غالب کے پاس پہنچنا قابل تسلیم نہیں۔

(۲) غالب ذہب علاء الدین احمد خاں کو اپنے ایک خط مرحوم ۲ جولائی ۱۸۶۶ء  
میں لکھتے ہیں :-

ہر یکا پس ہر کی بات ہے کہ اشیائیں خاں مرحوم نے ایک زمین بھائی میں منسلک  
نزل لکھی بہت منزل بہ ہے

پلو سے ایک سے ساتی جو ہم سے نزلت

پیارا گز نہیں دیتا ذہب شلوب قوے

ذہب الی بخش خاں معروف کا انتقال ۱۲۴۲ھ مطابق ۱۸۲۶ء میں ہوا۔ لہذا  
ماننا پڑے گا کہ یہ نزل ۱۸۲۶ء سے پہلے کسی گنتی یا کسی مطلبہ تو نسخہ حمید یہ میں اسے  
بھی اس کلام میں شال کیا گیا ہے جس کا ہم طرح کوئی شعر نہیں نظمیں موجود نہیں  
اس لئے سمجھنا چاہئے کہ بھوپال والا نسخہ ۱۸۵۲ء کے بعد بھی غالب کے پاس  
(۳) یہ حقیقت بھی قابل غور ہے کہ غزوہ غالب کے کہیں اس نسخہ کا ذکر نہیں کیا۔ لہذا کہ

انہیں غزوہ کے بعد اپنے کلام کے مختلف نسخے جمع کرنے کی سخت ضرورت پیش  
آئی تھی، اگر نسخہ حمید یہ غالب کے پاس بغرض تصحیح و ترمیم آتا رہا تو کیا سبب یہ نزل  
نے ضرورت کے وقت اسے حاصل کرنے کی کوشش کی؟ یہ خیال ہے  
کہ غالب کو اس نسخہ کا سرے سے علم ہی نہ تھا۔

آرودو، شعرا، تعداد سرسری اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قلمی نسخہ جمعیت میں قصاید اور گیس اور رباعیات کے علاوہ کل ۱۸۵۰ اشعار ہیں۔ ان میں غالب نے پائیس اشعار مولانا محمد حسین صاحب آذام کی روایت کے مطابق مولانا فضل حق خیر آبادی اور مرزا غلام کوثر اہل دہلی نے انتخاب کے وقت کل ۴۷۳ اشعار منتخب کیے۔ ۱۸۲۵ء کے بعد آخری کم کم پچاس برس میں غالب نے آرودو غزلیات میں ۱۹۵۰ اشعار لکھے۔ بعد کے قصائد، قطعات اور مثنوی انہی کے اشعار کی تعداد ۷۷۰ ہے۔ رباعیات چھپارہ میں یعنی اگر سب اشعار کو شامل کر لیا جائے تو ان کے چوبیس برس کے کل آرودو اشعار تیرہ سو سے کسی قدر کم بنے ہیں۔ اور ان میں وہ اشعار بھی شامل ہیں جو ان کے سبزو دیوان میں شامل نہیں ہوئے لیکن رقصات میں چھپ گئے، ایسے اشعار بھی ہیں جو رقصات میں چھپے نہ دیوان میں شامل ہوئے لیکن ان کی تعداد زیادہ نہیں۔ اور ۱۸۲۵ء کے بعد سے ان کے کل آرودو اشعار تیرہ سو سے متجاوز نہیں ہوتے، مثنویان میں انہوں نے ناکما کے کئی شعرا، شعرا کے یہ مرثیہ کیا جا چکا ہے کہ ان کے آرودو اشعار زیادہ تر اس دہائی کے ہیں جبکہ قلم کے ساتھ ان کا رابطہ ملازمت قائم ہو چکا تھا اور بادشاہ کی خاطر سے انہیں آرودو میں شعر کہنے پڑتے تھے۔

تجلیاں شاد ہستے [نسخہ میٹر والے اشعار کا کوئی مجموعہ اگر انتخاب کے وقت غالب یا ان کے دوستوں کے پیش نظر تھا تو سمجھنا چاہئے کہ انتخاب درست تھا اس لئے کہ نسخہ میں بعض ایسی غزلیں موجود ہیں جو ناکما یا جزو انتخاب میں آتی ہیں انہیں بغیر غزلیں، غزلہا، گھینچے والی غزل سے

وامان دل بہ ہم تماشا نہ کیجئے اسے مدی خیالت بے جا نہ کیجئے  
عجز و نیابت سے تو وہ آیا دماہ پر دامن کو اس کے آج حریفانہ نہ کیجئے  
خودنا سرین کے جاتے اس تماشا کی کیا فائدہ کہ منت بیجا نہ کیجئے

یا

تماشا گئے گلشنِ تنہا تھے چیدن بہار آفرینا گنگا میں ہم  
 شکوہ کہنہ رود مائتا پاسی ہجومِ تنہا سے لاچار میں ہم

یا

خود پرستی سے رہے بے ہمد گناہ آفتا بیکسی سیری شریک آئینہ تیر آفتا  
 ربط یک شیرازہ وحشت میں اجڑا ہوا سبزہ بیگانہ صبا آوارہ گل نا آفتا

یا

شکوہ پیمانِ جنبدول میں نہیں کروا  
 غائب ایسے گنجِ کوشا یاں ہی دیا تھا

یا

سسر پرہے وہاں ہزار آمد و روا  
 یار میں کس فریادِ بخت و بد و خوا

یا

مے فرسا تماشا مرکبِ چلتا ہوں میں  
 اک طرف جلتا ہے دلِ داکِ طرفِ جلتا ہوں میں

یا

ہوئی ہیں آبِ شرم کو ششِ نیلے ہا سے تیریں  
 عرقِ چہ قمیش میں مرج کی مانند زنجیریں

بہر حال ان میں سے کوئی شعرِ شاربِ سحرِ مغرب بتِ مشکل پسند آیا ہے تعابیر میں قابل

حذف ہو رہا تھا۔

نئے انتخاب کی ضرورت | میرا خیال ہے کہ پورا مجموعہ بروقت انتخابِ اشعارِ غائب یا ان کے دوستوں



کے سامنے نہ تھا۔ اگر حالات نے مسامتہ کی، وصحت نے اجازت دی تو سیرا زادہ  
 ہے کہ غالب کے اچھے اشعار کا ایک نیا مجموعہ مرتب کروں۔ ایسا مجموعہ اس وجہ سے بطور  
 خاص ضروری ہے کہ غالب کے بعض ان اشعار کی وجہ سے جن میں خاصیت کا رنگ بہت نمایاں  
 ہے اور معانی زیادہ قابل ذکر نہیں۔ ان کی غفلت اور ان کے کمال کا مدار حقیقی عام لوگوں کی  
 نظروں سے اوجھل ہو رہا ہے۔ اور غالبیت کے غلط تصور نے جو مرد و جوان کے  
 عام مطالعہ کا لازمی نتیجہ تھا بہت سے لوگوں کو اس راستے پر گھاؤ دیا ہے جو کم از کم غالب کا  
 مطلع نظر نہ تھا۔

قتضو حمیدؔ کے علاوہ بھی غالب کے بعض اچھے اشعار ملے ہیں جو اب تک ان کے  
 دیوان میں شامل نہیں ہو سکے مثلاً :-

دور دور دل میں تو دوا کیجیے	دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجیے
ہم کو نہ یاد کرنی آتی ہے	آپ سنتے نہیں تو کیا کیجیے
عرض شوخی نشاط عالم ہے	حسن کو اور غم و غم کیجیے

یا :-

اس جو دردِ جفا پر بھی بطن نہیں ہم تجھ سے  
 کیا طرفہ ترنا ہے اسیہ کرم تجھ سے

یا :-

نہ چوچہ حال میں انداز اس خفا کے تھا	میںوں پہ جان ہی آجائے گی جو کچھ تھا
مجھے بھی تا کہ ترنا سے ہونہ یا دوسی	طریقے کے لیکن ذرا حجاب کے ساتھ
نہ ہو بہ ہرزہ دوا اور سہی بے ہو وہ	کو دور میں ہے مانا خیال و خواب کے تھا
بہزاد صیف کو آتا نہیں کوئی غائب	جو جا گئے کو علاوہ بے کے خواجہ کے تھا

سطح : یہ اشعار غیر بطور اشعار تھی صاحب کی کل شیع کلام غالب کے مآخذ میں ۱۰

آرودہ کاتب کی تعداد | آرودہ نثر کے سلسلے میں تمام ضروری تفصیلات باب تہما میں پیش کی جا چکی ہیں یہاں صرف ان کاتب کی تعداد عرض کر دینا مناسب ہے۔ مطبع فاروقی کے چھپے ہوئے آرودہ سہلے، آرودہ مطبع نو لکھنؤ کی چھپی ہوئی عود ہندی سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کتابوں میں تقریباً ۱۵۰۰ اور نامہ خالص کے علاوہ کل رقعات کی تعداد ۶۱۵ ہے۔

۳۷۰

آرودہ سہلے

۱۴۵

عود ہندی

ان میں سے کم و بیش ۱۱۷ رقعات مشترک ہیں مابعد دو سہلے کے بعض دوسرے مجموعوں میں چند اور رقعات کا اضافہ ہوا ہے۔ اگرچہ ان کی تعداد بہت زیادہ نہیں چوتھے رقعات ہندوستانی اکبڑ بھی صورتِ متحدہ کے زمانہ ہندوستانی نہیں چھپے ہیں۔ چند فرقہ و رقعات بعض مسائل میں ملحق ہوئے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک صاحبِ مدام پور واسے تمام کاتب کو جواب تک شائع نہیں ہوئے۔ ایڈٹ کر کے چھاپنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ حضرت مولانا علامہ آزاد سے معلوم ہوا کہ انہوں نے خالص کے شکر و غفر الدین حسین خاں کے کسی عزیز کے پاس اس کے رقعات موسومہ سخن کا ایک مجموعہ دیکھا تھا جواب تک شائع نہیں ہوا میں نے اس مجموعہ کو حاصل کرنے کی کوشش کی مگر سبب کی سبب لیکن اس کا اب تک اس کا پتہ نہیں مل سکا۔ بطورِ رقعات میں سے زیادہ تر میرزا تقی خان، خواجہ غلام الدین احمد خاں، مفتی شبیرزادہ، میرزا قاسم، میرزا غلام غوث خاں، شیخ زبیر، نور الدین، بھابھ، شفیق، حکیم غلام نجف خاں، اور میرزا عاتق علی بیگ قمر کے نام ہیں۔

کاتب آرودہ کے انداز و اسلوب کی نسبت صرف اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ اس میں سلیس اور بہار آفریں تحریر کا آرودہ زبان میں اور کوئی خورج موجود نہیں۔ بالخصوص ان کاتب میں تو ایسا انداز آج تک بڑے سے بڑے ادیب بھی پیش نہیں کئے کمال یہ ہے کہ ہر قسم کے سبب سے اسی ایک انداز میں قلم برداشت دیکھتے جانتے ہیں۔ یہ انداز ان سے پہلے کسی کو میرزا عاتق اور

ان کے بعد کوئی شخص اس کی پوری پیروی کر سکا تا کہ ان کے اردو شعاری کافی قد ہوئی ہے لیکن ان کے اردو مکاتیب کی اسلئے اور بلند حیثیت سے اس وقت تک عام اہل علم پوری طرح پہچان نہیں ہوئی تھی۔ اس لئے کہ ان کے اردو مکاتیب کی مزا و لذت نشر بخاری کا ہوا تھا اور عمدہ ملک پیدا کر سکتی ہے۔ وہ کسی دوسرے مصنف کی تصانیف کی مزا و لذت سے پیدا نہیں ہو سکتا لیکن مجرور مکاتیب کو بھی از سر نو ترتیب کرنا ضروری ہے جس میں جا بجا تشریحات مروجہ و جموں ہیں اس باب میں بہت سا مواد جمع کر لیا ہے۔ خاک کے کو اس مجرور کی ترتیب کے لئے فرصت میرا ہے تا کہ بعد اس وقت تک جتنے بڑے بڑے ادیب پیدا ہوئے ہیں نے قرآن کے مکاتیب دیکھے ہیں۔ دور حاضر کے اکثر اکابر اہل علم سے بھی مجھے شرف خط و کتابت حاصل رہا ہے۔ لیکن ایک حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے سوا مجھے کسی بزرگ کے انداز تحریر میں غائب کی دلکش خصوصیات جاسیت کے ساتھ نظر نہیں آئیں۔ حضرت مولانا کے مکاتیب میں مزید دلچسپی اور افادہ کا پہلو یہ ہے کہ ان کا دوزخ علم و فضل غائب کے مقابلے میں بہت وسیع ہے۔

مجموعہ مولانا غائب | غائب کو خود بھی اپنے مکاتیب کے نام اور ادھر سے انداز و اسلوب کا احساس تھا۔ وہ فرماتے ہیں :-

میں نے وہ انداز اختیار کیا ہے کہ ملا سکا کہ مکالمہ بنا دیا ہے۔ ہنر کو جس سے پہنچا لیج

باقی کیا کروا اور میری اصلاح کے خیر سے بیکرو۔

چیز صرف اردو کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ غائب کا عام انداز تحریر یہی تھا۔ وہ سچ آ کے آغاز میں لکھتے ہیں :-

جناب میں مولانا رحمتی بہت کچھ دیکھ دیکھ کر بہت کتب دیکھ رہا ہوں کہ مولانا

دوست اور مولانا مفتاح و مولانا فرسٹنگ۔ مولانا رحمتی صاحب قلاب و پزیرت گری و مانت

جونی مولانا بہت ہنر کا مولانا مولانا مولانا

مولانا شری غائب کے کام نظم و نظر کی نسبت زیادہ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

تقاطع بران پہنچ آہنگ، گمرخروڑ، دستبرد کا فصل ذکر باب تصانیف میں آچکا ہے پہنچ آہنگ کے آخری دو حصوں داہنگ چارم اور آہنگ پنجم کی نسبت آئنا مرصع کر دینا چاہئے کہ آہنگ چارم میں غائب کی لکھی ہوئی تقریظیں اور متفق نہیں ہیں۔ آہنگ پنجم میں غائب کی کتابتیں ہیں۔ مگر آہنگ چارم کی نثر کی درست و بوج ذیل ہے

(۱) دیا چہ دیوان غائبی۔

(۲) دیا چہ گل رعنا۔

(۳) غائب نگ رعنا۔

(۴) سرانما فضل خیر آبادی کے نام خط صفت تھیل ہیں۔

(۵) مستند الدرد لکھا میر وزیر شاہ اور دھ کے نام مرشدہ شت صفت تھیل ہیں۔

(۶) غائب دیوان غائبی۔

(۷) دیا چہ دیوان اردو

(۸) تقریظ گلشن بیچار مرتبہ نواب مصطفیٰ خان شہخت۔

(۹) طلحہ صبح اور جو غم ظلمت شکیب کاشن و دھنریں۔

(۱۰) تقریظ دیوان حافظ۔

(۱۱) دیا چہ دیوان میزاد حمید الدین بباد جس کا آخری حصہ صفت تقطیع الحروف میں ہے۔

(۱۲) سرار و حکم فیضی کی تقریظ صفت تھیل ہیں۔

(۱۳) دیا چہ دیوان نشی ہر گوہار تفت۔

(۱۴) تقریظ آئینہ العناد بد سر سید مرحوم۔

(۱۵) دیا چہ دیوان ریختہ نواب حسام الدین حیدر خان۔

(۱۶) دیا چہ تذکرہ طلسم نادر مجرہجی۔

(۱۷) تہنیت طالع طاعت بہ فرارو کے نام پور۔

(۱۸۵) تقریباً مجرماً آثار مرتبہ ہولی نظر کرتی۔

اس فہرست سے ظاہر ہے کہ غائبانہ زیادہ تر کتابوں کے ویباچہ، غائبانہ و تقریباً  
نکاحی میں ایک سو سب کا اندازہ جدا جدا ہے، اور کوئی شراہی نہیں ہے جس میں طور ہی کی سنہ  
کی طرح محض خیال آرائی کی گئی ہو اس زمانے میں غیر منقوط یا منقطع الحروف عبارتیں لکھنا  
تجارتی سمجھا جاتا تھا۔ غائبانہ کی شروں میں اس تجارتی کے نمونے بھی موجود ہیں۔

غائبانہ کا تیب ایک سو ان کی شراہی کا عدد درجہ دلکش مجرماً ان کے حکایتیں میں جن پر  
آج کل کے نظم متل ہے۔ ان کی تعداد کم بیش ایک سو چالیس ہے۔ میرا خیال ہے کہ ان کے  
کا تیب کی طرح غائبانہ کے حکایتیں کی بھی ایک بڑی تعداد ضائع ہو گئی یا چھپ نہیں سکی۔  
ان کے حکایتیں زیادہ تر غائبانہ کی زندگی کے آخری بیس سال کے ہیں۔ اس سے پہلے  
وہ عموماً غائبانہ میں خط و کتابت کرتے تھے۔ چنانچہ کثیرا کثیرا جواب اور کثیرا کثیرا رہتے۔ اس لئے  
پتہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ انہوں نے چند سو برس کی عمر سے لے کر پچاس پچاس برس کی عمر تک  
چوبیس چالیس برس میں محض ایک سو چالیس حکایتیں لکھی۔

کلیات نظم | کلیات نظم کے آغاز میں قطعات، نمونے اور تالیفیں ہیں۔ پھر ایک نمونہ ہے۔  
اس کے بعد ترکیب بند، بعد ازاں شتوایاں، قصیدے اور غزلیات اور آخر میں رباعیات  
ہیں۔ ان کا سرسری اندازہ یہ ہے۔

قسم نظم	تعداد	اشعار
قطعات	۶۷	۸۳۲
نمونس	۱	دس بند
ترکیب بند	۳	۲۳۰
ترجیع بند	۱	۵۶
شتوایاں	۱۱	۲۰۲۲

تغریبات

۳۴۸

۴۳۸۷

رباعیات

۱۰۰

۲۰۰

گویا کلیات فارسی کے کل اشعار کا اندازہ سوا دس ہزار کے قریب ہے۔ تبہ جس کے کل اشعار قریباً ساٹھ سو ہیں مثنوی آبرنگہ را کے ساتھ جو اشعار چھپے اور وہ کسی دوسرے مجموعہ میں شامل نہیں ہو سکے قریباً ایک سو ہیں۔ اس طرح غالب کے فارسی اشعار کا مجموعہ گیارہ ہزار کے قریب ہے لیکن بعض چیزیں نا پید ہیں مثلاً نواب مٹس الامرا حیدر آبادی کا قصیدہ بعض اشعار و قطعات و رباعیات شروں میں آئے ہیں اور کسی مجموعہ نظم میں شامل نہیں ہو سکے ان سب کو جمع کرنا وقت طلب ہے۔

قطعات و ترکیب بنداً قطعات متفق مضامین کے متعلق ہیں مثلاً اپنے اور معاصرین کے درمیان فرق کے متعلق، امرائے کی پیروی نہ کرنے کے متعلق، ایک تخیل کے متعلق۔ خذوق کے متعلق بعض قطعات امر و حکام کی مع و تمیز میں ہیں۔ چند فرسے ہیں۔ ترکیب بندوں میں ایک حضرت علی اکبرؑ اور دوسرے محمد علیؑ انہ غنم کی شخصیت میں اور دوسرا بہادر شاہ کے ساجد کو کے مرثیہ میں ترجیح بند بہادر شاہ کی مع میں ہے اور محسن حضرت علی کی شخصیت میں۔

شندیاں | مثنویوں کی کیفیت یہ ہے :-

(۱) بہادر شاہ کی مع میں موسوم "بہر سر نہیں"

(۲) ایک قصہ موسوم "درو و دی"

(۳) نبارس کی تقریب میں موسوم "ہر چلے ویر"

(۴) ایک قصہ موسوم "ڈنگ و ڈو"

(۵) کلکتہ میں جن لوگوں نے غالب کے خلاف اعتراضات کا جھگڑا کیا تھا ان کے

جواب میں موسوم "بہادر خالص"

نفل جن

(۶) نہرکات اور سلاطین و اشراف خطیر حضرت ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق جو ملان

خیزا دہی کی تحریک پر لکھی اور یہ اس مسئلہ بحث کی ایک کڑی ہے جو راجا منسلق  
اور شاہ اسماعیل شہید کے درمیان مشرق ہوئی تھی۔

۱۰) تہنیت نامہ عید بخت بہاؤ شاہ دہانی

۱۱) تہنیت نامہ عید بخت شہزادہ فتح الملک ولی عہد بہاؤ شاہ

۱۲) ۱۰ جلدی شاہ نورانی کے اوہ کی شرمسوم بخت و جنت انسر کا دیباچہ

۱۳) آئین اکبری صحن سرسید احمد خاں کی ترقی و ترقی۔

۱۴) شہنوی "جنگلار"

۱۵) برگبار | ان میں سے بعض شہنوی کی کیفیت اور بعض اشعار کتاب کے مختلف حصوں میں جا بجا پیش  
کئے جا چکے ہیں۔ لیکن آخری شہنوی کے متعلق شہنوی کی تفصیل ضروری ہے۔ غالب کی یہ  
سب سے بڑی شہنوی ہے جس کے اشعار گیارہ سو سے زائد ہیں۔ ان کا اردو تھا کشتہ نامہ  
کے جگمگ میں غزوات بنوی علی اللہ علیہ وسلم کو تعظیم کریں لیکن افسوس کہ یہ اردو پورا نہ ہو سکا  
وہ اس شہنوی کے صرف غزوات یعنی حمد و نعت و مناقب، غرض تالیف وغیرہ ہی تیار  
کر سکے اصل مضمون مشرق نہ ہو سکا۔ اس میں صرف مروج کا واقعہ ۲۸۔ اشعار پیش ہے شہنوی  
کے آخر میں غرض تالیف کے متعلق فرماتے ہیں ۷

زباں تازہ سازم و غیرے بخت	ہ ذکر شہنشاہ ہے تاج و تخت
گزشت آنکہ دستانہ لکھن	ز کینچر و دستم آمد سخن
منہ کم بود و طبع و کلام	شدت مجاہد سپہ امام
ز منہ دو سیم تختہ انگیز تر	ذمہ خزانہ خیرین تر
فرد مردن شمع ساسانیاں	بود صبح اقبال ایمانیاں
رقم سنج منشور یزدانیم	ذایمانیاں گویم ایمانیم
کسے سا کو تازہ بہ بیجا لگاں	خود و شہادہ دیوانہ لگاں

ہر اقبال ایسا زیر و ستے دیں سخن را ہم از سپید المریس  
فردوسی کے شعلے جو کچھ کہا ہے اس کی سمت دور سنی ہیں کسے کلام پر ہو سکتا ہے۔  
غالب اس شاعری کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

مردم عزیز و دانا پذیرین چنان فرد و آبد کہ نورات خداوندو نیا دیں حضرت امام علی علیہ السلام  
سلام علیہم سبہا علیہم یا بندہ خورشید اندر آرم۔ تو حید و مناجات بختب و ساقی نامرد  
مغنی نامہ پیدائی پذیرفت۔ اپجانی و نضی اگر بیا سخن سے دل آویز سرانگیز گفتہ کہہ و شو  
و مناجات پشیرہ اپجانی جاں ساں نفاذ و قلندر کھن سرود، شد کہ سروشاں شوق، الب  
و شورا یا ہرے بخارا و۔ و دوبارہ سورج و ریح نگر آں پایہ یاقوت کاشن از جاقوت کے خوشہم  
چلنا سپید گفتار شائساں کہ ترات نامدیں گوان ہند و گرفتہ اندواں واپہ ملتے گوان  
ہے خوشہ و ہے خند سخن خدا و خلق را چوں بچند۔

قصائد کی تفصیل یہ ہے۔

قصائد و قصائد

مدح

- |    |                                  |
|----|----------------------------------|
| ۱۲ | (۱) حمد و نعت و مناجات، آریہ     |
| ۱  | (۲) اکبر شاہ عثمانی پادشاہ دہلی  |
| ۱۵ | (۳) بہا و شاہ عثمانی پادشاہ دہلی |
| ۳  | (۴) ملکہ و کشمیر                 |
| ۱  | (۵) لارڈ آکلینڈ گورنر جنرل       |
| ۲  | (۶) لارڈ ولیم براگورنر جنرل      |
| ۱  | (۷) سر چارلس ٹکٹ                 |
| ۱  | (۸) جیسٹس ہایمن ٹکٹ گورنر بریلی  |

۱۵ شاعری، ہندوستان، ۱۹۵۷ء، صفحہ ۳



- ۱ (۹) پرتیب صاحب  
 ۱ (۱۰) ناس ماٹک  
 ۱ (۱۱) ولیم خیر  
 ۱ (۱۲) کلون صاحب  
 ۱ (۱۳) لاڈلار ڈنگ گورنر جنرل  
 ۱ (۱۴) ایڈمنسٹریٹو ہاؤس  
 ۱ (۱۵) لاڈل کینگ گورنر جنرل  
 ۱ (۱۶) سربراہیت انگریز ٹرنک گورنر پنجاب  
 ۲ (۱۷) شہزادہ فتح الملک  
 ۱ (۱۸) ابو الفتح  
 ۱ (۱۹) نصیر الدین حیدر شاہ اودھ  
 ۱ (۲۰) امجد علی شاہ اودھ  
 ۳ (۲۱) واجد علی شاہ اودھ  
 ۲ (۲۲) نواب یوسف علی خاں والی راجم پور  
 ۲ (۲۳) نواب وزیر الدولہ والی ٹونک  
 ۱ (۲۴) راجہ شیر دیاں سنگھ والی الور  
 ۱ (۲۵) ساراجہ زندہ سنگھ والی پٹیالہ  
 ۱ (۲۶) نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ مرحوم  
 ۱ (۲۷) مفتی صدر الدین گزردہ مرحوم  
 ۱ (۲۸) نواب فیاض الدین احمد خاں نیر مرحوم  
 ۱ (۲۹) سر سادہ جنگ اول

(۳۰) ایک عام قصیدہ یا نظم جس کا کوئی مدوح نہیں۔

مثلاً آبرگماریہ کے ساتھ وہ قصیدے ہیں ایک لارڈ الیٹھن کی مدح میں اور دوسرا لارڈ لارنس کی مدح میں تصدیق میں ایک قصیدہ نواب کتب علی خاں بہادر والی رام پور کی مدح میں ہے۔

قصیدوں کا انداز | غالب نے خود ایک جگہ اپنے قصیدوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ حرفِ شجرہ درست ہے فرماتے ہیں :-

کیا کروں اپنا طبع و کس نہیں کیا جاتا وہ دوش ہندوستانی غار کی لکھنے والوں کی پڑ کر نہیں آتی کہ اس ہماؤں کی طرح بجا شریف کروں میرے قصیدے و کچھ تشبیہ کے شریعت پاؤ گے اور مدح کے شکر کھنڈ میں بھی یہی مدح ہے۔

واقف ہی ہے کہ ان کے تمام قصیدوں میں یا تو تشبیہیں بہت اعلیٰ ہیں یا وہ جیسے شاعرانہ نقطہ نگاہ سے خاص طبع پر قابلِ قدر ہیں جن میں انہوں نے اپنی مانت بیان کی ہے تشبیہوں میں غالب نے اپنی شاعری کے ہر کمال کو انسانی حسنِ خوبی کے ساتھ نکال کر رکھا ہے اکثر قصائد عرفی اور دوسرے مثلاً ہیز اساتذہ فن کے قصیدوں پر لکھے ہیں اور غالب اگر ان سے آگے نہیں نکلے تو پیچھے بھی نہیں رہے لیکن انہوں نے وہ غالب کو عرفی اور دوسرے شعرا جیسے قدروان ملے اور نہ زبانِ غار سی کا وہ ذوقِ باقی رہا جس سے عرفی اور دوسرے اساتذہ کا کلام صدیوں متبع ہوتا رہا۔ بلکہ غالب کی وفات کے ساتھ ہی ایسی زبان کا تذکرہ بڑھی حد تک ختم ہو گیا۔

اسلامی اشعار | مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غالب کے طریقِ اصلاحِ اشعار کا بھی مختصر ذکر کر دیا جائے۔ وہ اپنے شاگردوں سے صاف لکھا ہوا کلام منگاتے تھے اشعار کا پسینہ اتنا ہوتا تھا کہ اس میں حسبِ ضرورتی اصلاح دینی چاہیے ہر ایک قصیدہ مدح میں یا مدحِ خواجہ بنے تھے اور اس مسودہ مرکل کو وہ پس کر دیتے تھے۔ خاصگی جھنجھیل برید ہی کو لکھتے ہیں :-

دو محانت نامہ لکھے، اوقات مختلف میں چننے۔ پہلے خط کے حاشیہ پر درشت ہر شمار  
 لکھے ہوتے ہیں۔ پہلی اس طرح کی پہلی کو حروف ابجد میں چڑھے نہیں جاتے۔ اگرچہ بیانی  
 میری اچھی ہے۔ اور میں جینک کا علاج نہیں لیکن بایں ہر اس کے پڑھنے میں بہت  
 نصحت کن چکا ہے۔ علاوہ اس کے جگہ صول کی باقی نہیں۔ چنانچہ اس خاکو آپ کی خدمت  
 میں دہیں بھیجا ہوں تاکہ آپ یہ نہ جانیں کہ میرا خط بھانڈا کر کھینک دیا ہو گا۔ اور مولانا میرا  
 اندیشہ آپ کو معلوم ہو جائے۔ آپ خود دیکھیں۔ اس میں مصلح کہاں دی جاتے۔ وہ پہلے  
 مصلح کے جو خزانہ لکھیے۔ اس میں بن لگاؤ اور میں مصر میں کاغذ ملد یا وہ چھوڑے۔ آپ کے  
 دوسرے خلیوں جو کاغذ شمار کا ہے حروف اس کے روشن ہیں۔ اگرچہ میں ہر سطر مختصر  
 اور مصلح کی جگہ صد و سہ آپ کی خاطر سے بچا کتابت، فاشا تا ہیں اور دونوں نزلوں کو  
 بعد مصلح لکھتا جاتا ہوں۔ سو وہ قوت لکھے پاس ہر گاہ اس سے متقابل کر کے معلوم کر لیجئے گا  
 کہ کس شعر پر مصلح ہوئی لہذا کیا مصلح ہوئی اور کون سی بیت موقوف ہوئی۔  
 نقشہ کو لکھتے ہیں:-

دوسرے پہل میں کو تم نے ہے تحت خود بنا کر پھیلائے مصلح کو جگہ۔ نہ تو یہ سطر کا بیچ و آہٹ  
 کہو میں آتا ہے۔ تم نے اٹک اٹک دو مرتبے پر کیوں نہ لکھا اور چھپا چھپا کیوں نہ لکھا  
 لکھا۔ وہ وقت زیادہ ہو جاتا تو ہر جانا یہ ہر حال اب مجھے تجھے چننے پڑے ہیں۔  
 ایک اور خط میں فرماتے ہیں:-

اشعار جناب رند کے پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد دست ہر گئے۔ اور مصلح اور اشعار  
 اور فی مذہبیا کہ میرا شعر ہے مل میں آیا۔

سب کے ساتھ کیا مل سکے ان کے پاس اطراف ملکات نظمیں اور نثری دار و اور فارسی کی  
 مصلح کے لئے آتی نظمیں سب کو انتہائی توجہ سے دیکھتے تھے۔ سخت تجلیف کے عالم میں

بھی یہ خدمت انجام دیتے رہتے تھے۔ اور جب باطل مجبور ہو جانے لگے تو چھوڑ کر بڑے سکے ساتھ چکیاں سلوک کرتے تھے۔ مثلاً باب الخاقی میں سیاح کے نام کا ایک خط نقل ہو چکا ہے۔ جس میں فرماتے ہیں کہ محض تمام (سیاح کا) اور دوسروں کا کلام ہی بے اصلاح نہیں چڑا بنا کر والی راجہ پر رکی نہیں بھی دلیسے ہی رکھی ہوئی ہیں۔

اصول سے مندرجہ آخری کمر میں بہت عمدہ اور ہونے لگے اور اخباروں میں اعلان کو کیا تھا کہ اب کوئی صاحب اپنا کلام اصلاح کے لئے بھیجیں لیکن اسباب عقیدت اس زمانے میں بھی تبرکاً اصلاح کے لئے بیان بھیجتے جاتے تھے۔ وہ سیاح کو ۲۵ اگست ۱۸۶۷ء کے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

بھائی اب میں تو کوئی دن کامان ہوں اور خیادو لے میرا حال کیا جائیں ان مکمل الاخبار اور مشہور الاخبار دے کہ یہاں کے رہنے والے ہیں اور جہ سے ملتے ہیں مسلمان کے اخبار میں نے اپنا حال منسل جیسا دیا ہے اور میں نے خود چار خطوں کے جواب سے اور اخبار کی اصلاح سے اس پر کسی نے عمل نہ کیا۔ اب تک ہر طرف غلوں کے جواب کا تقاضا اور اخبار دے سنے اصلاح کے چلے آتے ہیں اور میں شرمندہ ہوتا ہوں۔

اصول میں دستک | خواجہ خالی حسین مرزا مرحوم کی زبان سے بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں حسین مرزا اور نائب و پیران عام میں بیٹھے تھے۔ چوہدری آیا اور کہا کہ حضور نے فرمائیں ناگہی میں۔ نائب نے چوہدری کو ٹھہرایا۔ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پالکی میں کچھ کاغذ و مال میں بندھے ہوئے رکھے ہیں وہ لے آؤ۔ کاغذ آئے۔ ان میں آٹھ نوپہ جے تھے جن پر ایک ایک دو دو مصرعے لکھے ہوئے تھے۔ نائب نے اسی وقت قلم و دوات منگوا کر ان مصرعوں پر فرمائیں لکھنی شروع کیں اور وہ ہیں میٹھے میٹھے آٹھ نوپہ لکھیں کہ کہے چوہدری کو کہیں

انداز شعر خوانی خواجہ حاکمی فرماتے ہیں کہ شعر خوانی کا انداز بٹاؤ نکش اور موڑ تھا۔ خواجہ حاکمی نے صرف ایک مرتبہ غالب کو مشاعرہ میں غزل پڑھتے سنا۔ ان کی باری سب کے بعد آئی صبح ہو گئی تھی انہوں نے کہا تھا جدا میں بھی اپنی بھیر دیں الاپتا ہوں۔ یہ کہہ کر اول اور دوم طبع کی غزل اور اس کے بعد تیسری کی غیر طبع شہادت پر دروازے پر بھی یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا مجلس میں کسی کو اپنا قدروان نہیں پاتے اس نے غزل خوانی میں فریاد کی حقیقت پیدا ہو گئی ہے۔

خواجہ حاکمی نے ایک اور واقعہ لکھا ہے کہ ایک روز قلعہ سے سیدھے قریب چٹھیاں کے مکان پر آئے اور کہنے لگے۔

تج ضرور نے ہماری بڑی قدروانی خوانی مید کی مہارکبا میں قصیدہ لکھ کر سنے کیا تھا  
جب میں قصیدہ پڑھ چکا تو رشاد ہوا کہ تو نہ تم پڑھتے خوب ہڑ۔

اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شعر پڑھنے کا انداز بہت دلکش تھا۔

عربی محاکمہ انکوشور کا طریقہ خواجہ حاکمی کے بیان کے مطابق یہ تھا کہ

اکثرات کا نام سرخوشی میں لکھ دیا کرتے تھے اور جب کوئی شعر سزا ختام ہو جاتا تھا۔  
تو کہہ بند میں ایک گرو لکھ لیتے تھے۔ اسی طرح آخر آٹھ دس دس گرو ہیں لکھ کر سورہتے تھے  
اور دوسرے دن صرف باوپر سوچا سہجہ کر تمام اشعار تعلیم کر لیتے تھے  
ایک خط میں میرزا آقاسی کو لکھتے ہیں :-

کیا ہنسی آتی ہے تم پر ہند اور شاہوں کے جہ کو بھی یہ جگہ ہو کہ گات وکی قزل یا قصیدہ  
سنانے رکھ دیا۔ یا اس کے قوافی لکھ لئے اور ان قافیوں پر غلط جوشے لگے۔ ماحول و  
لا قوافی الا باشت۔ چچن میں جب میں رہنہ لکھنے لگا ہوں حسرت ہے مجھ پر اگر میں نے کوئی  
دینت یا اس کے قوافی پیش نظر رکھ لئے ہوں صرف مجھ اور مدین قافیہ تو دیکھ دیا اور اس

سے یاد رکھا۔ لائق مضمون دیکھو یاد رکھا۔ لائق مضمون دیکھو

نہیں ہیں اور قصیدہ لکھنے لکھ... ہاں قی شاعر ہی معنی آفرین ہے غایب چاہی نہیں۔

مشاعرے | غائب کے فارسی سکا تیب میں چند مشاعروں کا بھی ذکر ہے جن میں انہوں نے شرکت کی۔ اردو سکا تیب میں نیز بہی تحقیق کے مطابق صرف ایک جگہ قلعہ کے مشاعرہ کا ذکر آیا ہے قاضی عبدالغنی بریلوی نے مشاعرہ قلعہ کا مصرع طبع مانگا تھا جو اب میں نہیں لکھتے ہیں :-  
قلعہ میں شہزاد خان قیوم پہنچ ہر کر کچ نزل خوانی کریتے ہیں ۔ وہاں کے مصرع طبع کر لیا ہے  
وہاں سے نزل مکہ کر اس پڑھے گا میں کبھی اس محل میں ملتا ہوں اور کبھی نہیں ملتا  
پچھت خود چند، ورنہ ہے اس کو دوام کہاں کیا معلوم ہے کہ اس کے چہرہ اور اس کے ہوتے  
آئندہ ہو۔

اس مکتوب پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن یہ ہر حال یہ قدر سے پہلے کا مکتوب ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاندان قیومریہ کے اوضاع و اطوار اس زمانے میں ایسے ہو گئے تھے کہ وہ اب بصیرت کو یقین ہو چکا تھا۔ یہ محض اب ختم ہونے والی ہے اور اس شعر کی جھلکا بہت صرف چند دم کی ممان ہے۔

فارسی سکا تیب میں سے جن میں مشاعروں کا ذکر ہے۔ چار غزب مصطفیٰ خاں شریف کے نام ہیں اور ایک میر سعدی بختی کے نام۔

پہلا مشاعرہ | غزب مصطفیٰ خاں کو لکھتے کہ جب کی شب کو ۲۴ راج سبزوہ میں (جہاں سخن باراست ہوئی میں نے طرحی زمین میں نزل نہیں کی تھی اس نے مشاعرہ میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن غزب ضیاء الدین احمد خاں نے زمین العابدین خاں عارف اور علاء الدین خاں

سید خاں سے کوئی شعر یا شعر کا کتب ہے اس نے کہانی دہلی میں جیسا کہ آئندہ بتا سکتا ہے معلوم ہو گا۔ غائب کے تحقیق والا قصیدہ کیا تھا جو سید العابدین کی مصحفی شاعری کی ایک اشاعت میں چھپا تھا سید العابدین کا یہ چہ میرے محترم دوست مولانا خضر الدین صاحب شیر کوئی الگ الگ ایڈیشن تھا اور حدت کے پاس ہے اس کا کچھ حصہ آٹا مان میں شائع ہی ہو چکا ہے۔

تھوکر دو فرشتوں کی طرح بچھڑ پھڑ کر دیا۔ وہ دونوں شام کو اٹھنے کے کریمے مکان پہنچے۔  
 اور بکے سارا کراکے سے گئے۔ وہاں پہنچ کر ملائیم صدر الدین آرزوہ کی زیارت سے پنج ماہ کی  
 کافی ہرگئی مصیبتی نے طبعی زمین میں غزل پڑھی۔ دو تین شہول نشین تھے۔ عارف اور جوہر  
 نے دونوں میں پڑھیں۔ میں نے اسی رونمایک غزل کہی تھی جس کا مطلع یہ ہے۔

صبح شد خیمہ ز کمرہ دادا ڈھنسا ٹم

چہرہ آفتاب پر غنایک بگڑنا ٹم

یہ غزل سنائی یا آئندہ مشاعرے کے لئے گر گیا نہ نے آئندہ تو انہم نے آئندہ طبع ہو گئی۔

دوسرے مشاعرہ [دوسرے مشاعرے میں بھی غائب شریک ہوئے۔ فرماتے ہیں کہ آرزوہ کے  
 بہت سے شاعر تھے۔ اور انہوں نے لمبی لمبی غزلیں پڑھیں یعنی صدر الدین آرزوہ وہ بیمار  
 تھے اس لئے ایک مشاعرہ نہ ہوئے۔

چوں از بہت ہستم دیہ خلعت تلک غزاست، تلک غزاست مسرودم۔ تلک غزل

طبعی خواندہ ہے

چو پیش از بدہ چوں باوند منہم نے آید

پہلے گفت سے آجیم کہے دانہ نے آید

مشاعرے میں آئندہ کے لئے قرنی کا یہ مصرع طبع قرار پایا

صد سال سے قراں بہ تنہا گریستن،

غائب لکھتے ہیں :

دریں زمین غائب آئی۔ قصیدہ دار و عرفی و غزل تا غائب بے قرار ہوگا

نور سرور طبعی آئندہ

۱۷ حیات نظر قاضی صفحہ ۲۰۱۔

۱۸ حیات نظر قاضی صفحہ ۲۰۲۔





نور الدین میرزا عالی بخت عالی نے اپنا پناہ گاہم منایا۔ عالی کے پاس ہی میں رخسار، بیٹا ہوا تھا۔ میں نے اپنی نزل دس شرکی پرسی مصیبتی کے شاگردوں میں سے توحی نام ایک توجہ لیا نے "نشدت" نگاہی میرزا حاجی شہرت نے کم دہش ستر شہزادوں میں سناٹے میں پیشاب کے بہانے سے وہاں سے اٹھا۔ اور اپنے گھر چلا آیا۔ دکانوں کے دروازے کھلے تھے۔ چلغ روشن تھے۔ شراب پی اور سرخا۔ صبح قلعہ میں گیا تو وہ چاروں شہزادے جن کے نام اوپر سر قوم میں جمع تھے انہوں نے رات والی تواریں پھر سناٹیں میں نے بھی اپنی نزل دوبارہ پریمی۔ وہیں سنا کہ مشاعرہ ساری رات جاری رہا۔ سب کے آخر میں سلطان الشعرا (ذوق) نے دو نیکو طرحی غزلیں سنائی تھیں۔

نائب کی شاعری کے تعلق حوالہ بالا بیانات کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) انہوں نے دس گیارہ برس کی عمر میں شعر کہنے شروع کئے تھے۔ ابتداً اردو سے ہوتی تھی۔ دس بارہ برس میں خیالی مضامین کا ایک دیوان تیار کر لیا تھا جب اچھائی برائی کی فہرست پیدا ہوئی تو اکثر اشعار حذف کر ڈالے۔ صرف چند اشعار بچے۔  
نور سوجور ہے۔

(۲) فارسی بھی اردو کے بعد ہی شروع کر دی تھی اور کم دہش میں برس کی عمر تک دونوں کی مشق بیک وقت جاری رہی۔

(۳) اس کے بعد فارسی کی طرف زیادہ توجہ ہوتی گئی اور اردو کی طرف سے دل بٹھا گیا۔ تاہم وہ ۱۸۵۳ء سے ۱۸۵۸ء تک اردو کے بچے حقیقتہً فارسی کے شاعر بنے۔

(۴) قلعہ کے ساتھ لازمت کا تعلق پیدا ہونے کے بعد وہاں خاطر شاہ انہوں نے پھر اردو پر توجہ مبذول کی ان کے مروجہ دیوان کی زیادہ تر اچھی غزلیں اس

دور کی کسی ہوئی ہیں ۔

(۵) نظم و نشر کا سلسلہ یوں قرآن کے آخری دم تک قائم رہا لیکن ان کی اُردو و اردو فارسی نظم و نشر کی بہترین چیزیں وہ ہیں جو ۱۸۲۵ء سے لے کر قریباً ۱۸۶۵ء تک لکھی یا لکھی گئیں۔ ۱۸۲۵ء عیسوی سے قبل وہ ناپختہ تھے اور ۱۸۶۵ء کے بعد ان کے دماغی قوی شدید انحطاط کی زد میں آ گئے تھے ۔

